انسان بمقابلہ شیطان

ایم اے راحت





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اوران کتب کو تجارتی یادیگرمادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔



وہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی تھی!

اور وہ یونیورسٹی کا سب سے بڑا اور اہم دن تھا۔ اس روز جلسۂ تقسیم اسناد ہو رہا تھا۔ طلباء بے حد خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔ تعلیم کا دور ختم ہو گیا تھا اور اب وہ عملی زندگی کا آغاز کرنے والے تھے۔ وہ سب سنسنی اور ہیجان سے دوچار تھے۔ سولہ سال انہوں نے دنیا اور اس کی رنگینیوں سے کٹ کر گزارے تھے۔ صرف پریکٹیکلز کے سلسلے میں انہیں کبھی دنیا میں جانے کا موقع ملتا تھا' ورنہ وہ یونیورسٹی تک ہی محدود رہتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے تو ہاسٹل میں وقت گزارتے' گھر اور والدین کا ان کے پاس تصور بھی نہیں تھا۔ یونیورسٹی ان کا گھر تھی' وائس چانسلر ماں اور چانسلر باپ' اس کے سوا انہیں کچھ پتا نہیں تھا۔

اور وہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہی نہیں سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بھی زیادتی ہی ہوگی کیونکہ اس سے موازنے کا تصور ابھرتا ہے اور اس یونیورسٹی کا دنیا کی کسی یونیورسٹی سے موازنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دنیا کی تمام یونیورسٹیوں سے مجموعی طور پر فارغ التحصیل ہونے والے طلباء اور طالبات سے زیادہ فارغ التحصیل طلباء اور طالبات یہ اکیلی یونیورسٹی پروڈیوس کرتی تھی۔

طلباء کے جوش و خروش کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس روز انہیں چانسلر کا دیدار نصیب ہونا تھا۔ صرف اس دیدار کی خاطر وہ اس دن کا انتظار دن گن گن کر کیا کرتے تھے

اور کیوں نہ کرتے۔ ان کا چانسلر' ان کا روحانی باپ دنیا کا حسین ترین شخص تھا' حسین خوبرو اور وجیہہ۔ کون سی خوبی ہے' جو اس میں نہیں۔ وہ ان سب کا آئیڈیل تھا۔

طلباء اور طالبات بے فکری میں لپٹی بے تابی سے تقریب شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے' لیکن انہیں پریشانی کوئی نہیں تھی' مگر دوسری طرف یونیورسٹی کی انتظامیہ کے اراکین پریشان تھے۔ تقریب کے آغاز کا وقت ہو چکا تھا' مگر چانسلر صاحب ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔

شعبہ عمرانیات کے سربراہ نے وائس چانسلر سے کہا۔ "چانسلر صاحب اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ان کے لئے اس تقریب کی خاطر وقت نکالنا آسان نہیں ہوتا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ آجائیں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہز ایکسیلنسی اس تقریب کا چارج آپ کو کیوں نہیں دے دیتے؟" شعبۂ معاشیات کے سربراہ نے کہا۔

وائس چانسلر کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "تم ہز ایکسیلنسی پر اس طرح تنقید نہ کیا کرو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"میں تنقید تو نہیں کر رہا تھا۔" شعبۂ معاشیات کا سربراہ گڑبڑا گیا۔

وائس چانسلر کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "تم نہیں جانتے کہ یہ تقریب ہز ایکسیلنسی کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ اس تقریب سے انہیں نیا اعتماد ملتا ہے۔ یہ ان کے مشن کی تکمیل کی بنیاد ہے۔ ہر سال ان لوگوں سے ذاتی طور پر باتیں کرنا ان کے لئے بہت اہم ہے۔"

"جی---- میں سمجھتا ہوں۔" شعبۂ معاشیات کے سربراہ نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"مگر ان باتوں کے لئے تو تعطیلات کا ایک مہینہ بھی کافی ہے۔" شعبۂ عمرانیات کے سربراہ نے کہا۔

"تم نہیں سمجھو گے یہ بات۔" وائس چانسلر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہز ایکسیلنسی کی نگاہ بہت دور تک دیکھتی ہے۔ وہ جو کچھ سمجھتے ہیں' میں' تم یا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ ان نوجوانوں کو' جو اب عملی زندگی میں قدم رکھنے والے ہیں' جو اعتماد

ہز ایکسیلنسی دے سکتے ہیں' کوئی اور نہیں دے سکتا۔"

"بے شک۔" شعبۂ جرمیات کے سربراہ نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "چھوٹی جماعتوں کے طلباء و طالبات تک آج کے دن کے لئے ایک ایک دن گنتے ہیں۔ ان کے انتظار کا تصور بھی محال ہے۔"

وائس چانسلر نے اکتاہٹ سے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ مقررہ وقت سے دس منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ اسے ان لوگوں پر غصہ آنے لگا۔ وہ پریشان تھے' لیکن اس کی پریشانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے زیادہ پریشان تو وہ خود تھی۔ ہز ایکسیلنسی نجانے کہاں رہ گئے تھے۔

لیکن وائس چانسلر کو اندازہ تھا کہ ہز ایکسیلنسی کسی بہت ضروری اور اہم کام میں الجھے ہوئے ہوں گے۔



وہ خواب نعیم یزدانی کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے لاکھ بھولنا چاہتا لیکن بھول نہ پاتا اور وہ ایسا خواب تھا' جس کا سبب پراگندہ خیالی ہرگز نہیں تھا۔ وہ بامعنی تھا اور اتنا واضح تھا کہ کسی سے تعبیر لینے کا اسے خیال بھی نہیں آیا۔ تعبیر اس پر روشن تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ خواب نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ اتنا خوف زدہ وہ زندگی میں کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس وقت وہ بیٹھا اس خواب کے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔ خواب وہ کم ہی دیکھتا تھا' یا یوں کہیے کہ اسے یوں لگتا تھا کیونکہ زیادہ تر آنکھ کھلتے ہی اسے خواب کا خاکہ بھی یاد نہیں ہوتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آنکھ کھلتی تو خواب کے کچھ ٹکڑے اسے یاد ہوتے۔ نیند میں ہونے کے باوجود وہ ذہن میں خواب کے ان حصوں کو تازہ کرتا جو اسے یاد ہوتے---- اور وہ سوچتا کہ صبح اٹھ کر کسی سے اس کی تعبیر لے گا' لیکن صبح اسے کچھ یاد نہ ہوتا۔

مگر یہ خواب اسے تمام تر جزئیات سمیت یاد تھا' بلکہ یوں کہئے کہ اس کے ذہن سے

چپک کر رہ گیا تھا۔ لگتا تھا کہ کبھی محو ہی نہیں ہوگا۔ غیر ارادی طور پر وہ اس خواب کو دہراتا اور اس پر ویسے ہی تھرتھری چڑھ جاتی' جیسے خواب دیکھ کر آنکھ کھلنے کے بعد چڑھی تھی۔ ہر بار یہی ہوتا اور وہ خوف اتنا شدید تھا کہ خواب دیکھنے کے بعد سے وہ گم صم ہو کر رہ گیا تھا۔ جیسے دنیا کی کسی چیز میں اسے دلچسپی ہی نہ رہی ہو۔

وہ خواب تھا بھی عجیب۔ ڈراؤنا نہیں تھا مگر ڈراتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں ہے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی ہے۔ اس نے جاکر دروازہ کھولا' دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ "جی فرمایئے؟" اس نے پوچھا کیونکہ دستک دینے والا اس کے لئے اجنبی تھا۔

"باہر آیئے۔" اس شخص نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ سامنے سڑک پر کچھ لوگ کھڑے ہیں' جو آپ کو بلا رہے ہیں۔"

نعیم کو اچنبھا ہوا' مگر وہ گھر سے نکل آیا۔ سڑک کی طرف جاتے ہوئے اس نے اجنبی سے کہا۔ "بات کیا ہے؟"

"کسی کی وفات ہو گئی ہے۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کا معاملہ ہے۔"

"کس کا انتقال ہوا ہے؟" نعیم نے کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔"

اتنی دیر میں وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے سڑک نظر آتی تھی۔ فاصلہ کوئی چالیس گز کا تھا۔ نعیم نے دیکھا' سڑک کے پار تین افراد کھڑے تھے۔ وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ نعیم کو ان کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے۔

وہ اس طرف بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ سڑک کے قریب پہنچ گئے' تب اس اجنبی نے جو نعیم کو گھر سے لے کر آیا تھا' سڑک کے پار کھڑے ہوئے لوگوں سے پکار کر کہا۔ "میں انہیں لے آیا ہوں۔"

ان تینوں کے چہروں پر ناپسندیدگی کا تاثر ابھرا' پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ "یہ نہیں چلے گا۔"

نعیم کو توہین کا بہت شدید احساس ہوا۔ اس نے سڑک پار نہیں کی' اسے ساتھ لانے لا اجنبی بھی اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ "کیوں بھئی' میں کیوں نہیں چلوں گا؟ کیا خرابی ہے ہ میں؟" اس نے لڑنے والے انداز میں چیخ کر کہا۔

"ہمیں تو مسلمان چاہیئے۔" سڑک کے پار سے بھی چیخ کر کہا گیا۔

"میں مسلمان ہی ہوں۔" نعیم نے گویا سینہ ٹھونک کر کہا۔

"ہنہہ---- مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔" دوسری طرف سے تحقیر آمیز لہجے میں کہا گیا۔ "تم مسلمان نہیں ہو۔"

نعیم غم و غصے سے شل ہو کر رہ گیا۔ ایسی کیا بات ہے اس میں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسے مسلمان نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ یہ تو بدترین توہین ہوئی۔ اس نے سر جھکا کر خود کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا لیکن لباس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا تو زیادتی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ "تمہیں شرم آنی چاہیئے' صرف لباس کی بنیاد پر مسلمان کو کافر کہتے ہو۔" وہ چلّایا۔

"نہیں بھئی۔ ہمیں تو مسلمان چاہیئے' تم نہیں چلو گے۔" سڑک پار کھڑا ہوا شخص تکرار کئے جا رہا تھا۔

نعیم اول فول بکنے لگا۔

"چلو بھئی۔ وقت مت ضائع کرو۔ ہمیں کسی مسلمان کو تلاش کرنا ہے۔" ان میں سے ایک نے باقی دونوں سے کہا' پھر وہ تینوں پلٹے اور مخالف سمت میں چلنے لگے۔

اچانک نعیم کو احساس ہوا کہ اس میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہے۔ وہ واقعی مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ سڑک کے کنارے کھڑا تھر تھر کانپنے لگا۔ اس پر لرزہ چڑھ گیا تھا۔ اسی لمحے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اپنے بستر پر وہ سچ مچ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اب اس وقت بھی اس خواب کو یاد کرتے ہوئے اس پر لرزہ چڑھ گیا تھا۔

آنکھ کھلنے کے بعد وہ اس پر غور کرتا رہا کہ اسے غیر مسلم کیوں سمجھا گیا۔ صرف پانچ

منٹ میں مسئلہ حل ہو گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے کہیں پڑھا تھا۔۔۔۔ پڑھا تھا کہ مومن اور کافر میں فرق قائم کرنے والی چیز نماز ہے۔

اس وقت سے اب تک وہ اس پر غور کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے اپنی گزری ہوئی زندگی کو بھی دُہرا لیا۔ لڑکپن کے بعد اس نے آج تک کبھی نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ اسے جمعہ پڑھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تھی۔ لڑکپن کے بعد اس نے آج تک روزہ بھی نہیں رکھا تھا۔

اب خواب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ خواب میں اسے تنبیہہ کی گئی تھی کہ اگر اب اس نے نماز نہیں شروع کی تو وہ خدانخواستہ مسلمان نہیں مرے گا۔ تنبیہہ کے علاوہ یہ خواب کی صورت میں اس کے لئے اللہ کی ہدایت تھی۔ سوال یہ تھا کہ اس بھولے بھٹکے ہوئے انسان کو یہ ہدایت کیوں کی گئی۔ وہ کوئی نیک آدمی بھی نہیں تھا۔ اس کا مذہب کی طرف رجحان بھی نہیں تھا۔ بس یہ تھا کہ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر تھا۔ تو کیا صرف اس لئے۔۔۔۔ اس کے ذہن نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ وہ رب العالمین تو کسی کو بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ کافر کو بھی۔۔۔۔ جب کہ وہ برائے نام سہی، بہرحال مسلمان تھا۔ نعیم کو یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ اس کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ اب بھی اس نے نماز شروع نہ کی تو وہ غیر مسلم کی حیثیت سے مرے گا اور یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ یہ سوچ کر اس پر لرزہ چڑھ جاتا تھا۔

خواب دیکھے ہوئے اسے تین دن ہو چکے تھے۔ وہ نماز شروع کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس کے اندر بہت مضبوط تلقین موجود تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ بھول گیا تھا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے۔ اب وہ کسی سے پوچھتا، تو یہ بڑی بے عزتی کی بات ہوتی۔

اس وقت بھی وہ یہی سوچ کر لرز رہا تھا کہ کون جانے، یہ اس کی زندگی کے آخری چند لمحے ہوں، تو کیا وہ غیر مسلم کی حیثیت سے مرے گا؟

اسی لمحے اذان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ مؤذن اللہ کا پیغام دے رہا تھا۔۔۔۔ آؤ بھلائی کی طرف۔ اس پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں رہی کہ وہ نماز پڑھنا بھول گیا ہے۔

وہ بے سوچے سمجھے گھر سے نکل آیا۔ اس کے قدم خود بخود مسجد کی طرف اٹھ رہے تھے۔ اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔



چانسلر کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وہ اپنے اس نئے فیلڈ ورکر سے اتنا متاثر کیوں ہو گیا ہے۔ یہ نیا فیلڈ ورکر گزشتہ سال ہی یونیورسٹی سے ڈگری لے کر فارغ ہوا تھا۔ تبھی سے چانسلر اس پر خصوصی توجہ دے رہا تھا۔ وہ اس سے اپنی نگرانی میں کام لے رہا تھا اور اب تک اس نے اسے مایوس بھی نہیں کیا تھا۔

اس وقت بھی چانسلر اپنے اس خصوصی شاگرد کو عملی زندگی کے متعلق گُر کی باتیں بتا رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے پناہ تکبّر تھا۔ وہ اسے اپنے کارناموں کی تفصیل بتا رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ وہ آپ ہی اپنا سب سے بڑا ثنا خواں تھا۔ اپنی بڑائی بیان کرنے میں جتنا لطف اسے آتا تھا، کسی اَور کو آ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ اپنی تعریف میں یوں رطب اللسان رہا کہ ادھر ادھر کا ہوش ہی نہیں رہا۔ اسے یہ بھی نہیں پتا چلا کہ شاگردِ خصوصی نے ابھی چھبیسویں بڑی جماہی لی ہے۔ چھوٹی کا تو شمار ہی نہیں تھا۔

بالآخر شاگردِ خصوصی سے رہا نہ گیا۔ "یور ایکسیلنسی، یہ سب کچھ تو ہمیں تیسری جماعت میں پڑھایا گیا تھا۔" اس نے بے زاری سے کہا۔

چانسلر بری طرح چونکا۔ اس کی طبیعت مکدّر ہو گئی۔ کم بخت شاگردِ خصوصی نے مزہ کرکرا کر دیا تھا، بہرکیف اس کی خود ستائی کی کیفیت ٹوٹی تو اسے ایک اہم بات یاد آئی۔

"ارے۔۔۔۔ مجھے جلسۂ تقسیمِ اسناد میں بھی شرکت کرنی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"جی ہاں، مجھے یاد ہے۔" شاگرد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یاد ہے تو مجھے یاد کیوں نہیں دلایا؟" چانسلر نے بگڑ کر کہا۔

"یاد دلاتا تو گستاخی ہوتی۔"

"اور یہ جو تم نے میرا موڈ چوپٹ کیا ہے' یہ گستاخی نہیں ہے۔" چانسلر نے اس آنکھیں نکالیں۔

"میں تو آپ کو یہ احساس دلانا چاہ رہا تھا کہ اب مجھے ایڈوانسڈ کورس پڑھائیں۔"

"اچھا' فضول بک بک مت کرو۔"

شاگردِ خصوصی کا منہ بن گیا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

چانسلر خراماں خراماں ایک طرف چل دیا۔ شاگرد اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ دونوں خاموش تھے کیونکہ چانسلر کی طبیعت اب بھی مکدّر تھی۔

"ذرا تیز چلیں' یور ایکسیلنسی۔" شاگرد نے اسے ٹوکا۔ "تقریب کا وقت ہو چکا ہے بلکہ دس منٹ اوپر ہی ہو گئے ہیں۔"

"تم بہت زیادہ سر چڑھتے جا رہے ہو۔" چانسلر نے تیز لہجے میں کہا' مگر فوراً ہی مسکرا دیا۔ "میں پابندی وقت کا کبھی خیال نہیں رکھتا۔ یہ میری خاص صفات میں سے ایک ہے اور میں دوسروں میں بھی یہی صفت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

شاگرد نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا مگر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

دونوں اسی رفتار سے چلتے رہے' پھر اچانک چانسلر کے قدم ٹھٹکے اور وہ رک گیا' شاگرد بھی رک گیا۔ اس نے چانسلر کے چہرے کو دیکھا اور تشویش زدہ ہو گیا۔ چانسلر اچانک ہی پریشان اور وحشت زدہ نظر آنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے یور ایکسیلنسی؟"

"بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے۔" چانسلر نے کچھ سونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شاگرد نے بھی نتھنے پھڑکائے۔ "جی ہاں' بارش ہونے والی ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" چانسلر نے اسے ڈپٹا۔ "اپنا ایک بندہ بھٹکنے والا ہے۔ اسے ہر قیمت پر روکنا ہے۔"

پہلے وہ تیز قدموں سے چلے پھر چانسلر نے دوڑنا شروع کر دیا۔ شاگرد بھی ساتھ ساتھ تھا۔ "تم اسے روکو گے۔" چانسلر نے شاگرد سے کہا۔ "چلتے چلتے میں تمہیں اس کیس کے متعلق تفصیل سے بتا دوں گا۔ مجھے امید ہے' تم سنبھال لو گے۔"

شاگرد نے اثبات میں سر ہلایا اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ اب بھی دوڑ رہے تھے----



نعیم ایک عجیب کیفیت میں مسجد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی وہ گلی میں ہی تھا کہ ایک دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت اور جوان لڑکی نے باہر جھانکا' لیکن نعیم کو اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔

"نعیم---- نعیم؟" لڑکی نے سرگوشی میں اسے پکارا۔

اس بار نعیم نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ وہ گلاب تھی۔ حیرت سے اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ اس لڑکی پر وہ کب سے ڈورے ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا' مگر اس وقت وہ اسے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ نعیم سے کچھ کہا بھی نہیں گیا۔

"دیکھ کیا رہے ہو۔ یہاں آؤ' مجھ سے باتیں کرو نا۔" گلاب نے دعوت دی۔

نعیم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ گلی سنسان تھی۔ وہ گلاب کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کی کیفیت پھر بدلنے لگی۔ "ابھی آتا ہوں---- بس دس منٹ میں۔" اس نے کہا۔

"اتنی دیر میں تو شاید امی اور ابا واپس آجائیں گے۔ جلدی سے آجاؤ' اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے۔"

نعیم نے اس کی آنکھوں میں مچلتے بلاووں کو دیکھا اور اس طرف ایک قدم بڑھایا مگر فوراً ہی اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جس میں وہ گھر سے نکلا تھا۔ "پھر کبھی سہی۔ ابھی میرے پاس وقت نہیں۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"بزدل---- نامرد کہیں کے۔" پیچھے سے گلاب کی سرگوشی سنائی دی۔

مگر نعیم اس سے بے نیاز بڑھتا گیا۔ گلی سے نکلتے ہی اسے ٹھٹک جانا پڑا۔ وہاں ایک

جوان عورت جس کا لباس برہنگی کی خطرناک حد تک پھٹا ہوا تھا' ایک لہولہان بچے کو گود میں لئے کھڑی تھی۔ بچہ دو ڈھائی سال کا لگ رہا تھا۔ عورت رو رہی تھی۔ نعیم کو دیکھتے ہی اس نے اسے پکارا۔ "میری مدد کرو' میرا بچہ مر رہا ہے۔ اسے اسپتال لے چلو۔"

نعیم تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ عورت نے بچے کو نیچے کیا۔ یوں کہ اس کے جسم کا بالائی حصہ نمایاں ہو گیا۔

نعیم گناہ گار سہی' نرم دل تھا۔ وہ بچے کو اسپتال لے جانا چاہتا تھا' مگر پھر اس کے اندر ضد ابھری' کچھ بھی ہو' آج وہ نماز پڑھ کر ہی رہے گا۔ اس نے عورت سے کہا۔ "پانچ منٹ رکو۔ پھر میں تمہیں اسپتال لے چلوں گا۔"

"یہ تو پانچ منٹ جئے گا بھی نہیں۔" عورت نے بلبلا کر کہا۔

"تب تو اسے ویسے بھی مر جانا ہے۔" نعیم نے تاسف سے کہا۔ "اسپتال پہنچنے میں کم از کم بیس منٹ لگیں گے۔"

عورت نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھ سے میرا سب کچھ لے لو۔" اس نے اپنے جسم کو اور نمایاں کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بچے کو بچا لو۔"

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بچانے والا ہے۔" نعیم نے عورت سے ہاتھ چھڑایا اور آگے بڑھ گیا۔ عورت اسے ننگی ننگی گالیاں دے رہی تھی' مگر وہ ایسی کیفیت میں تھا کہ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

سڑک کے پار مسجد تھی۔ نعیم نے دونوں طرف دیکھا اور پھر سڑک پار کرنے کے لئے لپکا۔ اسی وقت نجانے کہاں سے ایک تیز رفتار گاڑی آئی اور وہ گاڑی کی لپیٹ میں آ گیا۔ زمین پر گرتے گرتے اسے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔

گاڑی رکی بھی نہیں تھی۔ لہولہان بچے کو گود میں لئے کھڑی عورت اب قہقہے لگا رہی تھی۔



شاگردِ خاص فخر سے سینہ تانے' گردن اکڑائے چانسلر کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ چانسلر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچ رہا ہے۔ "کیا ہوا یور ایکسیلنسی؟ آپ تو بہت غصے میں دکھائی دے رہے ہیں۔"

چانسلر کے منہ سے شعلوں کے کف اڑ رہے تھے۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"آپ نے دیکھا' میں نے کیسا کام دکھایا؟" شاگرد خاص نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس شخص کو روکنا آسان کام نہیں تھا۔"

"میں نے دیکھا' تم نے بے وقوفی کی حد کر دی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ لگتا ہے' میں نے تم پر وقت ضائع کیا۔" آگ بگولا چانسلر نے انگارے اگلتے ہوئے کہا۔

شاگردِ خاص ہکا بکا رہ گیا۔ اسے تو داد و ستائش کی امید تھی۔ یہاں کچھ اور ہی سامنے آ رہا تھا۔ "میں سمجھا نہیں یور ایکسیلنسی۔"

چانسلر اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہی یہی تھی کہ اسے غصہ بہت جلدی اور بہت تیزی سے آتا تھا---- تیز بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح' بڑی مشکل سے وہ نارمل ہوا۔ "تم نے تو سب کچھ ضائع کر دیا۔" اس بار اس نے نسبتاً نرم لہجے میں کہا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا' یور ایکسیلنسی' میں نے تو وہ کام کیا ہے کہ سانپ بھی نہ مرے اور لاٹھی بھی ٹوٹ جائے۔" شاگردِ خاص نے گڑبڑا کر کہا۔ "آپ شاید کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں۔ وہ مرا نہیں' زندہ ہے۔ البتہ ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ کم از کم تین مہینے چل پھر نہیں سکے گا۔ پھر چنگا بھلا ہو جائے گا۔"

"چلو' اب وقت ضائع نہ کرو' تقریب میں بھی شرکت کرنی ہے۔ میں تمہیں راستے میں سمجھا دوں گا۔" چانسلر نے کہا۔ "اور یاد رکھو زندگی اور موت پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔"

وہ دونوں چل پڑے' کچھ فاصلے پر ایک گٹر تھا' وہ اس میں اتر گئے۔ گٹر میں اترنے کے بعد ان کا خاص سفر شروع ہوا۔ اب وہ زمین کے اندر نیچے ہی نیچے چلے جا رہے تھے۔

چانسلر خاموش تھا جب کہ شاگردِ خاص کا تجسس سے بُرا حال تھا۔ بالآخر اس سے رہا نہ گیا۔ "آپ نے بتایا نہیں یور ایکسیلنسی؟"

"تم کیا سمجھتے ہو' تم نے اسے روک دیا؟" چانسلر نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"سامنے کی بات ہے یور ایکسیلنسی۔ ہوا تو یہی ہے۔"

"نہیں۔ اس کی یہ نماز بھی قبول ہو چکی ہو گی اور جب تک وہ بستر پر پڑا رہے گا' اسے تمام نمازوں کا اجر ملتا رہے گا۔ سمجھے کچھ۔"

"وہ کیوں یور ایکسیلنسی؟"

"یہ سب نیتوں کے کھیل ہیں۔ وہ اوپر والا سب کچھ' جانتا ہے۔ اس آدمی کا اراد مضبوط تھا۔ کوئی ترغیب اسے نہیں روک سکی۔ اس لمحے سے شفایاب ہونے تک وہ پ وقتہ نمازی شمار ہو گا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا' یور ایکسیلنسی۔"

"ہوا تو برا لیکن خیر' چلتا ہے۔ دیکھ لیں گے' تم دراصل ابھی بچے ہو۔" چانسلر نے بے پروائی سے کہا۔

اب وہ گھپ اندھیرے میں چل رہے تھے۔ دونوں نے سکون کی سانس لی اور تاریک شیشوں کے وہ چشمے اتار لئے جو وہ لگائے ہوئے تھے۔ "شکر ہے آپ کا۔ روشنی سے تو نجات ملی' میں تو جب تک اوپر رہوں' آنکھیں دُکھتی رہتی ہیں۔" شاگردِ خاص نے شکر گزاری سے کہا۔

"ہاں۔ کیسی نفرت ہے مجھے روشنی سے۔" چانسلر نے بے حد تُند لہجے میں کہا۔ "اور المیہ یہ ہے کہ مجھے روشنی میں کام کرنا پڑتا ہے۔"

"میرے بس میں ہو تو سورج کو ہی بجھا کر رکھ دوں۔" شاگردِ خاص نے کہا۔

"یہ تو میرے بس میں بھی نہیں۔ تم کیا چیز ہو۔" چانسلر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "بہت کچھ کرنے کی چھوٹ ملی مجھے مگر میں سسٹم کو ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔"

"بے شک---- بے شک یور ایکسیلنسی۔"

"تم بہت آگے جاؤ گے لڑکے۔ خوشامد اور چاپلوسی بہت اچھی کرتے ہو۔"

"شکریہ یور ایکسیلنسی۔"

کچھ دیر خاموشی رہی' پھر شاگردِ خاص نے کہا۔ "روشنی کی امان پاؤں تو کچھ پوچھوں یور ایکسیلنسی۔"

"تمہیں امان دی گئی۔" چانسلر نے اکڑ کر کہا۔ "تم بہت خوش اطوار' خوش گفتار اور اچھی سوچ رکھنے والے لڑکے ہو۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"میں نے جب دیکھا کہ وہ شخص ہر ترغیب کو رد کر چکا ہے اور اب مسجد میں داخل ہونے والا ہے تو میں نے کارروائی کر ڈالی۔ اب آپ نے بتایا کہ اس سے تو بات اور بگڑ گئی۔ اسے تو مفت میں اَن گنت نمازیں اور ڈھیر ساری نیکیاں مل گئیں----"

"اور ترغیب سے بچنے کا اجر الگ۔"

"جی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میری جگہ آپ ہوتے تو اس وقت کیا کرتے؟"

"میں اسے یقین دلاتا کہ اگر سڑک پار کرنے سے پہلے ہی فوری طور پر اس نے حاجت رفع نہیں کی' تو اس کا پیشاب خطا ہو جائے گا۔"

"اس سے کیا ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی جماعت نکل جاتی مگر نماز تو وہ پھر بھی پڑھ لیتا۔"

"نرے گدھے ہو تم۔" چانسلر نے اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ "ارے یہ تو چار رُخ والا کام ہوتا۔ سب سے پہلے وہ ناپاک ہوتا۔ پھر وہ کسی جگہ کو ناپاک کرتا' اس کی نماز جاتی اور مجھے اس کو روکنے کے لئے مہلت ملتی۔ غسل کے معاملے میں' میں اس کی آلکسی کو اکساتا رہتا اور وہ بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔"

"واہ یور ایکسیلنسی' واہ۔ آپ کی عقل و دانش کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔" شاگرد نے داد دی۔

"ناپاکی بہت بڑی چیز ہے۔ اسے بہت زیادہ ناپسند ہے' جس سے میری لڑائی ہے اس لئے میں نے اس شعبے میں بے پناہ کام کیا ہے۔" چانسلر نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "کبھی اس شہر کا

اس نکتہ نظر سے جائزہ لو' تو تم دیکھو گے کہ یہاں ہزاروں غیر سرکاری پیشاب خانے ہیں۔ اسکول کی دیوار' کارخانے کی دیوار' مدرسے کی دیوار---- وہاں زمین ہمیشہ گیلی رہتی ہے اور ایسی بدبو ہوتی ہے کہ وہاں سے گزرنا محال ہوتا ہے' مگر ایسے پیشاب خانے ہوتے ہی راستوں میں ہیں اور لوگ راستے نہیں چھوڑ سکتے' سو پہلے وہ رومال سے ناک دبا کر گزرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ بدبو انہیں پریشان نہیں کرتی۔ اس کا مطلب سمجھتے ہو۔ اس طرح وہ گندگی کو قبول کر لیتے ہیں۔ گندے ہو جاتے ہیں۔"

"بہت خوب یور ایکسیلنسی۔" شاگرد نے پھر داد دی۔ "میں نے بھی دیکھا ہے کہ دیوار پر لکھا ہے---- وہ دیکھو' گدھا پیشاب کر رہا ہے۔ اور اسی دیوار کے سائے میں بیٹھا ایک دو ٹانگوں والا گدھا پیشاب کر رہا ہے۔"

"ہاں اور بعد میں میں کسی گدھے کو سُجھاتا ہوں اور وہ لفظ گدھے پر چونا پھیر دیتا ہے اور یاد رکھو' نیکی ناپاک سے یوں دور بھاگتی ہے' جیسے مَیں لاحول سے بھاگتا ہوں۔" چانسلر نے سامنے دیکھا اور خوشی سے کہا۔ "ہم پہنچ گئے۔"

روشنی ہوتی تو دیکھنے میں دشواری ہوتی' مگر وہ تو گناہوں کی سی تاریکی تھی' جس میں صاف دیکھ سکتے تھے۔ کچھ فاصلے پر یونیورسٹی کی عمارت نظر آ رہی تھی۔ وہ کسی نامعلوم گہرے اور مکروہ سیاہ مادے سے بنائی گئی تھی۔ بہت بڑے گیٹ کے باہر دونوں طرف خنزیر کے دو مجسمے نصب تھے۔

"ہز ایکسیلنسی' آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" شاگردِ خاص نے کہا۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ گیٹ پر یونیورسٹی کی انتظامیہ کے تمام ارکان کے ساتھ وائس چانسلر اس کی منتظر تھی۔ اس کے ہاتھ میں چانسلر والا گاؤن تھا۔ جبکہ دیگر ارکان ہاتھوں میں سانپ اور بچھوؤں کے ہار لئے کھڑے تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ سب مسکرانے لگے۔



تقریب ایک گھنٹے کی تاخیر سے شروع ہوئی!

چانسلر اسٹیج پر آیا تو طلباً و طالبات نے پیروں کے تلووں سے تالیاں بجا کر اس کا سواگت کیا۔ عقیدت اور جوش و خروش ایسا تھا کہ ایک گھنٹہ تک تالیاں بجتی رہیں۔

چانسلر سر کے بل کھڑا ہو کر اس عقیدت پر شکرگزاری کا اظہار کرتا رہا۔

پھر تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پوزیشن لینے والے طلباء و طالبات کے ناموں کا اعلان ہوتا رہا۔ وہ اسٹیج پر آتے اور چانسلر کے ہاتھوں سے اسناد وصول کرتے رہے۔ پیروں کی تالیاں بجتی رہیں۔ عام طلباء کو اگلے روز یونیورسٹی کے آفس سے اپنی اسناد وصول کرنی تھیں۔

آخر میں وائس چانسلر اسٹیج پر آئی اور اس نے اعلان کیا۔ "اب ہمارے محبوب چانسلر ابلیس جنمی ہر سال کی طرح آپ لوگوں سے گفتگو کریں گے۔ براہِ مہربانی پوری توجہ اور ادب سے سنیں۔"

ابلیس نے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ "میرے بچو' یہ دن ہمارے لئے بڑا مبارک ہے۔ مَیں ان تمام طلباً و طالبات کو مبارکباد دیتا ہوں' جنہوں نے آج اپنی تعلیم مکمل کی اور جو زیرِ تعلیم ہیں' میں انہیں تلقین کرتا ہوں کہ پورے دھیان سے' دل لگا کر پڑھیں تاکہ عملی میدان میں کارنامے انجام دے کر میرا نام تاریک کر سکیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم سب اپنا مشن یاد رکھو' یاد رکھو کہ آدم کی اولاد ہماری ازلی دشمن ہے۔ ہم اس کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوئے۔ ارے---- میرا کیا مقام تھا۔ مَیں----مَیں----" ابلیس جوش کے عالم میں سینہ ٹھونکنے لگا۔ "میں معلم الملکوت تھا۔ فرشتوں کو تعلیم دیتا تھا۔ کیا مرتبہ تھا میرا اور مجھ سے کہا گیا کہ گندی مٹی کے اس ڈھیر کو سجدہ کروں۔ یہ مَیں کیسے کر سکتا تھا۔ مَیں نے انکار کیا اور راندۂ درگاہ قرار پایا۔ اس وقت سے مَیں آدم اور اس کی اولاد سے انتقام لے رہا ہوں۔"

اس پر پھر تالیاں بجنے لگیں۔ ابلیس تالیاں تھمنے کا انتظار کرتا رہا' پھر اس نے سلسلۂ کلام جوڑا۔ "میرے بچو' تم آزاد ہو۔ تمہیں تمام سہولتیں' تمام آسائشات میسر ہیں۔ تم

انسان سے بہتر ہو۔ تم پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر چیز تمہارے لئے ہے۔ نیکی اور خیر کے سوا کچھ ممنوع نہیں۔ تم میں سے ہر عورت ہر مرد کے لئے ہے اور ہر مرد ہر عورت کے لئے۔ یاد رکھو' بدکاری' گندگی' غلاظت اور گناہ---- یہ وہ چیزیں ہیں جو بنی آدم کو کمزور کرتی ہیں' لیکن یہی سب کچھ تم کرو تو تمہاری طاقت بڑھتی ہے۔ سو تمہیں یہی سب کچھ کرنا ہے اور طاقت بڑھانی ہے تاکہ انسان کو انہی سب برائیوں کی ترغیب دے سکو۔

"اب ایک اہم بات ہو جائے۔ اب تھوڑے ہی دن بعد وہ مہینہ شروع ہونے والا ہے' جو ہمارے لئے مصیبت کا مہینہ ہے۔ اسلئے بنی آدم کے لئے وہ رحمت کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ دنیا میں جائیں گے تو ہماری طاقت سلب کرلی جائے گی' اس لئے ہم اس مہینے میں دنیا میں جاتے ہی نہیں' ہاں اس ماہ کے شروع ہونے سے پہلے اپنی پوری قوت استعمال کرتے ہیں۔ ہم انسانوں کے درمیان اپنے نمائندہ انسان چھوڑتے ہیں تاکہ شر کا سلسلہ نہ رکنے پائے' پھر بھی ہمارا کام بہت پیچھے چلا جاتا ہے۔" وہ دانت پیسنے لگا۔ "اگر یہ مہینہ نہ ہوتا تو اس وقت دنیا کا نقشہ اور انسانوں کی تاریخ مختلف ہوتی۔ خیر---- میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس مہینے میں ہم فارغ التحصیل طالب علموں کے لئے خصوصی کورسز کا اہتمام کرتے ہیں۔ پوزیشن لینے والوں کو میں خود وقت دیتا ہوں۔ میں ایک بات اور یاد دلا دوں کہ عید کا مہینہ ہمارے لئے بہت اہم ہوتا ہے۔ عید ہمارے لئے خوشی کا مہینہ نہیں' انسانوں کے لئے ہے۔ ہمارے لئے تو وہ مشقت کا مہینہ ہے کیونکہ پچھلے ایک ماہ میں ہمارے کئے کرائے پر پانی پھر چکا ہوتا ہے۔ ہمیں از سرِنو کام شروع کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کے سخت مہینے میں ہم اپنی توانائیاں مجتمع کریں اور عید کے مہینے کے لئے تیاری کریں۔ آئی وش آل آف یو لک۔"

تقریر ختم ہوتے ہی طلباء اور طالبات نے ایک ہی لفظ کی پکار شروع کر دی---- جلوہ' جلوہ---- جلوہ----

وائس چانسلر نے اسٹیج پر آکر ہاتھ بلند کرتے ہوئے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ خاموشی ہوئی تو اس نے کہا۔ "اب آپ کی فرمائش پوری ہونے والی ہے۔ ہزایکسیلنسی

ابلیس جہنمی تمام پردے اور حجاب اٹھا کر اپنی اصل صورت میں جلوہ کرائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ابلیس اپنی اصل شکل میں سامنے آیا۔ وہ ایسی مکروہ بدصورتی تھی کہ کوئی انسان دیکھ لیتا تو فرطِ دہشت سے مرتا نہیں تو بے ہوش ضرور ہو جاتا۔ ایسا لگتا تھا' جیسے خباثت' کمینگی اور اس طرح کے تمام عیوب کو مجسم کر دیا گیا ہو۔

لیکن وہاں موجود تمام شیاطین اور شیطان بچے سجدہ ریز ہو گئے تھے!



تینوں دوست چھٹی ہونے پر دفتر سے نکلے اور معمول کے مطابق پیدل ہی صدر کی طرف چل دیئے۔ صدر سے انہیں گھر جانے کے لئے بس ملتی۔ راستے میں مسجد پڑتی تھی۔ رضوان نے کہا۔ "یار' میں عصر پڑھ لوں۔"

"یہ' کون سا طریقہ ہے؟" سلیمان نے جھنجلا کر کہا۔ "عصر کی اذان ساڑھے چار بجے ہوئی تھی اور اب پانچ بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔"

"تو پھر؟" رضوان نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"دفتر کے اتنے وفادار ہو کہ صحیح وقت پر نماز نہیں پڑھتے۔" سلیمان نے طنز کیا۔

"دفتر میں مسجد ہوتی تو وہیں پڑھتا' باہر نماز پڑھ کر واپس آؤں گا تو چھٹی کا وقت ہو چکا ہو گا۔ یہ اچھا نہیں لگتا۔"

"ڈرتے ہو نا؟"

"یار' رزق کا معاملہ ہے۔ پتا ہے' آجر کی مرضی نہ ہو تو نماز چھوڑ دینے کا حکم ہے۔"

"اور اب ہمیں پریشان کرو گے؟"

"تو تم گھر چلے جاؤ۔" رضوان نے بے زاری سے کہا۔

"یہی تو نہیں ہو سکتا۔" سلیمان نے بے بسی سے کہا' پھر عدنان کی طرف مڑا۔ "چلو بھائی' ہم چائے پیتے ہیں۔"

رضوان مسجد میں چلا گیا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔ دس منٹ بعد رضوان

بھی نماز پڑھ کر آ گیا۔ انہوں نے اس کے لئے بھی چائے منگوالی۔

"ویسے یار' یہ سلیمان ٹھیک کہتا ہے۔" عدنان نے پہلی بار زبان کھولی۔ "تم وقت پر عصر پڑھو تو مغرب بھی قضا نہ ہو۔ اب مغرب ہو گی تو ہم بس میں سفر کر رہے ہوں گے۔"

"مجبوری ہے۔" رضوان نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"مجھے نماز کا اتنا شوق ہوتا تو نوکری کی پروا بھی نہیں کرتا۔" سلیمان نے کہا۔

"ظاہر ہے' جاہل جو ہوئے۔" رضوان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"ہر بات میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ ہو جائے شرط اسی بات پر۔" سلیمان نے چیلنج کیا۔

"نہ بابا۔ تم تو ہر بات پر شرط لگانے کو تیار رہتے ہو۔" رضوان نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "اور شرط حرام ہے۔"

یہ حقیقت تھی۔ سلیمان کو شرطیں لگانے کی عادت تھی اور وہ شرط ہارتا بھی کم ہی تھا۔ ایک کمال یہ بھی تھا کہ وہ لوگوں کو شرط لگانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ "چلو---- اب نکل لو' دیر ہو رہی ہے۔" عدنان نے کہا۔

وہ باہر نکل آئے۔ صدر کے قریب پہنچ کر سلیمان نے بوہری بازار کا رُخ کیا۔ "یہ کہاں چل دیئے؟" رضوان نے ٹوکا۔

"کیوں بنتے ہو؟ یہ تو روز کا معمول ہے۔" سلیمان نے کہا۔

"خواہ مخواہ راستہ کھوٹا کرتے ہو۔"

"راستہ اتنا ہی ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سلیمان بولا۔ "آنا ہے تو آؤ۔ نہیں تو اکیلے چلے جاؤ۔"

"یہی تو نہیں ہو سکتا۔" رضوان نے بے بسی سے کہا اور دونوں دوستوں کے ساتھ چل دیا۔

ان کی دوستی عجیب تھی' مزاجوں میں بڑا تضاد تھا۔ رضوان نیک تھا' اس کا رجحان مذہب کی طرف تھا' جب کہ سلیمان اس کی ضد تھا' ہر برائی اس کو اپنی طرف کھینچتی تھی

اور وہ برائی اپناتا بھی بڑے شوق سے تھا۔ تھا بھی تیز و طرار' عدنان ان دونوں کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا رجحان بہت زیادہ مذہبی بھی نہیں تھا۔ اس کا گزارہ دونوں کے ساتھ ہو جاتا تھا۔

ان کے درمیان مشترک قدریں بھی تھیں---- اور شاید وہی ان کی دوستی کا سبب بھی تھیں۔ تینوں اکیلے تھے---- ہواؤں کی طرح آزاد۔ دنیا میں ان کا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے۔ تینوں کو دفتر کی طرف سے سرکاری فلیٹ ملے ہوئے تھے۔ تینوں ہم عمر تھے۔ تینوں کنوارے تھے۔ ان کی تنخواہیں بس گزارے کے لائق تھیں' لیکن سلیمان کی شرطوں سے صورتِ حال بہتر ہو جاتی تھی۔ شرطیں لگا کر وہ تنخواہ سے کچھ زیادہ ہی بنا لیتا تھا اسی لئے وہ دل کھول کر خرچ کرتا تھا۔ ان کی چائے اور تفریح' یہ سب کچھ اسی کے ذمے تھا۔

شام کے وقت بوہری بازار میں بڑی رونق اور رنگینی ہوتی ہے' بعض گلیوں میں تو کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ اس وقت بھی شاپنگ کرنے والی عورتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہر طرف رنگین آنچل لہرا رہے تھے۔ خوشبوؤں کے جھونکے اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔

اچانک سلیمان کی نظر ایک بہت خوب صورت لڑکی پر پڑی' وہ اکیلی تھی۔ سلیمان نے رضوان کو ٹھوکا دیتے ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "کہو تو ابھی اور اسی وقت اس لڑکی کو پھنسا کر دکھاؤں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"کیا بکواس ہے؟" رضوان غرایا۔ "کیسی ناممکن باتیں کرتے ہو۔"

"ہو جائے شرط اسی بات پر---- دس روپے کی۔"

رضوان نے پھر ہاتھ جوڑ لئے۔

اسی لمحے لڑکی نے سر گھما کر دیکھا' وہ واضح طور پر سلیمان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں لگاوٹ تھی' پھر وہ مسکرائی اور رضوان یقینی طور پر یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ مسکراہٹ سلیمان کے لئے ہے۔ "لاحول ولا قوۃ۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

سلیمان نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔ "چلو استاد' دس نہ سہی پانچ روپے تو جیت لئے مَیں نے' نکالو۔"

"مَیں نے شرط لگائی ہی نہیں تھی۔"



تقریب ختم ہو چکی تھی۔ اب شیطنت ننگی ناچ رہی تھی۔ شیاطین جشن منا رہے تھے' لیکن یونیورسٹی کے کانفرنس روم میں بہت سنجیدہ نوعیت کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ چانسلر ابلیس اس کی صدارت کر رہا تھا۔ تمام بڑے شیاطین اس میں شریک تھے۔

"اس رمضان میں' مَیں وہ کام دکھاؤں گا کہ یہ لوگ شرمندگی سے سر بھی نہیں اٹھا سکیں گے۔" ابلیس نے کہا۔

بجھے چہرے چمکنے لگے۔ ابلیس نے بے حد حوصلہ افزا بات کی تھی' ورنہ وہ لوگ تو رمضان کی آمد کے دکھ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"لطف یہ کہ مجھے کوئی برا نہیں کہہ سکے گا۔ سب جانتے ہیں کہ رمضان میں میری طاقت چھین لی جاتی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے۔ میں تو ان کے ہاتھوں ان کی جڑیں ختم کروا رہا ہوں۔ اس بار ان کی یکجہتی کو جو زخم لگے گا' وہ صدیوں نہیں بھر سکے گا۔ یہ لوگ صدیوں ان زخموں کو چاٹتے رہیں گے۔"

"کوئی خاص بات ہے یور ایکسیلنسی؟" وائس چانسلر نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ بہت ہی خاص بات ہے۔ مَیں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ سب سے خطرناک ان کی یک جہتی اور جذبۂ اخوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سب سے زیادہ زور اسی کو توڑنے پر دیتے رہے ہیں۔ اس بار ہمیں ہماری محنت کا پھل ضرور ملے گا۔"

"آپ وضاحت نہیں کریں گے' یور ایکسیلنسی۔"

"ان کی یک جہتی کو توڑنے کی لئے ہم نفرت پھیلاتے رہے ہیں۔" ابلیس نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہم اس سلسلے میں برسوں سے کام کرتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ

ہے کہ اب یہ لوگ نفرت کرنے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ بس انہیں کوئی برائے نام جواز چاہئے اور اس کی کمی نہیں۔ صوبائی عصبیت' زبان کی بنیاد پر منافرت اور سب سے بڑھ کر فرقہ واریت۔ بس اس وقت سے عرصۂ ابتلا شروع ہونے تک تم لوگ یہی کام کرتے رہو۔ مَیں اپنا کام کر رہا ہوں۔ نتائج ایسے نکلیں گے کہ پوری دنیا انہیں ملامت کرے گی اور یہ اپنی نظروں میں گر جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہو گا' یور میجسٹی۔" وہ سب بیک آواز بولے۔

"یاد رکھو۔ وقتی قید سے پہلے کے ان چند لمحوں' دنوں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ہمیشہ کی طرح یونیورسٹی میں تعطیلات کا اعلان کر دو اور تم لوگ اپنے اپنے کام میں جُت جاؤ۔ اپنے اپنے محاذ پر جنگ کی رفتار تیز کر دو' مجھے تم لوگوں سے یہی کچھ کہنا تھا۔ یہ وقتِ عمل ہے۔"

اس کے ساتھ ہی میٹنگ برخاست ہو گئی۔



رضوان عشا کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنے لگا تو ایک لڑکے نے اسے روک لیا۔

"رضوان بھائی' آج ہمارے ساتھ میٹنگ میں شریک ہو جائیں۔"

"کیسی میٹنگ؟" رضوان نے بے دلی سے پوچھا۔ وہ اس لڑکے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس جیسے اور لڑکے بھی تھے جو اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ یہ بے حد انتہا پسند لوگ تھے---- عقیدے کی بنیاد پر شدت سے محبت یا نفرت کرنے والے متشدد لوگ۔ رضوان جانتا تھا کہ ان سے بگاڑ بھی ٹھیک نہیں۔ بس اس نے ان سے تعلقات کبھی نہیں بڑھائے تھے۔

"بہت اہم میٹنگ ہے۔ آپ چلئے تو سہی۔"

رضوان نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی۔

نماز کے بعد وہ ان دس بارہ لڑکوں کے ساتھ چل دیا۔ ریلوے لائن کراس کرنے کے

بعد وہ کچی بستی میں داخل ہوئے۔ تنگ سی گلیاں تھیں۔ گندگی بھی بہت تھی۔ دونوں طرف کچے پکے بے ترتیب مکان تھے۔ لڑکے ایک دروازے پر رکے۔ انہوں نے دستک دی اور فوراً ہی دروازہ دھکیلا۔ دروازہ بند نہیں تھا۔ کھل گیا' وہ سب اندر چلے گئے۔

وہ ایک کمرے کا کچا مکان تھا۔ ایک لائن میں بیت الخلا' غسل خانہ اور باورچی خانہ تھا۔ سامنے ہی کمرے کا دروازہ تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں مصلے پر ایک بہت بوڑھا کمر خمیدہ شخص بیٹھا تسبیح پر کچھ پڑھ رہا تھا۔ اس کے سر کے بال' بھویں اور پلکیں تک سفید تھیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ان سب نے باآوازِ بلند سلام کیا۔ بوڑھے شخص نے آنکھیں کھولیں' سر گھما کر انہیں دیکھا اور اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ اس نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ تسبیح پڑھنے میں مصروف تھا۔

پورے کمرے میں چٹائیاں بچھی تھیں۔ وہ مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ بوڑھا تسبیح پڑھتا رہا۔ پھر اس نے تسبیح کو چوم کر ایک طرف رکھا اور ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

"ہاں بچو' کیا خبریں ہیں؟" اس نے پاٹ دار آواز میں پوچھا' جو اس کی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔

"آپ کی بات درست ثابت ہو رہی ہے بابا جی۔" شمشاد نے کہا۔ یہ وہ لڑکا تھا' جو رضوان کو ساتھ لایا تھا۔

"تو تمہارے خیال میں مَیں جھوٹ بولتا ہوں۔" بڈھے نے بارعب انداز میں کہا۔

"م ---- میرا یہ مطلب نہیں تھا بابا جی۔"

"میں نے تمہیں درست مشورہ دیا ہے۔" بڈھے نے کہا۔ "جہاد کا وقت آ پہنچا ہے۔ تمہارے نصیب میں یہ سعادت لکھ دی گئی ہے۔ زندہ تو غازی' مرے تو شہید۔"

"ہم اس کے لئے تیار ہیں بابا جی۔" کئی لڑکے بیک آواز بولے۔

"مرحبا ---- مرحبا۔" بڈھے نے جھوم کر کہا۔ "مَیں نے تمہیں چھ ایسی مساجد بتا دی ہیں' جہاں اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندوں کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ تمہیں ان کا قلع قمع کر دینا ہے۔"

رضوان لرز کر رہ گیا۔ یہ تو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ اس قسم کی میٹنگ ہے' دوسرے لڑکوں نے بھی واضح طور پر جھرجھری لی تھی۔ سب پریشان اور متوحش نظر آ رہے تھے۔

بڈھا انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "بس' گھبرا گئے؟ بے عمل لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جہاد کی سعادت انہیں مل ہی نہیں سکتی' جو اللہ کی راہ میں قدم بڑھانے اور ہتھیار اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں بابا جی۔" شمشاد نے دبے دبے لہجے میں کہا۔ "بات مسجد کی ہے۔"

"مسجد تو اللہ کا گھر ہوتی ہے۔" بڈھے نے گرج کر کہا۔ "اور اللہ کے گھر میں اس کے برگزیدہ اور مقبول بندوں کو گالیاں نہیں دی جا سکتیں۔ جہاں ایسا ہوتا ہے' وہ ظاہری طور پر مسجد بھی ہو تو بھی مسجد نہیں ہے۔"

"پھر بھی بابا جی ----"

"دراصل ایمان کمزور ہو گئے ہیں تمہارے' کاش مَیں تمہاری طرح جوان ہوتا۔ مَیں تم سے کہنے کے بجائے خود اِس فتنے کا سدِباب کرتا۔" بڈھے نے سرد آہ کے ساتھ کہا۔

"بابا جی' ہم حاضر ہیں' لیکن مسجد پر فائرنگ ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔" اس بار شمشاد کا لہجہ مستحکم تھا۔

بڈھے نے اسے غور سے دیکھا اور سر جھکا کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا۔ "اچھا' ٹھیک ہے۔ چلو' ان کی بستی میں جا کر ان کے جوانوں کو تو واصلِ جہنم کر سکتے ہو؟"

"یہ کام تو ہو جائے گا بابا جی۔"

"اگر تمہاری مسجد پر بھی فائرنگ ہو گئی تو کیا اس وقت بھی اسی بے غیرتی کا مظاہرہ کرو گے؟"

"ہرگز نہیں بابا جی' ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔"

"تو پھر سن لو کہ وہ تمہاری مسجد پر حملہ کا پروگرام بنا چکے ہیں۔"

"ایسا ہوگیا تو ہم ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" ایک لڑکے نے جوش سے کہا۔

"مجھ سے عہد کرو کہ تمہاری مسجد پر حملہ ہوا تو تم ان کی مسجدیں بھی ویران کر دو گے۔"

"ہم عہد کرتے ہیں۔" رضوان کے سوا تمام لڑکوں نے بیک آواز کہا۔ رضوان دم بخود یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا۔

"اور ان کی بستی پر حملہ رمضان کی ابتدا میں ہی ہو جانا چاہیے۔" بڈھے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہو گا' بابا جی۔" شمشاد نے کہا۔

"لیکن رمضان میں خون بہانا حرام ہے----" رضوان نے احتجاج کیا۔

"کیا بکتے ہو۔ جہاد کے لئے کوئی پابندی نہیں۔ کافر کا خون کبھی حرام نہیں۔" بڈھے نے اسے گھورتے ہوئے تند لہجے میں کہا۔

"وہ کافر نہیں' مسلمان ہیں۔" رضوان نے دل کڑا کر کے کہا۔ اسے اس بڈھے سے خوف آ رہا تھا۔

"ہرگز نہیں' وہ کافر ہیں' ایمان اور اہلِ ایمان کے دشمن ہیں۔" بڈھا غرایا۔

رضوان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن شمشاد کے گھورنے پر چپ رہ گیا۔ "لیکن بابا جی' ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔" بڈھے کا لہجہ نرم ہو گیا۔ اس نے مصلّے کے نیچے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر شمشاد کی طرف بڑھایا۔ "اس پتے پر اس شخص کے پاس جانا اور میرا رقعہ اسے دینا۔ وہ تمہیں سب کچھ دے دے گا' بعد میں ضرورت پڑے تو بھی تم اس کے پاس جا سکتے ہو۔"

شمشاد نے وہ کاغذ جیب میں رکھا۔ بڈھا اتنی دیر میں پھر تسبیح میں مصروف ہو گیا تھا۔

"ہم چلتے ہیں بابا جی۔" شمشاد نے کہا۔ بڈھے نے ان کی طرف دیکھے بغیر سر ہلا کر گویا

اجازت دے دی۔ لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بڈھے نے اس بار بھی سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔

وہ باہر نکل آئے اور اپنے علاقے کی طرف واپس چل دیئے۔ راستے میں رضوان کی ہمت نہیں ہوئی کہ انہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا۔ الٹا شمشاد نے اسے سمجھا ڈالا۔

"رضوان بھائی' مجھے آپ کے تیور اچھے نہیں لگے۔"

"دیکھو' وہ بوڑھا تمہیں خیر کی طرف نہیں' شر کی طرف لے جا رہا ہے۔" رضوان نے نرمی سے کہا۔ "یہ سب کچھ اچھا نہیں ہے۔ سب کلمہ گو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ نے تو کافر کو بھی کافر کہنے سے منع فرمایا ہے۔ کجا یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کہا جائے اور پھر مسجد کا تقدس-----"

"لیکچر نہیں رضوان بھائی۔" شمشاد نے تہدیدی انداز میں انگلی بلند کرتے ہوئے کہا۔ جتنا اس کا لہجہ خراب تھا' اتنے ہی دوسرے لوگوں کے تیور خراب تھے۔ رضوان سمجھ گیا کہ بڈھا کافی عرصے سے انہیں تیار کر رہا ہے۔ اب کچھ ہو نہیں سکتا۔

"میں سمجھ گیا ہوں کہ تم ہمارا ساتھ دینے والے نہیں۔" شمشاد نے مزید کہا۔ اب وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔ رضوان کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ "اب بہتری اسی میں ہے کہ سب کچھ بھول جاؤ۔ سمجھ لو یہ میٹنگ ہوئی ہی نہیں۔ کسی سے کچھ کہو گے تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ راہِ حق میں مَیں اپنے بھائی کو بھی رکاوٹ نہیں بننے دوں گا۔ یہ بات یاد رکھنا۔"

"نہیں' شمشاد بھائی۔" ایک لڑکا بولا۔ "اب انہیں چھوڑنا ہم سب کے لئے خطرناک ہو گا۔"

"رہنے دو یار' یہ اپنے عقیدے کے ہیں اور پھر باعمل ہیں---- نمازی ہیں۔ مَیں بلا ضرورت ان کا خون نہیں بہانا چاہتا۔" شمشاد نے کہا پھر وہ رضوان کی طرف مڑا۔ "میری بات یاد رکھنا ورنہ تمہاری کوئی گارنٹی نہیں۔"

"مَیں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔" رضوان نے جلدی سے کہا۔ آواز کی طرح اس کا

پورا جسم لرز رہا تھا۔

شمشاد نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہنس دیا۔ "ویسے تم ہمارے ساتھ چل بھی نہیں سکتے تھے۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تمہارا تو ابھی سے برا حال ہو رہا ہے۔ لگتا ہے' پیشاب خطا ہو جائے گا۔"

رضوان خاموش رہا۔ چپ رہنے ہی میں عافیت تھی۔ اپنے علاقے میں پہنچ کر اس نے ان سے اجازت لی اور گھر چلا گیا۔ وہ بہت خوف زدہ تھا۔ اس رات وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا۔



لڑکوں کے جانے کے بعد ابلیس نے ایک طویل انگڑائی لی اور تسبیح اور مصلّہ ایک طرف پھینک دیا۔ پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی کمر کا خم غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر خباثت بھری مسکراہٹ ناچنے لگی۔ وہ مطمئن تھا۔ بات بنی تھی اور خوب بنی تھی۔ اب اس خون خرابے کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ خون خرابا اور وہ بھی رمضان کے مہینے میں۔ خون کے یہ داغ صدیوں تک دھلنے والے نہیں تھے۔

ابلیس کے ایسے پانچ مختلف ٹھکانے اور بھی تھے۔ وہ کئی مہینوں سے اس منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اس نے دوسرے عقیدے والوں سے بھی کم و بیش اسی انداز میں بات کی تھی۔ وہ بھی مسجد کے معاملے میں ہچکچا رہے تھے۔

"تم انہیں مسجد کہتے ہو۔" ابلیس نے ملامت بھرے لہجے میں ان سے کہا تھا۔ "جہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں' ان کے قتلِ عام کا عزم کیا جائے' وہ مسجد کہلائیں گی۔ ارے وہ اس رمضان میں تمہیں خاک اور خون میں نہلانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔"

"ہم تیار ہیں' لیکن اس غلیظ کام میں پہل نہیں کریں گے۔" ایک نوجوان نے کہا۔

"لیکن انہوں نے شرانگیزی کی تو انہیں اس کا مزہ بھی چکھائیں گے۔" دوسرا بولا۔

"وہ پہل کر کے نجانے کتنوں کو مار ڈالیں گے۔" ابلیس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "کاش میں بوڑھا نہ ہوتا۔"

اس پر کچھ نوجوان بھڑک گئے۔ "یہ ہونا ہی ہے تو ہم انہیں پہل کیوں کرنے دیں۔" ان میں سے ایک بولا۔

"نہیں۔ ہم کسی قیمت پر پہل نہیں کریں گے۔" نوجوانوں کے لیڈر نے حتمی لہجے میں کہا۔

ابلیس کے لئے اتنا بھی کافی تھا۔ سو اب وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ وہ ٹانگیں پسار کر لیٹ گیا۔ ہفتہ وار میٹنگ شروع ہونے میں ابھی وقت تھا۔ وہ آرام کر سکتا تھا۔

آدھی رات ہوئی تو اس چھوٹے سے کچے گھر میں شیاطین جمع ہونے لگے۔ ابلیس بھی اٹھ بیٹھا۔

میٹنگ شروع ہوئی۔ سب نے اپنی اپنی رپورٹ دی۔ ہر رپورٹ تسلی بخش تھی۔ ہر طرف سے حوصلہ افزا خبر آ رہی تھی۔ ابلیس مسکرائے جا رہا تھا اور اپنے چیلوں کو داد دیئے جا رہا تھا۔ آخر میں اس نے اپنی کارگزاری سنائی۔ شیاطین خوشامدانہ انداز میں اسے داد دیتے رہے۔ وہ پھولا نہیں سما رہا تھا۔

"مگر ایک بات ہے یور ایکسیلنسی۔ اس منصوبے میں گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔" یونیورسٹی کی وائس چانسلر نے کہا۔ وہ ابلیس کی نائب بھی تھی اور داشتہ آئد بکار بھی' اس لئے اس کی خاصی منہ چڑھی تھی۔

ابلیس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "وہ کیسے؟" اس نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔

"دونوں فرقے ایک دوسرے کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہ جائیں۔"

"یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟"

"مسجد کا احترام ان لوگوں کے خمیر میں ہے۔ ان کے بہت اندر تک موجود ہوتا ہے۔ یہ چیز رکاوٹ بن سکتی ہے۔"

ابلیس مسکرایا۔ "تم نے ٹھیک سوچا۔ یہ بہت ممکن ہے۔ مگر تم جانتی ہو کہ میں کچا کام

نہیں کرتا۔"

"میں جانتی ہوں یور ہائی نس۔" وائس چانسلر نے کہا۔ اب وہ اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اس کام کے لئے میں نے تیسری پارٹی بھی تیار کر رکھی ہے۔"

"تیسری پارٹی؟"

"ہاں---- وہ جو انسانوں میں ہمارے خاص الخاص چیلے ہیں۔"

"یعنی منکر پارٹی؟"

"ہاں، وہ لوگ جن کا شعار اللہ، دین اور دین کے شعائر کا مذاق اڑانا ہے۔ جو مذہبی لوگوں کو بنیاد پرست کہتے ہیں۔ انہیں میں نے سمجھایا کہ موقع اچھا ہے۔ سوکھے بھس میں چنگاڑی ڈالو اور تماشا دیکھو۔ بنیاد پرستوں کی تعداد میں کمی ہو گی---- بلکہ یہ کمی جاریہ ہوگی---- مستقل۔ پہلا فائر وہی لوگ کریں گے اور دونوں متحارب فریقوں پر کریں گے۔"

"کیا کہنے یور ایکسیلنسی۔"

"آپ کی عقل کو کون پہنچ سکتا ہے؟"

"واہ خدائے شیطنت!"

ہر طرف سے داد و تحسین کی صدائیں آنے لگیں۔ ہر شیطان خوشامد میں دوسرے کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ ابلیس الثا کھڑا ہو کر شکریہ ادا کرتا رہا۔



سلیمان اور عدنان محسوس کر رہے تھے کہ رضوان کچھ بجھ سا گیا ہے۔ اکیلا ہوتا تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوتا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا تاثر ہوتا۔ کبھی کبھی وہ بہت خوف زدہ نظر آتا۔ دونوں نے کریدنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ ہر بار یہی کہہ کر ٹال گیا کہ کوئی خاص بات نہیں۔

اس روز سلیمان بہت خوش تھا۔ اسمبلی توڑ دی گئی تھی اور حکومت رخصت ہو گئی تھی۔ یہ نہیں کہ اسے حکومت سے کوئی دشمنی ہو یا حکومت کی تبدیلی میں اس کا مفاد ہو، وہ سیاست میں دلچسپی لیتا ہی نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ الیکشن، جمہوریت، حکومت سب ڈھکوسلے بازی ہے، مگر اس حکومت کے جانے کی خوشی اسے اس لئے تھی کہ وہ شرط میں ایک ہزار روپے جیت گیا تھا اور لطف یہ ہے کہ ہزار روپے اسے مل گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شرط پورے دفتر کے سامنے لگی تھی۔ تفصیل کچھ یوں تھی۔

ایک ہفتہ پہلے اس نے کام کرتے کرتے سر اٹھا کر بلند آواز میں اعلان کیا۔ "بھائیو، مبارک ہو۔ یہ حکومت تو گئی۔"

عدنان نے چونک کر سر اٹھایا۔ "کون گئی؟ کہاں گئی؟ کیا ہوا؟"

رضوان نے بے نیازی سے کہا۔ "ابھی ابھی شیطان نے سلیمان کے کان میں سرگوشی کی ہے کہ یہ حکومت گئی۔"

بس پھر کیا تھا، اس موضوع پر بحث چھڑ گئی۔ ہیڈ کلرک آفاق صاحب ان چکروں میں کم ہی پڑتے تھے مگر اس روز ان کے ستارے ہی گردش میں تھے۔ انہوں نے کہا۔ "میاں سلیمان، کیوں بے پر کی اڑاتے ہو۔ یہ حکومت جانے والی نہیں۔"

"سر، میں کہہ رہا ہوں، سمجھ لیں کہ یہ حکومت گئی۔"

"میاں، اس حکومت کو زمین کے تمام جھوٹے خداؤں کی تائید حاصل ہے۔ یہ حکومت پانچ سال پورے کرے گی۔"

"تو سر ہو جائے شرط اسی بات پر۔" سلیمان نے چیلنج کیا۔

"نہیں، خیر ایسی شرط تو میں نہیں لگا سکتا۔ پانچ سال بڑی خطرناک مدت ہے۔ یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" آفاق صاحب پیچھے ہٹنے لگے۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں سر۔" سلیمان کسی کو پیچھے ہٹنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ "پانچ سال پورے کرنے پر شرط نہیں لگا رہا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اب یہ حکومت ایک مہینہ بھی پورا نہیں کر سکتی۔"

"اور کیا شرط لگا رہے ہو؟" آفاق صاحب کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"سو روپے سر۔"

"منظور ہے۔ بلکہ یہ حکومت اگلے مہینے آج کی تاریخ تک ختم ہو گئی تو میں تمہیں دو سو روپے دوں گا۔"

سلیمان سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"بس میاں، بھاگ لئے نا۔" آفاق صاحب صاحب نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں سر۔ مَیں بھاگنے والا نہیں۔" سلیمان نے سر اٹھا کر کہا۔ "مَیں کچھ اَور سوچ رہا ہوں۔" اس نے چند لمحے توقف کیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پھر وہ بولا۔ "اچھا سر، اگر مَیں کہوں کہ یہ حکومت زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی مہمان ہے۔"

"تو کیا فرق پڑے گا۔ پہلے بھی سو روپے ڈوب رہے تھے تمہارے۔ اب بھی سو ہی ڈوبیں گے۔" آفاق صاحب کہتے کہتے رکے۔ "لیکن نہیں۔ ایسا ہو گیا تو مَیں تمہیں سو کے بدلے ہزار دوں گا۔"

سلیمان اٹھ کر آفاق صاحب کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ "منظور ہے سر۔ ملایئے ہاتھ۔"

یوں شرط لگ گئی۔ آفاق صاحب ہر روز اسے یاد دلاتے کہ سو روپے تیار رکھو میاں، اور سلیمان ہنس دیتا۔ یہ اس شرط کا آخری دن تھا مگر صبح ہی خبر آ گئی کہ رات کو اسمبلی توڑنے کا حکم جاری کر دیا گیا ہے۔ سلیمان خوش خوش دفتر پہنچا۔ وہ ساتھیوں سے مبارک باد وصول کرتا رہا مگر گیارہ بجے تک آفاق صاحب نہیں آئے تھے۔

"میرے بھائی، تم خواہ مخواہ خوش ہو رہے ہو۔ آفاق صاحب نہیں آئیں گے۔" عدنان نے چھیڑا۔

"ارے---- ایسی بات نہیں----"

اور اسی لمحے آفاق صاحب آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی سلیمان کو ہزار کا نوٹ دیا۔ "یہ لو میاں، تم شرط جیت گئے۔ مجھے آنے میں اس لئے دیر ہو گئی کہ مَیں بینک ہوتا ہوا آیا ہوں۔"

سلیمان نے اسی وقت چپراسی کو دو کلو مٹھائی لانے کے لئے دوڑا دیا۔ اس معاملے میں وہ بخل کبھی نہیں کرتا تھا۔

"میاں، یہ تو بتا دو کہ تمہیں یہ بات معلوم کیسے ہوئی؟" آفاق صاحب نے پوچھا۔

"سر، اس سے شرط لگانی ہی نہیں چاہئے۔ یہ ناممکن شرطیں بھی جیت جاتا ہے۔" عدنان نے کہا۔

"پھر بھی، کوئی راز تو ہے۔" آفاق صاحب بولے۔

"راز کوئی بھی نہیں سر۔" سلیمان نے بے حد انکسار سے کہا۔ "بس بات اتنی سی ہے کہ مَیں بہت بُرا ہوں اس لئے شیطان مجھ پر بہت مہربان ہے۔ وہ میرے کان میں سرگوشیاں کرتا رہتا ہے۔ میرے ذہن میں عجیب ناممکن سے خیال آتے ہیں اور جس خیال پر میرے اندر سبز بلب جل جائے، مَیں اس پر شرط لگا لیتا ہوں۔"

اس پر سب ہنس دیئے اور مذاق سمجھا۔ چپراسی مٹھائی لے آیا۔ سب نے مل کر خوب مٹھائی اڑائی۔

تو اس دن سلیمان موج میں تھا۔ وہ بس اسٹاپ پر پہنچے تو بس موجود نہیں تھی۔ قریب ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ سلیمان چند لمحے لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی بظاہر اس کی طرف متوجہ نہیں تھی، لیکن اسے لگتا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس نے رضوان کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "مولانا، دیکھنا ابھی یہ لڑکی رومال گرائے گی اپنا۔"

"یار، کیا مصیبت ہے تمہارے ساتھ۔ ایک تو تمہیں خوش فہمی بہت ہوتی ہے۔"

"ہو جائے پھر شرط اسی بات پر۔"

"مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔" اس بار رضوان ہنس دیا۔

"بلکہ مَیں اس پر بھی شرط لگا سکتا ہوں کہ مَیں اسے رومال اٹھا کر دوں گا تو یہ شکریہ بھی ادا کرے گی اور میرے پوچھنے پر یہ بھی بتائے گی کہ کہاں رہتی ہے اور اگر مَیں ٹیکسی میں اسے ڈراپ کرنے کی پیشکش کروں گا تو یہ انکار نہیں کرے گی اور----"

"بس بھائی شیخ چلی----" رضوان نے ہاتھ جوڑ لئے۔

اسی لمحے لڑکی کے ہاتھ سے رومال گر گیا' مگر اسے خبر بھی نہیں تھی۔ سلیمان نے بڑھ کر رومال اٹھالیا۔ پھر اس نے رومال لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "محترمہ' یہ آپ کا رومال گر گیا تھا۔"

لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا اور رومال لیتے ہوئے مترنم آواز میں شکریہ ادا کیا۔

"آپ کہاں جائیں گی؟"

"فردوس کالونی۔"

"کہیں تو ہم ٹیکسی میں آپ کو چھوڑ دیں۔ ہم بھی اسی طرف جا رہے ہیں۔"

لڑکی ہچکچائی۔ "ہم سے مطلب----"

"میرے یہ دوست بھی ہیں---- یہ جو مولانا کھڑے ہیں۔" سلیمان نے رضوان کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی نے رضوان اور عدنان کو دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "آپ کا شکریہ لیکن یہ مناسب نہیں ہو گا۔"

"آپ شاید ہمیں غلط سمجھ رہی ہیں۔" سلیمان نے زخمی لہجے میں کہا۔ "مَیں تو بُرا ہوں لیکن میرے دوست بہت نیک ہیں۔"

لڑکی پھر ہچکچانے لگی' پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "چلیں---- ٹھیک ہے۔"

اسی وقت سامنے سے ایک ٹیکسی گزری۔ سلیمان نے اسے اشارہ کیا۔ ٹیکسی رک گئی۔ رضوان نے جھپٹ کر اگلی سیٹ پکڑ لی۔ عدنان پچھلی سیٹ پر کھڑکی کے پاس جا بیٹھا اور اس کے بعد لڑکی بیٹھ گئی۔

ٹیکسی چل دی۔ سلیمان نے لڑکی سے کہا۔ "میرا نام سلیمان ہے۔"

"میں فرزانہ ہوں۔"

سلیمان اسے اپنے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے نام کے بعد لڑکی سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔

ٹیکسی فردوس کالونی پہنچی تو لڑکی نے کہا۔ "بس مجھے یہیں اتار دیں۔"

"ارے نہیں۔ ہم آپ کو گھر پر ہی ڈراپ کریں گے۔ آپ بس راستہ بتا دیں۔"

لڑکی مسکرا دی۔ اندر چند ذیلی سڑکوں پر مڑنے کے بعد لڑکی کے کہنے پر ٹیکسی ایک چھوٹے سے مکان کے پاس روک دی گئی۔ لڑکی نے سرگوشی میں سلیمان سے کہا۔ "اب تو آپ نے گھر دیکھ لیا ہے۔ کبھی شام کے وقت آیئے گا۔"

"مَیں لڑکیوں سے نہیں' ان کے والدین سے ضرور ڈرتا ہوں۔"

"میری صرف والدہ ہیں---- اور وہ اسپتال میں نرس ہیں۔ رات کی ڈیوٹی کرتی ہیں۔" لڑکی نے کہا اور ایک کاغذ سلیمان کی طرف بڑھایا۔ "اس پر میرے دفتر کا فون نمبر لکھا ہے۔ آنے سے پہلے بتا دیجئے گا۔"

پوری گفتگو سرگوشیوں میں ہوئی تھی۔ کوئی کچھ نہیں سن سکا تھا۔

اس رات وہ سب رضوان کے گھر میں تھے۔ موضوعِ گفتگو وہی لڑکی تھی۔ "وہ اچھی لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔" رضوان بڑے جوش سے کہہ رہا تھا۔

"تم تو بولو ہی نہیں۔" سلیمان نے کہا۔ "تم لڑکیوں کے بارے میں جانتے ہی کیا ہو۔"

"میں بھی رضوان سے متفق ہوں۔" عدنان نے جلدی سے کہا۔ "ذرا سوچو تو۔ کوئی لڑکی اس طرح کسی اجنبی کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ سکتی ہے----"

"اور اجنبی جوان بھی یک، نہ شد سہ شد۔ اسے خوف بھی نہیں آیا۔" رضوان نے کہا۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ شریف لڑکی ہے۔" سلیمان بولا۔

"میں نہیں مانتا۔"

"میں بھی نہیں مانتا۔" عدنان نے کہا۔

"تو پھر ہو جائے سو روپے کی شرط۔"

اس پر رضوان اور عدنان کے منہ لٹک گئے۔ رضوان نے اپنا طے شدہ مکالمہ دُہرایا۔

"شرط لگانا حرام ہے۔"

"اور مَیں عہد کر چکا ہوں کہ تم سے کبھی شرط نہیں لگاؤں گا۔" عدنان بولا۔

"بس تو آئندہ آنسہ فرزانہ کا تذکرہ احترام کے ساتھ کرنا۔" سلیمان نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

"یار، میں ذرا عشاء کی نماز پڑھ لوں۔" رضوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بات سنو۔ آج کل تم گھر میں ہی نماز پڑھ رہے ہو۔ مسجد کیوں نہیں جاتے؟" سلیمان نے ٹوکا۔

ایک لمحے کو رضوان کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی۔ پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "ایک انسان نما شیطان کی وجہ سے الجھا رہتا ہوں۔ جماعت نکل جاتی ہے۔"

"غلط کہہ رہے ہو۔ وہ شیطان تو برسوں سے تمہارے ساتھ ہے، مگر پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ گزشتہ دس دن سے تم عشاء کے لئے مسجد نہیں جا رہے ہو۔" سلیمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ مومن کا ایمان چاند کی طرح ہوتا ہے۔ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔" عدنان نے رضوان کی مشکل آسان کر دی۔ رضوان وضو کرنے کے لئے چلا گیا۔

سلیمان نے عدنان سے کہا۔ "ایسا کرو، آج وی سی آر اور فلمیں لے آؤ۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" رضوان نے باتھ روم سے پکارا۔ "مَیں سونا چاہتا ہوں۔"

سلیمان اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا جہاں رضوان وضو کر رہا تھا۔ "بھائی، فلمیں تو آج ضرور دیکھیں گے۔"

"وجہ؟"

"وجہ کیا، وجوہات ہیں۔" سلیمان نے کہا۔ "جیب گرم ہے اور کل جمعہ ہے۔ دفتر جانا نہیں ہے۔ رات بھر فلمیں دیکھیں گے اور دن میں ڈٹ کر سوئیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مَیں تمہارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟ کہیں جانے والے ہو؟"

"نہیں، قید ہونے والا ہوں۔ پرسوں سے شاید روزے شروع ہو جائیں گے۔" سلیمان نے دردناک لہجے میں کہا۔ "پھر مَیں ایک مہینے تم سے مل نہیں سکوں گا۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" رضوان بولا اور یہ حقیقت تھی، سلیمان خود کو بڑی سنجیدگی سے شیطان سمجھتا تھا اور پورے رمضان وہ رضوان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ کہتا تھا، مَیں تمہاری عبادت میں خلل ڈالوں گا اس لئے نہ ملنا ٹھیک ہے۔

"اچھا لے آؤ۔" رضوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رضوان کے نماز پڑھتے پڑھتے وہ دونوں وی سی آر اور فلمیں لا چکے تھے۔ پھر انہوں نے ٹی وی سیٹ کیا اور فلمیں دیکھنے بیٹھ گئے۔ رضوان فلم دیکھنے کی فرمائش کبھی نہیں کیا کرتا تھا مگر فلمیں دیکھتا بڑے شوق اور دلچسپی سے تھا۔ وہ خوب انجوائے کرتے رہے۔

رات دو بجے اچانک سلیمان نے بلیو فلم لگا دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پہلا سین دیکھتے ہی رضوان بھپر گیا۔ "یہ خرافات نہیں چلے گی۔ نکالو یہ کیسٹ۔"

"کیوں بھئی، اس میں کیا خرابی ہے؟" سلیمان نے پوچھا۔

"تمہیں یہ پوچھتے ہوئے بھی شرم آنی چاہئے۔" رضوان غرایا۔ "کیا یہ کافی نہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔"

"اور یہ اسلامی ملک ہے۔" سلیمان نے طنز کیا۔

"طنز کیوں کرتے ہو۔ یہ تو فخر کی بات ہے۔" رضوان اور بھپر گیا۔

"تو مولانا، تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مَیں یہ کیسٹ اسی اسلامی مملکت کے ایک مسلمان شہری کی دکان سے لایا ہوں---- اور بہت مہنگی لایا ہوں۔ عام کیسٹ کا کرایہ پانچ روپے ہے اور اس کا پچاس روپے، جانتے ہو کیوں۔ اس میں اسلامی مملکت کے تھانوں کا بھتا بھی شامل ہے---- نیچے سے اوپر تک سب کھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ ان کیسٹوں کا کاروبار ہو رہا ہے۔ سب بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔"

"یہ جواز ہے کہ ہم بھی یہ دیکھیں۔" رضوان نے نرم لہجے میں کہا۔ "نہیں یار، میرے گھر میں یہ نہیں ہو گا۔"

سلیمان عدنان کی طرف مڑا۔ "ٹھیک ہے۔ یہ ہم کل دیکھیں گے---- میرے گھر میں، تم فلم لگا دو یار۔ دوستوں میں تلخی نہیں ہونی چاہئے۔"

اور دوستوں میں تلخی ہوئی بھی نہیں۔



ابلیس جری تعطیلات کے پہلے روز پوزیشن حاصل کرنے والوں کی کلاس لے رہا
ان طلباؔ و طالبات کی تعداد تیس تھی، لیکن ابلیس نے ان میں سے لائق ترین دو افراد منت
کر لئے تھے۔ ایک لڑکی تھی ــــ ثقیلہ اور دوسرا لڑکا تھا باطل۔ اسے یقین تھا کہ
دونوں میدانِ شیطنت میں بہت آگے جائیں گے۔ دونوں بہت عیار تھے۔

ابلیس اس وقت انہیں تاریخ پر لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر ختم ہوا تو طلباء کو سوالات کر
کی اجازت ملی۔

"یہ بتائیے کہ ہیڈ کوارٹر اس ملک میں کیوں بنایا گیا؟" ایک طالبِ شیطنت نے پوچھا۔

ابلیس مسکرایا۔ "اس لئے کہ سب سے زیادہ کام کرنے کی ضرورت یہیں ہے۔ تم
محسوس نہیں کیا کہ امریکہ سب سے زیادہ زور اس ملک کو کمزور کرنے اور اپنے زیرِ نگیں
رکھنے پر لگا رہا ہے۔"

"مگر مَیں تو محسوس کرتا ہوں کہ ہم دوسرے ممالک کو نظرانداز کر رہے ہیں۔" ایک
اور طالبِ شیطنت نے اعتراض کیا۔

ثقیلہ نے ہاتھ اٹھایا۔ ابلیس اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"مَیں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتی ہوں۔"

"اجازت ہے۔" ابلیس نے اجازت دے دی۔

"مَیں نے اپنے بین الاقوامی روسٹر کو بہت اچھی طرح اسٹڈی کیا ہے۔" ثقیلہ نے کہا۔
"اور مَیں سمجھتی ہوں کہ ہر جگہ معقول ترین نمائندگی دی گئی ہے۔ کوئی یہ اعتراض کرے
کہ بھارت پر مناسب توجہ نہیں دی گئی ہے تو یہ ان کی ناسمجھی ہے۔ بات یہ ہے کہ
ہندوؤں پر کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اتنے دیوی اور دیوتاؤں میں گھرے ہوئے ہیں
اور اتنے تنگ نظر اور متعصب ہیں کہ انہیں ہماری توجہ کی ضرورت نہیں۔ توحید سے ان
کا دور دور کا واسطہ بھی نہیں، مگر وہاں مسلمان بھی ہیں اور ہمارا یونٹ وہاں مؤثر انداز میں
کام کر رہا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ آبادی عیسائیوں کی ہے اور سب سے زیادہ طاقت
ور یہودی ہیں۔ یہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے، لیکن ان پر کام بھی بہت پہلے سے کیا جا رہا
ہے۔ انہیں ہم نے شخصی آزادی کا تصور دے کر تباہ کر دیا ہے۔ اب وہ تمام ممنوعات اور
حرام چیزوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی اور اپنے پیغمبروں کی تعلیمات بھول چکے
ہیں۔ ہمیں وہاں عام لوگوں پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں، حکومتوں پر توجہ دی جاتی
ہے۔

"ہمارے لئے سب سے خطرناک مسلمان ہیں۔ یہ موحّد ہیں۔ ایک اللہ کو مانتے ہیں
اور یہ بہت بڑی طاقت ہے۔ ان کے پاس ایمان ہے۔ ان کے پاس روشنی ہے۔ اگر یہ
ٹھیک ہو گئے تو عیسائیوں اور یہودیوں تک بھی روشنی پہنچا دیں گے، اس لئے ضرورت اس
بات کی ہے کہ ان پر مسلسل کام کیا جائے۔ اب یہی دیکھ لیں کہ یہاں ایک ایک فرد پر
الگ الگ کام کرنا پڑتا ہے۔ افراد سدھر گئے تو یہ قوم سدھر جائے گی اور اسلام میں اتنی
طاقت ہے کہ وہ پوری دنیا پر چھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شیاطین ڈیڑھ ہزار سال سے
مسلمانوں کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔"

"مَیں یہ بھی واضح کر دوں کہ اپنی پوری افرادی طاقت استعمال کرنے کے باوجود ہم
صورتِ حال سے پوری طرح نمٹ نہیں پاتے، مگر یور ایکسیلنسی ابلیس جنمی نے تمام تر
شیطنت کو بروئے کار لاتے ہوئے دوسروں کی طاقت سے استفادے کا راستہ نکال لیا۔ ہم
نے مغربی دنیا کو باور کرا دیا کہ اسلام ایک ایسا خطرہ ہے کہ مسلمان طاقتوں کو دبا کر نہ رکھا
گیا تو وہ پورے یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کو ہڑپ کر جائے گا۔ سو آپ دیکھ لیں کہ ہر
مغربی ملک کی پالیسی اسی بنیادی نکتے پر کام کر رہی ہے۔"

"اس ملک کی اہمیت یہ ہے کہ یہ سرزمین قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ یہاں کے
لوگوں کی ذہانت غیر معمولی ہے۔ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود یہ ملک ایٹمی طاقت بن چکا
ہے۔ یہاں ہمیں چومکھی لڑنا پڑ رہی ہے۔ ایک طرف عام لوگوں میں بگاڑ پیدا کرنا ہے تو

دوسری طرف ان کی قیادت کو خراب کرتا ہے۔ انہیں دولت کی ہوس میں اور کرپشن میں لگاتا ہے تاکہ ملک معاشی طور پر کمزور ہوتا رہے۔ یہ ہماری بڑی کامیابی ہے کہ ان کا گزارہ صرف قرض پر ہے۔ اسی لئے یہ قرض دینے والوں کے جائز و ناجائز مطالبات ماننے پر مجبور ہیں۔ اس بات کی بڑی اہمیت ہے۔ ہم نے مغربی دنیا کو جو سمجھایا' وہ صرف اسی وجہ سے کارگر ثابت ہو رہا ہے۔ جس دن انہوں نے اللہ پر تکیہ کرنا اور اپنے وسائل پر انحصار کرنا شروع کر دیا' ہمارے سب منصوبے چوپٹ ہو جائیں گے' مگر ایسا ہو گا نہیں۔ ان کے جو قائدین اور اکابرین ہیں' ان سے ناجائز ذرائع سے جمع کی گئی اور بیرونِ ملک منتقل کی گئی دولت نکلوائی جائے تو یہ تمام قرض ادا کرنے کے باوجود خوش حال ہو جائیں گے' مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

ابلیس لڑکی کی قابلیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے لپٹا کر بے ہودہ حرکات شروع کر دیں۔ پھر کیا تھا' پوری کلاس بے قابو ہو گئی۔ دیر تک یہ شیطانی ہنگامہ ہوتا رہا۔ پھر ابلیس نے لڑکی کو چھوڑا اور سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے کھنکھارا' پوری کلاس اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔



وہ رمضان کی چوتھی شب تھی۔ عدنان سلیمان کے فلیٹ پر آیا ہوا تھا۔ دونوں گپ شپ کر رہے تھے۔ سلیمان چائے بنا لایا تھا۔ دونوں چائے بھی پیتے جا رہے تھے۔ "ان دنوں کوئی شرط بھی جیتی؟" عدنان نے کہا۔

"نہیں یار۔ مندا ہو گیا ہے بالکل۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عید پر کیا ہو گا۔" سلیمان نے آہ بھر کے کہا۔

"تم عید کی کیوں فکر کرتے ہو۔ عید تو روزہ داروں کی ہوتی ہے۔" عدنان نے اسے چھیڑا۔

"چاند رات اور اس کی رنگینیاں تو ہم جیسے روزہ خوروں ہی کی ہوتی ہیں اور اس کے لئے جیب میں پیسہ ہونا ضروری ہے۔" سلیمان بولا۔ "اور جہاں تک عید کا تعلق ہے تو مَیں روزے نہیں رکھتا اس لئے عید بھی نہیں مناتا۔ تم جانتے ہو' عید کے دن دوپہر تک سوتا ہوں مَیں۔"

"ہاں' عید کی نماز بھی نہیں پڑھتے۔" عدنان نے کہا۔ "اور فرزانہ کی کیا خبر ہے۔"

"مَیں اس کی طرف گیا ہی نہیں۔ کل جاؤں گا۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ سلیمان نے جا کر دروازہ کھولا اور ہکا بکا رہ گیا۔ دروازے پر رضوان کھڑا ہوا تھا۔

رضوان اندر آ گیا۔ سلیمان نے دروازہ بند کیا اور کمرے میں چلا آیا۔ رضوان کرسی پر بیٹھ چکا تھا ـــــ "یار' رضوان' تم یہاں کیسے؟" سلیمان نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تین کا چاند ہو گیا اس بار؟" اس کی حیرت بجا تھی۔ رمضان میں نہ کبھی رضوان اس کے پاس آتا تھا اور نہ وہ رضوان کے پاس جاتا تھا۔ وہ عید کے دن ہی ملتے تھے۔

"کیا مسخراپن کئے جا رہے ہو؟ اس کی حالت نہیں دیکھتے۔" عدنان نے سلیمان کو ڈپٹا۔

سلیمان نے چونک کر رضوان کو بغور دیکھا۔ اس کا چہرہ سپید ہو رہا تھا اور جسم لرز رہا تھا۔ "کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" اس نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"انہوں نے قتلِ عام کر دیا۔" رضوان نے لرزتی آواز میں کہا۔ وہ ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

"کس نے قتلِ عام کر دیا؟ کِن کا----؟"

"ان بے وقوفوں نے---- افطار کے بعد ہوٹل پر چلتی کار سے فائرنگ کی۔ اٹھارہ افراد ختم ہو گئے۔"

"کِن بے وقوفوں کی بات کر رہے ہو؟" سلیمان نے جھنجلا کر کہا۔

رضوان نے جھرجھری سی لی۔ پھر جیسے وہ ہوش میں آ گیا۔ "پتا نہیں مَیں کیا کہہ رہا ہوں۔ ہوش ٹھکانے نہیں ہیں میرے اِس وقت۔"

عدنان نے جھپٹ کر ریڈیو کھولا۔ آٹھ بجے والی خبریں آ رہی تھیں۔ دو منٹ بعد

رضوان کی اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ افطار کے بعد نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک ہوٹل میں اور اس کے باہر بیٹھے ہوئے اٹھارہ افراد موقع پر جاں بحق ہو گئے تھے۔ چھ افراد کی حالت نازک تھی۔ واقعہ چمن زار کے علاقے میں پیش آیا تھا۔

خبر سن کر عدنان اور سلیمان بھی سناٹے میں آ گئے۔ انہیں بھی سنبھلنے میں کچھ دیر لگی۔ پھر سلیمان نے رضوان سے پوچھا۔ "یہ حرکت کن لوگوں کی ہے؟"

رضوان گڑبڑا گیا۔ "مم---- مَیں---- مَیں کیا جانوں؟"

"تم جانتے ہو انہیں۔" سلیمان نے زور دے کر کہا۔ وہ رضوان کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ رضوان نے نظریں نیچی کر لیں۔

"خواہ مخواہ----"

"تم نے خود کہا تھا۔" سلیمان نے تیز لہجے میں کہا۔

"مم---- مَیں نے کب کہا۔" رضوان نے مظلومیت سے عدنان کی طرف دیکھا۔

"تم نے کہا تھا---- ان بے وقوفوں نے قتلِ عام کر دیا۔" عدنان بولا۔

"مَیں نے---- مَیں نے یہ کہا تھا۔" رضوان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، تم نے کہا تھا اور اب بتاؤ کہ وہ لوگ کون تھے؟"

"بھائی، مَیں بہت برے حال میں تھا، منہ سے نکل گیا ہو گا کچھ، بھلا مجھے کیسے معلوم کہ وہ لوگ کون تھے؟"

سلیمان مطمئن نہیں تھا، مگر عدنان نے کہا۔ "ٹھیک تو کہہ رہا ہے یہ، خبر سن کر ہمارا کیا حال ہو گیا تھا۔"

"سلیمان نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ "تمہیں تو اس وقت مسجد میں ہونا چاہئے تھا۔ جاؤ، ورنہ تراویح نکل جائے گی۔"

"اس بار مَیں نے تراویح شروع ہی نہیں کی۔" رضوان نے شرمندگی سے کہا۔ "بس عشاء پڑھ لیتا ہوں۔"

"کیوں؟ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا؟" سلیمان اسے شک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"پہلے اس نے کبھی عشاء کی نماز گھر پر نہیں پڑھی تھی۔" عدنان کو یاد آ گیا۔

"کیوں بھائی۔ مسجد میں کوئی گڑبڑ ہے کیا؟" اس بار سلیمان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ مسجد میں کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"کچھ تو ہے، مجھے لگتا ہے، تم چھپا رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں یار۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ عشاء بھی پڑھنی ہے۔" رضوان اٹھ کھڑا ہوا۔

عدنان اور سلیمان ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ رضوان چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سلیمان نے کہا۔ "کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور بہت بڑی گڑبڑ ہے۔ یہ دس بارہ دن سے پریشان اور بدلا بدلا لگ رہا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں یار۔ تم تو بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہو۔" عدنان بولا۔

"ہو جائے شرط اسی بات پر؟"

"بھائی، مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔" عدنان نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔



ابلیس کلاس میں لیکچر دے رہا تھا۔ "شرک گناہوں میں بدترین گناہ ہے۔ جب مَیں نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور میرے گلے میں لعنت کا طوق ڈالا گیا تو مَیں نے عرض کیا کہ مجھے قیامت تک موت سے مہلت عطا کی جائے۔ مہلت عطا کی گئی تو مَیں نے کہا---- اب مَیں قیامت تک انسانوں کو بہکاتا اور بھٹکاتا رہوں گا۔ انہیں گناہ پر اکساتا اور جہنم کا راستہ دکھاتا رہوں گا۔ اس پر اللہ نے کہا کہ وہ قیامت تک شرمندہ ہونے اور استغفار کرنے والوں کو معاف کرتا رہے گا اور مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ کیسا غفور الرحیم ہے۔ بندہ زنا جیسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے اور فوراً ہی اس پر شرمندہ ہو جائے اور توبہ کے لئے ہاتھ اٹھائے تو وہ اس کے منہ سے توبہ کے الفاظ نکلنے سے پہلے اسے معاف کر دیتا ہے۔ بتاؤ کوئی حد بھی ہے رحمت اور غفاری کی۔" اچانک وہ دانت پیسنے لگا۔

"یہ اس نے میرے ساتھ بدترین دشمنی کی ہے۔" وہ غرایا۔ "میری محنت استغفار ہاتھوں پل میں اکارت ہو جاتی ہے۔" وہ چونکا۔ "ارے---- بات کیا ہو رہی تھی؟"

"آپ ہمیں شرک کے متعلق بتا رہے تھے۔" باطل نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں' مَیں شرک کے متعلق بتا رہا تھا اور مَیں نے بتایا کہ وہ کیسا غفور الرحیم ہے' اس نے فرمایا کہ مشرک کے لئے دعا نہ کرے۔ مشرک کی استغفار بھی قبول نہیں ہو گی اس سے تم اندازہ لگا لو کہ وہ بخشنے والا مشرک کو بخشنے کو بھی تیار نہیں۔ اب سوچو' شرک کیسا عظیم گناہ ہے۔"

"بے شک' یور ایکسیلنسی۔" کئی طالبانِ شیطنت بیک آواز بولے۔

"اور شرک سب سے عام گناہ ہے۔ اس کا ارتکاب بہت عام اور آسان ہے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ مَیں سب سے زیادہ فائدہ اسی سے اٹھاتا ہوں' اس لئے کہ بندے کو شرک کی ترغیب دینا بہت آسان ہے۔"

"وہ کیسے یور ہائی نس؟" ایک طالبِ شیطنت نے پوچھا۔

"ایک سچے موحّد کو شرک پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے؟" ثقیلہ نے پوچھا۔

"شرک کے بھی دو درجے ہیں۔ شرک خفی اور شرک جلی۔ شرک خفی نادانستگی میں بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ ہمیں آگے جا کر پہنچتا ہے۔ بندے کو پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ شرک کر رہا ہے۔ وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ اس حد تک کمزور ہو جاتا ہے کہ کسی موقع پر کسی معمولی سی ضرورت کی خاطر وہ غیر اللہ کو سجدہ بھی کر سکتا ہے۔"

"مگر کیسے؟" یہ ثقیلہ کی آواز تھی۔

"بات وضاحت طلب ہے' یور ایکسیلنسی۔" باطل نے کہا۔

"شرک سے وہی بچ سکتا ہے' جس کا ایمان مکمل اور مستحکم ہو۔ شرک میں مبتلا ہو کر انسان ایمان سے دور ہو جاتا ہے اور ایمان کی کمزوری سے شرک کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔"

"بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی' یور ایکسیلنسی؟" اور ایک طالبِ شیطنت نے کہا۔

"دیکھو' سب کچھ اللہ کے کلام کی ایک آیت میں چھپا ہے۔ لطف یہ ہے کہ وہ آیت سب آیتوں سے بڑھ کر زباں زدِ عام ہے' لیکن آدمی اِس پر غور نہیں کرتا' تجسّس نہیں کرتا' سمجھ کر اسے روح میں نہیں اتارتا۔ بس اسی لئے وہ مارا جاتا ہے اور میرے بچو' وہ آیت ہے' الحمد للہ رب العالمین' سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' جو تمام عالم کا رب ہے۔ اس آیت پر ایمان اور عمل شرک کا راستہ پوری طرح بند کر دیتا ہے۔"

"وہ کیسے یور ایکسیلنسی؟"

"یہ آیت بتاتی ہے کہ کائنات میں---- تمام عالم میں جو کچھ بھی اچھا ہے' صرف اللہ کی وجہ سے ہے۔ جو کچھ بھی لائقِ تعریف ہے' صرف اللہ کا ہے----"

"اور جو کچھ بھی قابلِ مذمت ہے' سب آپ کی طرف سے ہے۔" باطل نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" ابلیس نے خوش ہو کر کہا۔ "میری بڑائی اسی میں ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کائنات میں کوئی فعل' کوئی چیز' کوئی ہستی' کچھ بھی لائقِ تعریف ہو تو اس کا سزاوار اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ تعریف کا اصل رخ اس کی طرف ہونا چاہئے' جو خیر کا منبع ہے۔ اسے ذہن میں رکھے بغیر کسی کی تعریف کی جائے تو یہ درست نہیں۔ اب اگر کوئی اپنی کسی خوبی پر' یا اپنے تصرف میں آئی ہوئی کسی چیز پر ناز کرے تو یہ تکبّر ہے---- ظلم ہے اور تکبّر اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ اس کا ثبوت مَیں ہوں اور میرا انجام ہے۔"

ابلیس اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ "ہائے' کیا مقام' کیا مرتبہ تھا میرا۔ خیر اب بھی کم نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔ آپ سب سے بلند ہیں۔" تمام طالبانِ شیطنت بیک آواز بولے۔

ابلیس گم سا ہو گیا۔ "ارے---- بات کیا ہو رہی تھی۔"

"آپ شرک اور تکبّر کے بارے میں بتا رہے تھے۔" ثقیلہ نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں۔ بات یہ ہے کہ کسی بھی مخلوق کو غرور زیبا نہیں۔ بڑائی تو خالقِ کل اور معبودِ کائنات کے لئے ہے اور ہر کس و ناکس کے پیروں تلے بچھنے والی مٹی سے بنے آدمی پر تو

صرف عاجزی اور انکسار بجتا ہے مگر خاک آسمان تک پہنچی تو اس کے دماغ ہو گئے۔"

"مگر یور ایکسیلنسی' اس مٹی کی مخلوق کو یہ مرتبہ دیا گیا کہ تمام مخلوقات نے اسے سجدہ کیا۔ اسی توہین کے احساس کے تحت تو آپ نے سرکشی کی۔" باطل نے اعتراض کیا۔

"سجدہ مٹی کے بت کے لئے نہیں تھا۔ اس کے وجود میں رکھے گئے اللہ کے نور کے لئے تھا۔ یہی ایک بات تو مَیں نظرانداز کر گیا تھا۔" ابلیس نے مکاری سے کہا۔ "خیر جو ہوا سو ہوا۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں اور یہ نادم نہ ہونا بھی میرا ہی وصف ہے۔ یہ بھی غرور کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔"

"اچھا' اب ہم آتے ہیں ایمان کی طرف۔ مَیں بتا چکا ہوں کہ ایمان کی کمزوری شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ ایمان کمزور کرنا میرا خاص کام ہے اور آسان بھی ہے۔ خوف' اندیشے' وسوسے اور عدم تحفظ کا احساس۔ یہ سب چیزیں ایمان کو کمزور کرتی ہیں۔ آدمی اور وہ بھی صاحبِ ایمان آسانی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ یہاں میرا پہلا کارنامہ یاد کرو۔ وہ اب تک کام آ رہا ہے۔ آدم جنت میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز تھے۔ مَیں نے بہکانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چنانچہ مَیں صنفِ کمزور حوا کی طرف متوجہ ہوا۔ میری ترکیب کارگر ہوئی۔ حوا نے آدم کو گندم کھلا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ جنت سے نکالے گئے اور ان کے ساتھ پیٹ کی بیماری بھی لگ گئی۔ اب آدمی رزق کی طرف سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے رزق کا اٹل وعدہ کیا ہے مگر آدمی یہی سوچتا ہے کہ رزق چھن نہ جائے۔ یوں وہ خوف' اندیشے اور عدم تحفظ کا شکار ہوتا ہے۔ اس کی خاطر وہ اپنے ہی بھائیوں کی خوشامد کرتا ہے۔ اس حد تک گر جاتا ہی کہ سجدے کرنے کے برابر عمل کرنے لگتا ہے۔ اب بولو' یہ شرک ہوا نا اور اسے کمزور کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہمیں مل گیا ہے---- عورت۔ اس سے آدم نہیں بچ سکے تو ان کی اولاد کیا بچے گی۔"

"پھر رزق کی طرف سے عدم تحفظ کا احساس چپکے چپکے شرک کی طرف لے جانے کے علاوہ دوسری برائیاں بھی پیدا کرتا ہے' جو بندے کو معبود سے دور کرتی اور ایمان کو کمزور کرتی ہیں۔ مال کی ہوس پیدا ہوتی ہے اور یہ ہوس جائز و ناجائز کا فرق مٹا دیتی ہے۔

خوشامد' جھوٹ' بے ایمانی' دوسرے کا حق مارنا' یہ سب ہوسِ مال و زر کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ان سے روح میں کثافت پیدا ہوتی ہے اور دل سخت ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آدمی اللہ کے سوا ہر کسی کو رزاق سمجھنے لگتا ہے' یہ شرک ہے۔ اسی کے نتیجے میں خیر کی طرف سے دل ہٹنے لگتا ہے اور وہ ہمارا بندہ بننے کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔"

"ہوسِ زر ایسی بیماری ہے' جو مفلس سے زیادہ دولت مند کو لاحق ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت کا ارتکاز ہونے لگتا ہے اور معاشی ناہمواری اور بد حالی عام ہو جاتی ہے۔ غریب جو روحانی طور پر طاقت ور ہوتا ہے' پیٹ کی خاطربدی سے سمجھوتا کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ یوں بگاڑ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ آدمی اجتماعی طور پر اللہ کی اطاعت سے بے بہرہ اور سرکش و نافرمان ہوتا چلا جاتا ہے۔"

"اسی لئے ہمیں شرک پھیلانے پر زور دینا چاہئے اور ان بنیادی نکات کے تحت کام کرنا چاہئے۔"

اس پر شیطان بچوں نے خوب نعرے لگائے' پیروں کے تلووں سے خوب تالیاں بجائیں۔ ابلیس سر کے بل کھڑا ہو گیا۔



ٹھیک آٹھ بجے سلیمان' فرزانہ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

اس نے دفتر سے فرزانہ کو فون کیا تھا---- اور فرزانہ نے کہا تھا کہ وہ آٹھ بجے آ جائے۔ سلیمان ساڑھے سات بجے اپنے گھر سے نکل گیا تھا۔

گلی سنسان تھی۔ پھر بھی سلیمان کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور فرزانہ کا چہرہ نظر آیا۔ "آیئے---- اندر آ جایئے۔" اس نے کہا۔

سلیمان اندر چلا گیا۔ فرزانہ نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ اندر کمرے میں لے گئی۔

"بیٹھئے۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سلیمان بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ عام سا کمرا تھا' جیسے اس طرح کے گھروں میں ہوتے ہیں۔ دیوار کے ساتھ بیڈ تھا۔ اس کے مقابل وہ صوفہ تھا' جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا' درمیان میں ایک چھوٹی میز تھی۔ دیواروں پر دو کیلنڈر اور تین چار طغرے تھے۔ کھڑکیوں پر سستے اور بھڑکیلے پردے تھے۔

"آپ نے اتنے دن لگا دیئے آنے میں' مَیں تو سمجھی تھی کہ شاید بھول ہی گئے ہیں مجھے۔" فرزانہ نے اسے چونکا دیا۔

سلیمان نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا---- اور اسے شاک لگا۔ وہ اس وقت اس روز کے مقابلے میں بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے سادہ لباس پہنا ہوا تھا۔ چہرے پر بھی میک اپ نہیں تھا۔ دوپٹے کو اس نے سر پر یوں کس کر لپٹا تھا کہ چہرہ اس کے حصار میں معلوم ہو رہا تھا۔

اور پھر بھی پچھلی بار سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی!

"بتایا نہیں آپ نے کہ اتنے دن کیوں لگا دیئے؟" فرزانہ بولی۔ وہ سامنے والے بیڈ پر ٹک گئی تھی۔

"بس وقت ہی نہیں ملا۔" سلیمان نے جواب دیا۔ "پھر بھی آ تو گیا ہوں۔"

"اب یہ بتائیں' میں کیا کروں آپ کے لئے؟ کیا کھائیں گے' کیا پئیں گے؟"

"کچھ بھی نہیں' میں کھا پی کر آیا ہوں۔ مگر تم کیسی مہمان نواز ہو کہ اتنی دور بیٹھی ہو۔"

"دور کہاں' سامنے ہی تو ہوں۔"

"یہاں---- میرے پاس آؤ نا۔"

وہ سادگی سے صوفے پر اس کے برابر آ بیٹھی۔ "کچھ تو لیں نا۔ چائے بناؤں آپ کے لئے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" سلیمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے اسے سہلانے لگا۔

فرزانہ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ "مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ آپ پہلی بار ہمارے ہاں آئے ہیں----"

"آخری بار تو نہیں آیا ہوں۔" سلیمان کے ہاتھ کچھ پیش قدمی کرنے لگے۔

فرزانہ کے جسم میں تناؤ سا نظر آیا۔ اس نے نرمی سے سلیمان کا ہاتھ ہٹا دیا۔ "پلیز سلیمان' ایسا نہ کریں۔ مَیں اپنی نظروں میں گر جاؤں گی۔"

سلیمان نے چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔ "تو پھر تم نے مجھے بلایا کیوں تھا؟ اور وہ بھی اکیلے گھر میں----"

"مَیں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں---- بہت سی باتیں۔ مَیں اپنے بارے میں بتانا چاہتی ہوں اور آپ کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔" فرزانہ نے بے حد اعتماد سے کہا۔

"یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟" سلیمان حیران تھا۔

"بس مجھے تو یقین ہے اس بات کا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تو ہمیں صرف باتیں ہی نہیں' اور بھی بہت کچھ کرنا چاہیے---- ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے۔" سلیمان کے ہاتھ پھر بہکنے لگے۔

"سلیمان پلیز----" فرزانہ روہانسی ہو گئی۔

"مَیں سب کچھ سمجھتا ہوں۔ تم شریف لڑکی ہو۔ حیا تمہارا زیور ہے۔ تمہاری جھجک فطری ہے' لیکن تم بھی میرے قریب آنے کے لئے تڑپ رہی ہو۔ مَیں سب سمجھتا ہوں۔ اب وقت ضائع نہ کرو۔" سلیمان کے لہجے میں شیطنت تھی۔ اس کے ہاتھ پھر بے قابو ہونے لگے۔

"سلیمان' آپ مجھے بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔ بہت بُری لڑکی سمجھ رہے ہیں۔ ہے نا؟"

سلیمان کے جذبات ایک دم سرد پڑ گئے۔ "تم ہی بتاؤ' مَیں تمہیں اور کیا سمجھ سکتا ہوں؟" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ کھل کر کہئے نا۔"

"تمہاری امی ہر روز اسپتال جاتی ہیں۔" سلیمان نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "تو مَیں تمہارا پہلا مہمان تو نہیں ہو سکتا۔"

"آپ کا مطلب ہے---- آپ----" فرزانہ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا' پھر اس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ رونے لگی۔ "مَیں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں' ورنہ مَیں آپ کو کبھی بلاتی ہی نہیں۔" وہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "اس لئے کہ مَیں نے آپ کے بارے میں بہت خواب دیکھے ہیں۔ مَیں آپ پر غلط تاثر تو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔"

اسے روتے دیکھ کر سلیمان بوکھلا گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "مَیں چلتا ہوں----"

فرزانہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "پلیز---- میری پوری بات سنے بغیر آپ نہیں جا سکتے۔"

"مگر تم رو رہی ہو۔ اور یہ----"

"اچھا' اب نہیں روؤں گی۔ آپ بیٹھئے تو۔" فرزانہ نے جلدی سے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ لئے۔

"تو تم مجھ پر برا تاثر نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں؟"

"ہاں' آج والی بات تو خیر میری سمجھ میں ہی نہیں آئی مگر اس دن جب آپ نے مجھے ٹیکسی میں گھر چھوڑنے کی پیشکش کی تھی تو مَیں ہچکچائی تھی۔ تین لڑکوں کے ساتھ ٹیکسی میں لفٹ لینا' آپ کے دوست بھی مجھے غلط سمجھتے اور آپ بھی۔"

"تو پھر کیوں بیٹھ گئی تھیں ٹیکسی میں۔"

"مَیں اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔"

"کیسا موقع؟" سلیمان کا دماغ گھوم رہا تھا۔

"آپ سے تعارف کا----"

"پہلی نظر میں تم نے میرے خواب بھی دیکھ لئے اور میرے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔" سلیمان کا لہجہ زہریلا تھا۔

"مَیں آپ کو کئی مہینوں سے دیکھ رہی ہوں۔ آپ کبھی میری طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے۔ یہ پہلی نظر کا معاملہ نہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ مجھے پہلی ہی نظر میں آپ سے محبت ہو گئی تھی۔" فرزانہ کی نظریں جھک گئیں۔ "پھر اس دن آپ میری طرف متوجہ ہوئے تو میری خوشی کی حد نہ رہی۔ مَیں ہر احتیاط بھول گئی۔"

سلیمان نے گہری سانس لی۔ یہ لڑکی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ عدنان اور رضوان سے وہ شرط لگانے کو تیار ہو گیا تھا کہ وہ شریف لڑکی ہے' لیکن شرط لگانا تو اس کی عادت تھی۔ وہ سچ مچ اسے شریف نہیں سمجھا تھا' مگر اب اس کی اِنجانی حِس اسے بتا رہی تھی کہ وہ واقعی نیک شریف لڑکی ہے۔

"مَیں قسم کھا سکتی ہوں کہ آپ میری پہلی محبت ہیں۔ آج سے پہلے میری زندگی میں کوئی نہیں آیا۔" فرزانہ نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" سلیمان زچ ہو گیا تھا۔ وہ مطلب نکالنے والا آدمی تھا۔ محبت کا قائل نہیں تھا۔

"مَیں بتا چکی ہوں۔ آپ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"پہلے اپنے بارے میں بتاؤ' مگر وہاں بیڈ پر جا بیٹھو۔ تم مجھے بہت خوب صورت لگتی ہو اور میرے یہ ہاتھ بہت گناہ گار ہیں۔"

فرزانہ نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا' مگر کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے بیڈ پر جا بیٹھی۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ ماں نرس تھی۔ اس نے اسے بہت اچھی طرح پالا تھا۔ اچھی تعلیم دلائی تھی۔ اب وہ اپنے پیروں پر کھڑی تھی۔ ایک دن اس نے بس اسٹاپ پر سلیمان کو دیکھا اور وہ اسے بھا گیا' لیکن اس کی اسے مخاطب کرنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی۔ پھر وہ خود ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور یوں اس وقت وہ اس کے

سامنے بیٹھا تھا۔

سب کچھ سننے کے بعد سلیمان نے جھنجلا کر کہا۔ "میرے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"نہیں۔" فرزانہ نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ اندازہ بھی ہے؟"

"بس مَیں یہ جانتی ہوں کہ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں---- اور آپ بہت اچھے ہیں۔"

"مَیں اچھا نہیں ہوں' بہت بُرا ہوں۔ یہ سمجھ لو' مَیں شیطان کا بھی استاد ہوں۔ عورت کو مَیں کھلونا سمجھتا ہوں اور تم جیسی لڑکیوں کو شکار' مجھ میں دنیا کا ہر عیب موجود ہے۔ ہر برائی موجود ہے۔"

"مَیں نہیں مانتی۔"

"تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔" سلیمان نے جھنجلا کر کہا۔

"شکر کرو کہ مَیں جھوٹا نہیں ہوں۔ آس دلا کر لُوٹنا میرا شعار نہیں' ورنہ آج رات تمہاری تباہی کی رات ہوتی۔ سمجھیں کچھ' مَیں تمہیں بہت آسانی سے پھسلا سکتا تھا۔"

"تو اب یہ اچھائی ہوئی نا آپ کی۔"

"آدمی سچا ہو تو اس کی سب برائیاں ختم ہو جاتی ہیں؟" سلیمان بھنا گیا۔

"سچا آدمی کسی بھی وقت سب برائیاں چھوڑ دیتا ہے۔ اسے اللہ کی ہدایت ضرور ملتی ہے۔"

"رات کو اکیلے گھر میں غیر مرد کو بلاتی ہو اور پھر اللہ والی بنتی ہو۔" سلیمان نے اس پر وار کیا۔

"ملنا ضروری تھا' اس لئے بلایا تھا۔"

"اچھا' اب میرے بارے میں سن لو۔ اکیلا ہوں۔ دنیا میں دو دوستوں کے سوا میرا کوئی نہیں۔ اپنا مکان بھی نہیں۔ سرکاری فلیٹ میں رہتا ہوں۔ سرکاری ملازمت ہے' مگر شوق ایسے ہیں کہ تنخواہ میں پورا نہیں پڑتا۔ شرطیں لگاتا ہوں لوگوں سے اور پیسہ بناتا ہوں۔

شرطوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ آج تک کوئی شرط نہیں ہارا۔ اب تک دو درجن سے زائد لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکا ہوں۔ شراب بھی پیتا ہوں۔ ہر گناہ کرتا ہوں مَیں۔ اب بتاؤ' مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"آپ مجھ سے شادی کر لیں۔"

"بے وقوف لڑکی۔" سلیمان نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اتنی سی بات نہیں سمجھتیں۔ جس کا اُلّو یونہی سیدھا ہو جائے' وہ شادی کیوں کرے گا۔"

"اس لئے کہ شادی صرف نفسانی خواہشات کے لئے نہیں کی جاتی۔" فرزانہ نے بے حد سکون سے کہا۔ "آپ کو کسی نے محبت نہیں دی۔ آپ کو وہ محبت کوئی بھی نہیں دے سکتا' جو مَیں دوں گی اور یہ گھر آپ کا ہو گا' امی آپ کو بیٹے کی طرح چاہیں گی۔ ممتا بھی ملے گی آپ کو۔"

"مجھے نہ محبت کی طلب ہے نہ ممتا کی۔"

"نہیں ہے تو ہو جائے گی۔" فرزانہ بیڈ سے اٹھی اور پھر اس کے برابر آ بیٹھی۔

"بولیں' کریں گے نا مجھ سے شادی۔"

"مَیں تمہیں صرف وقتی محبت دے سکتا ہوں۔ وہ چاہو تو مجھ سے ابھی لے لو۔"

فرزانہ کا چہرہ تمتما گیا۔ "جی نہیں۔ مَیں جیسی محبت چاہتی ہوں' مجھے ویسی ہی ملے گی---- اور آپ ہی سے ملے گی۔"

"یہ یقین کیوں ہے تمہیں؟" سلیمان کی جھنجلاہٹ کی کوئی حد نہیں تھی۔

"بس ہے اور یقین کامل ہے۔"

"اچھا' اب مَیں جاؤں؟"

فرزانہ نے اُداس نظروں سے اسے دیکھا۔ "جائیں' چلے جائیں' لیکن ایک دن آپ خود میرے پاس آئیں گے۔"

"انتظار کرتی رہو اس دن کا۔" سلیمان نے تمسخر سے کہا۔

"کروں گی' ضرور کروں گی اور جانتی ہوں کہ انتظار زیادہ طویل نہ ہو گا۔"

وہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔ "اللہ حافظ سلیمان۔ فی امان اللہ۔"
سلیمان نے کچھ بھی نہیں کہا۔ خاموشی سے باہر آگیا۔



"تو ہم شرک سے شروع کرتے ہیں اور سب سے پہلے ایمان پر ضرب لگاتے ہیں۔
ابلیس اپنی کلاس میں لیکچر دے رہا تھا۔ "اگلے مرحلے پر ہم آدمی کے باطن کی تباہی کا سامان کرتے ہیں۔ یعنی شیطانی صفت کے فروغ کے لئے کام کرتے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے منع کیا ہے، وہ شیطانی صفت ہے۔ تکبّر، جھوٹ، زنا، چوری، حق تلفی، ہوسِ زر---- یہ سب شیطانی صفات ہیں۔

"اور جیسے کسان بیج ڈالنے سے پہلے زمین میں ہل چلا کر مٹی کو نرم کرتا ہے، ویسے ہی ہم شرک میں مبتلا کر کے اور ایمان کو کمزور کر کے مٹی کی اس مخلوق کو بدی کے بیج کے لئے تیار کر چکے ہوتے ہیں۔ اب فصل ہو گی اور ضرور ہو گی۔

"یاد رکھو میرے بچو، جو شرک میں مبتلا نہیں اور جس کا ایمان مضبوط ہے، وہ مٹی نہیں، چٹان ہے، جس میں فصل نہیں ہو سکتی۔

"اب ایک بات سنو، اللہ کو اپنی اس مخلوق سے بہت محبت ہے۔ اسی لئے تو اس نے کہا کہ مجھ سے محبت ہے تو میرے بندوں سے محبت کرو۔ تو میرے بچو، ہمیں الٹ کرنا ہے اور الٹ سکھانا ہے اور محبت کا الٹ ہے نفرت، جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، وہ اللہ کے بندوں سے نفرت کرتے ہیں۔ مَیں بنی آدم کو نفرت سکھاتا ہوں، لیکن یہ بھی آسان کام نہیں۔ انسانوں کو تقسیم کرنا ہے۔ ایک تقسیم تو قدرتی ہے۔ یاد رکھو، دنیا میں آدمیوں کے صرف دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو حق پر ہیں۔ دوسرے وہ جو گمراہ ہیں---- میرے بندے ہیں، مگر اس قدرتی تقسیم سے میرا کام نہیں چلتا، چنانچہ مَیں انہیں تقسیم کرتا ہوں---- کرتا چلا جاتا ہوں۔ پہلے مذہب کی بنیاد پر انہیں ایک دوسرے سے نفرت کرنا سکھاتا ہوں۔ پھر رنگ---- اور پھر نسل---- اور پھر زبان کی بنیاد پر وہ نفرت پھیلتی ہے۔ سو یہ دنیا پہلے سے تقسیم ہے۔ یہاں نفرت کی کمی نہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟ تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے؟"

باطل اور ثقیلہ نے ہاتھ اٹھائے۔ ابلیس مسکرایا۔ "باطل---- تو بتا۔"

"اسلامی اخوت۔"

"بالکل درست۔" ابلیس نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "یہاں، اللہ نے میرے لئے سب سے بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لائے اور جنہوں نے توحید کا کلمہ پڑھا، وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں، خواہ وہ گورے ہوں یا کالے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی خطۂ زمین سے ہو اور وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں، وہ ایک دوسرے سے بھائی کی طرح محبت کریں۔ کتنا مضبوط رشتہ ہے، کتنی مضبوط ڈوری ہے، جس سے یہ بندھے ہیں۔"

"مگر یہ مضبوطی توحید اور ایمان کے دم سے ہے اور مَیں سب سے پہلے انہی پر وار کرتا ہوں۔ اب کام آسان ہو گیا ہے۔ اب توحید کا مرکز صرف مسلمان ہیں، جو آپس میں بھائی ہیں، مگر مَیں عرب اور عجم کی تفریق پیدا کرتا ہوں۔ نفرت بڑھتی ہے، پھر عرب اور غیر عرب، پھر قوم پرستی۔ یہ سوڈانی مسلمان ہیں، یہ پاکستانی، یہ اردو بولتا ہے اور وہ سواحلی، پھر مَیں انہیں عقیدوں اور فرقوں کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہوں۔ ان میں عصبیت کا احساس جگاتا ہوں۔ یہ سندھی ہے، وہ پنجابی ہے۔ یہ پٹھان ہے، وہ بلوچ، پھر مَیں سندھیوں کو اردو بولنے والوں اور دوسری زبان بولنے والوں سے نفرت کرنے کی ترغیب دیتا ہوں۔ پنجابی، پٹھان، بلوچ، سندھی پھر ان کی ذاتیں اور قبائل، پھر فرقہ واریت ہے۔ یہ اہلِ حدیث ہے، یہ سُنّی ہے اور یہ شیعہ۔ تم مومن ہو اور یہ کافر ہے۔ نفرت کرو، مارو، قتل کرو، ختم کر دو انہیں۔" ابلیس کف اڑانے لگا۔ "اب ہر طرف نفرت ہی نفرت ہے۔ مَیں جیت گیا---- ہاہاہا---- مَیں جیت گیا۔ تمام مخلوقات پر فوقیت رکھنے والا انسان ہار گیا---- ذلیل و خوار ہو گیا----" اچانک وہ متاسف ہو گیا۔ "لیکن کیا فائدہ۔ حقیقت تو مَیں جانتا ہوں۔ یہ مشرک مشرکوں کو مار رہے ہیں۔ اہلِ ایمان نفرت نہیں کرتے۔ وہ ایک دوسرے کو قتل

نہیں کرتے۔ ہائے---- مَیں کیا کروں۔ مَیں انہیں کیسے بھگاؤں۔" وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ "یہ سوچ کر میری آگ بجھنے لگتی ہے۔ مَیں آتشی مخلوق' سرد ہونے لگتا ہوں مَیں کیا کروں----"



وہ بہت مبارک مہینے کی بہت بوجھل رات تھی! اس کی صبح ہوتے ہوتے خون کی سرخی افق پر پھیل گئی۔ لاہور میں نامعلوم افراد نے فجر کی نماز پڑھنے والوں پر اندھا دھند فائرنگ کر کے متعدد نمازیوں کو شہید کر دیا۔ مسجد کے فرش پر' دیواروں پر خون کے چھینٹے تھے۔

فجر کی بات تھی' صبح کے اخبارات میں نہ آ سکی' مگر دوپہر تک ضمیمے چھپ گئے۔

دفتر میں تبصرے ہوتے رہے۔ سب لوگ بجھ گئے تھے۔ "یہ یقیناً را کے ایجنٹوں کی کارروائی ہو گی۔" اقبال نے کہا۔

"تو اَور کیا ہو سکتا ہے۔" منان بولا۔ "مسلمان تو مسلمان پر گولیاں چلانے سے رہے۔"

"کیوں' پہلے کبھی مسلمانوں نے مسلمانوں پر گولیاں نہیں چلائیں؟" سلیمان نے اعتراض کیا۔

"یار' تم ہروقت مسلمانوں کے دشمن کیوں بنے رہتے ہو؟" شاہد نے غصے سے کہا۔

"غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ پچھلے چند سالوں کے اخبار اور صدیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔" سلیمان نے نہایت سکون سے کہا۔

"بات صرف مسلمان کے مسلمان پر گولی چلانے کی نہیں ہے۔" آفاق صاحب نے مداخلت کی۔ "یہ نمازیوں کی جماعت پر فائرنگ کی گئی ہے---- اور مسجد میں خون بہایا گیا ہے۔ یہ کام مسلمانوں کا نہیں ہو سکتا۔"

"تو آپ کے خیال میں یہ کس کا کام ہے؟" سلیمان نے پوچھا۔

"بھارتی ایجنٹوں کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"جی ہاں۔ وہاں تو سرحد ویسے ہی ملی ہوئی ہے۔" عدنان بولا۔

"اور بھارتی ایجنٹ سرحد پار کر کے اطمینان سے کارروائی کرنے کے لئے آ گئے؟" سلیمان نے طنز کیا۔

"تو دیر کیا لگتی ہے۔"

"اور سرحد پر بیٹھے ہوئے ہمارے نگراں سو رہے تھے؟ ہماری ایجنسیاں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھیں؟"

"یار' وہ ایجنٹ تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔"

"اور سرحدوں کے نگراں غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں؟ ہماری انٹیلی جنس غیر تربیت یافتہ ہے؟" سلیمان کا لہجہ تلخ تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو میاں؟" آفاق صاحب بولے۔

"سیدھی سی بات ہے سر۔ اِدھر اُدھر منتقل کرنے سے ذمے داری پوری نہیں ہوتی۔ شہریوں کا' مسجدوں کا تحفظ حکومت کی ذمے داری ہے۔ جب تک مجرم گرفتار نہیں ہوتے' اصولی طور پر حکومت مجرم ہے اور جب مجرم گرفتار ہوں گے تو پتا چلے گا کہ وہ کون ہیں۔ اگر وہ بھارتی ایجنٹ ہیں تو بھی مجرم حکومت ہی ہے۔ یہ کوئی بات نہیں کہ جب کبھی تخریب کاری ہو' حکومت یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ یہ بھارتی ایجنٹوں کی کارروائی ہے۔ تو کیا ایسی کارروائیوں کو روکنا' غیر ملکی دہشت گردوں کو اپنی سرحدوں میں داخل ہونے سے روکنا میری اور آپ کی ذمے داری ہے۔ جب کہ حکومت کے پاس تمام وسائل ہیں۔"

"بات تو تمہاری معقول ہے' مگر تم اتنے سیریس کیوں ہو رہے ہو۔"

"بس سر۔ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے۔"

اور یہ حقیقت تھی کہ وہ اس دن بہت چڑچڑا ہو رہا تھا۔ اس کے اندر غصہ بھرا ہوا تھا' مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے غصہ کس بات پر آ رہا ہے۔ اسے مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں تھا نہ نماز سے دلچسپی' مگر ایک عام مسلمان کی طرح وہ مسجد کا احترام بہت

خلوص سے کرتا تھا' اسی لئے اس واقعے سے اسے بہت تکلیف ہوئی تھی اور وہ
سچائی سے سمجھتا تھا کہ حکومت کو اس سلسلے میں اپنی ذمے داری کا احساس کرنا چاہیے۔

اس روز بس اسٹاپ پر اس کی مضطرب نظریں اِدھر اُدھر کوئی جستجو کرتی رہیں۔ اس
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے پریشانی کیا ہے۔ تلاش کس کی ہے؟ وہ دن ہی ایسا تھا ک
خود اپنے لئے ناقابلِ فہم ہو گیا تھا۔

مگر جیسے ہی اس کی نظریں بس اسٹاپ کی طرف آتی ہوئی فرزانہ پر پڑیں' اس کی
میں سب کچھ آ گیا۔ وہ فرزانہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کا منتظر تھا۔ اس کے ساتھ ہی ا
شاک لگا۔ یہ کیا؟ یہ تو اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کو اتنی اہمی
نہیں دی۔

لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بس میں اور گھر پہنچ کر بھی فرزانہ کے بارے میں سو
رہا' یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ فرزانہ نے اسے اس انداز میں
متاثر کیا ہے کہ پہلے کبھی کسی لڑکی نے نہیں کیا تھا۔

وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس لڑکی سے جس صورتِ حال میں تعلق پیدا ہوا
تھا' اس کے تحت اسے اچھی لڑکیوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ ایسی
ویسی لڑکی نہیں۔ وہ بہت اچھی ہے۔ اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ شادی سلیمان
کے لئے ایک ایسا دور کا امکان تھی' جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا نہیں تھا-----
اور سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

پھر اسے ایک اور شاک لگا۔ اس کے دل میں فرزانہ کے پاس جانے اور اس سے ملنے
کی خواہش پوری شدت سے ابھری تھی۔ ایسے کہ ایک بار تو اس نیت سے اٹھ بھی گیا
تھا۔ اس نے خود کو روک تو لیا' مگر اس کی جھنجلاہٹ اور غصہ اور بڑھ گیا۔ یہ بے بسی اس
کے لئے نئی بھی تھی اور بے حد ناپسندیدہ بھی۔ دل اس کے دماغ کے فیصلے کے خلاف
مزاحمت کر رہا تھا۔ اسے اکسا رہا تھا۔

لڑکیاں اس کے لئے ایک ایسے خوب صورت رستے کی حیثیت رکھتی تھیں' جس سے

ایک بار----- اور بعض حالات میں چند بار گزرا جا سکتا تھا۔ وہ پڑاؤ ڈالنے تک کا قائل
نہیں تھا۔ ایسے کسی راستے پر گھر بنانے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

اس لمحے سلیمان نے ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے اندر کی یہ جنگ پوری
طاقت سے لڑے گا----- اور یہ جنگ کسی قیمت پر بھی نہیں ہارے گا۔ وہ ایک عام سی لڑکی
کی احمقانہ خواہش کے آگے کبھی نہیں جھکے گا۔

مگر اس رات اسے نیند مشکل سے آئی!



"ایمان پر اٹیک کرنا بہت آسان ہے۔" ابلیس اپنے شاگردوں کو سمجھا رہا تھا۔ وہ اس
کی ساتویں کلاس تھی۔ "تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ کیسے؟"

اس کے کئی شاگردوں نے ہاتھ بلند کئے۔ ان میں ہمیشہ کی طرح باطل اور ثقیلہ بھی
تھے۔ ابلیس نے اس بار دوسرے شاگردوں کو موقع دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک طالبِ
شیطنت سے کہا۔ "ہاں' تم بتاؤ۔"

"شرک کے ذریعے۔"

"یہ تو میں بتا چکا ہوں۔ میں اس سے آسان طریقے کی بات کر رہا ہوں۔" ابلیس نے
کہا اور ایک اور شاگرد کی طرف مڑا۔ "تم بتاؤ۔"

"تکبّر کو فروغ دے کر۔"

"ایڈوانس کورسز میں رٹّے سے کام نہیں چلتا۔ سوچنے کی عادت بھی ڈالنی چاہیے۔"
ابلیس نے تلخی سے کہا۔ پھر وہ باطل کی طرف مڑا۔ "تم بتاؤ۔"

"صفائی اور پاکیزگی کی بیخ کنی کر کے۔" باطل نے جواب دیا۔

"یہ ہوئی نا بات۔" ابلیس نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ پھر ثقیلہ سے پوچھا۔ "کیوں؟"

"اس لئے کہ اللہ نے صفائی کو نصف ایمان کہا ہے۔"

"بالکل درست ہے۔" ابلیس کے دانت نکل پڑے۔ "اب سوچو۔ صرف گندگی میں

، مبتلا کر کے ہم ابنِ آدم کو آدھے ایمان سے محروم کر سکتے ہیں۔ اب مَیں یہ بتاؤں کہ
نے صفائی کو اتنی اہمیت کیوں دی۔ یہ صفائی اور گندگی۔۔۔۔ پاکی اور ناپاکی آگے جا کر حا
اور حرام تک پہنچ جاتی ہیں۔"

"میں پاک تھا۔ آگ ہمیشہ پاک ہوتی ہے اور گندی مٹی کا مجسّمہ گندا تھا۔ اللہ ۔
اسے عظمت دی اور غرور اور تکبر نے مجھے گندا کر دیا۔ سرکشی اور نافرمانی نے مجھے ناپاک
کر دیا۔ تو اب یوں ہے کہ اللہ کو صفائی پسند ہے اور مجھے گندگی۔ اسے پاکی پسند ہے او
مجھے ناپاکی۔ اسے حلال پسند ہے اور مجھے حرام۔ گندی مٹی کے پتلے کو گندگی یعنی اس ک
اصل کی طرف راغب کرنا بہت آسان ہے اور یہ کام مَیں بہت آسانی سے کرتا ہوں۔
آدمی کو حاجت کا احساس دلا کر' آبادی میں کسی مصروف راستے پر رفع حاجت کے لئے
آمادہ کرنا کتنا آسان ہے۔ یوں وہ اپنے کپڑے گندے کرتا ہے اور دوسروں کے لئے
مستقل بدبو چھوڑ جاتا ہے۔ کپڑوں پر چھینٹے پڑ جائیں تو انہیں نظرانداز کرنا آدمی کے لئے
کتنا آسان ہے' یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اپنے گھر کا کوڑا باہر گلی میں پھینک دینا کتنا
آسان ہے۔"

"اور صفائی سے یہ دوری آدمی کو ناپاکی کی طرف لے جاتی ہے۔" ابلیس کے دانت
نکل پڑے۔ "ناپاکی اسے نماز سے دور کر دیتی ہے' جو اللہ کے اطاعت شعار اور سرکش
بندوں کے درمیان فرق کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں۔ ناپاکی آدمی کے باطن کو بتدریج
روشنی سے محروم اور ناپاک کرتی جاتی ہے۔ اچھی سوچ ناپاک آدمی کے ذہن کی طرف
رخ نہیں کرتی۔ اچھا خیال ایسے آدمی کے دل کی طرف پھٹکتا بھی نہیں۔ اچھے عمل کا تو
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اب سمجھ میں آئی میری بات؟"

اس پر کلاس تالیوں سے گونج اٹھی۔ "آپ سب سے عظیم ہیں' یور ایکسیلنسی۔"
طالبانِ شیطنت گا رہے تھے۔ ثقیلہ ابلیس سے لپٹ کر اس کا منہ چاٹنے لگی۔ ابلیس کا چہرہ
تھوک سے لتھڑ گیا۔ اس نے چہرہ صاف کرنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

"اب سنو۔" کچھ دیر بعد ابلیس نے سلسلۂ خرافات جوڑا۔ "حرام ناپاکی سے آگے کی
چیز ہے۔ حرام کے سامنے ایمان بالکل ہی نہیں پنپتا۔ پوری طرح ختم ہو جاتا ہے۔ ناپاکی
کے مرحلے میں داخل ہونے کے بعد آدمی حرام کو برا نہیں سمجھتا۔ ایسے میں میری ترغیب
اس کے لئے بہت مؤثر ہو جاتی ہے۔

"حرام چیز کا تعلق براہِ راست آدمی کے خون کے ساتھ ہے۔ وہ خون میں شامل ہوتا
ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ خون پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ دل اور دماغ میں بھی جاتا
ہے۔ لہٰذا حرام کا ایک ذرہ' ایک قطرہ بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ وہ پورے وجود کو' روح
تک کو غلیظ کر دیتا ہے۔ ایسا آدمی اچھا سوچ ہی نہیں سکتا۔ اچھا کر ہی نہیں سکتا۔ اب
سمجھو کہ یہ کیسی عمدہ چیز ہے۔۔۔۔ حرام۔" ابلیس نے زوردار چٹخارا لیا۔ "اب تم سمجھو کہ
رزق کی کتنی اہمیت ہے۔"

"آدمی دو طرح سے حرامی ہو جاتا ہے۔ ایک نطفے سے۔ اس کا تعلق بھی خون سے
ہے۔ اس کے متعلق کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ دوسری چیز رزقِ حرام ہے۔ آدمی حرام
کھاتا ہے تو حرام اس کے خون میں خرابی پیدا کرتا ہے اور اس کا پورا روحانی نظام معطل
ہو جاتا ہے۔ شراب تو خیر بہت مسلمان پیتے ہیں۔ انہیں اس کی طرف راغب کرنا مشکل
ضرور ہوتا ہے' ناممکن نہیں' لیکن مسلمان کو فطری طور پر بدجانور سے نفرت ہے۔ اسے
سؤر کے گوشت پر مائل کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایک بڑی دشواری تھی۔ میری عظمت دیکھو
کہ مَیں نے اس کا کیسا توڑ کیا۔ مَیں نے حلال کو بھی حرام کر دیا اور وہ حلال جو درحقیقت
حرام ہوتا ہے' آدمی بڑے شوق اور رغبت سے کھاتا ہے اور حرامی ہو جاتا ہے۔ جب کہ
اسے علم بھی نہیں ہوتا۔"

"اس کے لئے آدمی میں مال کی ہوس پیدا کرنی پڑتی ہے۔ مادے کی اس دنیا میں
ترغیبات کی کمی نہیں۔ میں مردوں پر کام کرتا ہوں مگر اس کا نتیجہ صرف پچاس فی صد نکلتا
ہے۔ یہاں مجھے صحیح معنوں میں عورت سے مدد ملتی ہے۔ اس کی اہمیت آدم اور حوا کے
معاملے میں سمجھ لی تھی۔

"مرد کو حاکمیت کا زعم رہتا ہے' لیکن درحقیقت وہ عورت کی نزاکت اور اداؤں وجہ سے اس کا محکوم ہوتا ہے۔ عورت محکوم بن کر مرد کو انگلیوں پر نچا سکتی ہے---- ایسے کہ اس کا غرورِ مردانگی بھی مجروح نہیں ہوتا۔"

"جو مرد براہِ راست مال کی ہوس میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں' میں انہیں زیادہ سے زیادہ عورتوں کی ہوس میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ وہ بیوی کے علاوہ بھی دوسری عورتوں کے چکر میں پڑ جائیں۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو انہیں محبوبہ کی فرمائشیں پوری کرنی ہوتی ہیں۔ آمدنی کم پڑ جاتی ہے تو وہ ہوسِ زر میں مبتلا ہو جاتے ہیں' پھر وہ ناجائز ذرائع سے پیسہ کماتے ہیں۔ یہ پیسہ ان کے گھر میں بھی جاتا ہے اور ان کی بیوی اور اولاد---- حتیٰ کہ اولاد کی اولاد---- بلکہ نسلوں تک میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔"

"دوسری عورتوں کے چکر میں ڈالتے وقت میں کوشش کرتا ہوں کہ وہ ناجائز تعلقات تک محدود رہیں' یوں حرام در حرام کا سلسلہ چلتا ہے۔ حرام کاری بھی ہوتی ہے اور حرام پیسے کی جستجو بھی' مگر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں' جن کے اندر ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے۔ وہ شادی کے بغیر کسی دوسری عورت سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ دوسری شادی بھی وہی مسائل لاتی ہے۔ آمدنی کم' اخراجات زیادہ اور راستہ صرف ناجائز کمائی کا کھلا ہوتا ہے۔ اس بار دو گھر خراب ہو رہے ہوتے ہیں۔ حرام کا اثر دگنا ہوتا ہے۔"

"اور میرے بچو' ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں' جو خدا کی وجہ سے دوسری عورت کے چکر میں شادی کے نام پر بھی نہیں پڑتے۔ مجھے نفرت ہے ان لوگوں سے' یہ خوفِ خدا بہت بڑا فساد ہے۔" ابلیس جذباتی ہونے لگا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ "انہیں میں عورت کی مدد سے سیدھا کرتا ہوں۔"

"وہ کیسے یور ایکسیلنسی۔" ایک طالبِ شیطنت نے پوچھا۔

"ہوس وہ چیز ہے' جو کبھی ختم نہیں ہوتی' بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ قارون بھی اپنے

خزانے سے مطمئن نہیں ہوتا اور ہوس میرے بچو' جھوٹی محرومی کے احساس کے بطن سے پیدا ہوتی ہے۔ تو کسی گھر میں کتنی ہی خوش حالی ہو' میں اس گھر کی مالکن کو محرومی کا احساس دلا سکتا ہوں۔ میں کسی عام سے گھر میں جاتا ہوں تو خاتونِ خانہ سے کہتا ہوں---- پڑوسن دو ہزار کی نئی ساڑھی لائی ہے اور تم ہو کہ وہی چیتھڑے پہن رہی ہو۔ بس پھر کیا ہے' گھر میں فساد شروع ہو جاتا ہے۔ خوفِ خدا رکھنے والے شوہر کا گھر میں رہنا دوبھر ہو جاتا ہے' اپنے سکون کی خاطر اسے ساڑھی خریدنی ہے اور اس کے لئے پیسوں کا بندوبست کرنا ہے۔ رزقِ حلال مقرر ہے۔ بس سامنے حرام کا دروازہ کھلا ہے۔ اب وہ بے چارہ کم مزاحمت کرے یا زیادہ' انجامِ کار اسے اسی دروازے میں ہی جانا ہے۔"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا یور ایکسیلنسی کہ جس گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہو' وہاں ہم کیسے کام کریں گے؟" ثقیلہ نے پوچھا۔

"جیسے میں کرتا ہوں۔"

"اور آپ کیا کرتے ہیں؟"

"میں باری باری اس خوش حال گھر کی ہر چیز کو مسترد کرا دیتا ہوں۔ نجمہ نے ۳۱ انچ کا ٹی وی خرید لیا ہے۔ جب کہ ہم پرانے ۲۹ انچ کے ٹی وی سے کام چلا رہے ہیں۔ ہمارے گھر میں ۹۴ء ماڈل کی ٹیوٹا ہے۔ جب کہ رضیہ نے ۹۷ء کا ماڈل خرید لیا ہے۔ کیسی بے عزتی کی بات ہے۔ اس فرنیچر کو چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے۔ یہ جیولری اور ملبوسات اب فیشن میں نہیں ہیں۔ اس فریج سے اب جان چھڑا لینی چاہئے۔ اب وی سی آر کا زمانہ نہیں رہا۔ یہ بنگلہ چھوٹا ہے۔ ذرا چل کر سعدیہ کا گھر دیکھیں تو آنکھیں کھل جائیں آپ کی۔ یہ بھی کوئی علاقہ ہے رہنے کا۔ کلفٹن چلیں ساحلِ سمندر کے قریب----" ابلیس نسوانی آواز میں نقل اتار رہا ہے۔ پھر وہ اپنی آواز میں بولا۔ "سمجھے تم لوگ۔ جتنا بڑا گھر' جتنی خوش حالی' اتنی ہوس' اتنی ہی مصیبت۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں' مرد کامیاب ہو یا ناکام' اچھا ہو یا برا' دوزخی ہو یا جنتی' بدکار ہو یا نیکو کار---- کوئی بھی ہو' کچھ بھی ہو' ہر مرد

کے پیچھے ایک عورت بلکہ بعض اوقات کئی کئی عورتیں ہیں۔" اتنا کہہ کر ابلیس مکروہ آواز میں ہنسنے لگا۔ پھر وہ بولا۔ "حرام کے دوسرے راستے کے بارے میں میں تمہیں کل بتاؤں گا۔"

"یور ایکسیلنسی، مَیں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" ثقیلہ بولی۔

"پوچھو۔"

"سب عورتیں بری تو نہیں ہوتی ہوں گی۔"

"یہی تو رونا ہے کہ سب عورتیں بری نہیں ہوتیں۔" ابلیس نے دانت پیس کر کہا۔ "ورنہ اب تک دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ جنت ویران ہوتی اور دوزخ چھلک رہی ہوتی۔ اسی لئے تو میں نے کہا ہے کہ ہر جنتی مرد کے پیچھے بھی ایک عورت ہوتی ہے۔"

"تو یور ایکسیلنسی، جس عورت پر آپ کی ترغیب بے اثر ہو جائے، اس کے سلسلے میں آپ کیا کرتے ہیں؟"

"اپنے سر کے بال نوچتا ہوں اور اس عورت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے بعد اس کے گھر میں میری دال نہیں گلتی۔ وہاں مَیں شکست کھا جاتا ہوں۔" ابلیس نے غیظ و غضب سے لال پیلا ہوتے ہوئے کہا۔ "میری بچی، آخر میں یہ یاد دلا کر تم نے میرا موڈ خراب کر دیا۔ اب آج شام چار بجے یونیورسٹی کے لان میں آ جانا۔ وہاں مَیں سب کے سامنے تمہیں خاص خلعتِ شیطنت یعنی خلعتِ بدکاری سے بہ نفسِ نفیس سرفراز کروں گا۔ بس اب چھٹی کرو۔"

ثقیلہ کے دانت نکل پڑے۔ "یہ میرے لئے اعزاز ہو گا یور ایکسیلنسی۔" اس نے کہا۔ "یونیورسٹی میں اعلان کروا دیجئے۔"



وہ مہینہ ہی قیامت کا مہینہ ثابت ہو رہا تھا!!

چہرے سُتے ہوئے اور دل بُجھے ہوئے تھے۔ ہر نظر میں خوف تھا۔ ہر شخص ہر دوسرے

شخص کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا۔ اخبار کی سرخیاں خون سے لکھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اخبار پڑھ کر سر شرم سے جھک جاتے تھے۔ ابھی آدھا رمضان گزرا تھا، مگر دونوں فرقوں کی تین تین مسجدوں پر خونی حملے ہو چکے تھے۔ ایک جگہ نمازیوں سے پوری طرح بھری ہوئی مسجد میں تراویح پڑھنے والوں پر فائر کھول دیا گیا تھا۔ سرکاری ہینڈ آؤٹ میں شہید ہونے والوں کی جو تعداد بتائی گئی تھی، وہ افسانہ لگتی تھی۔ مسجد کے فرش پر جمع خون کا تالاب کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

دوسرے فرقے کی مسجد میں نماز کے بعد قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والوں کو یوں خون میں نہلایا گیا تھا کہ قرآن کے صفحات پر خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے شہر آسیب زدہ لگنے لگا تھا۔ ہر شہری نفسیاتی مریض بن گیا تھا۔

سلیمان نے اخبار سے نظریں اٹھاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب آپ لوگ کہیں گے کہ را کے ایجنٹ یہاں بھی پہنچ گئے۔"

"تو یہ کوئی ناممکن بات بھی نہیں۔" اقبال نے کہا مگر اس کا لہجہ کمزور تھا۔

"کیا ہمارے آئین میں را کے ایجنٹوں کو تحفظ دیا گیا ہے؟" سلیمان نے تلخی سے کہا۔ "آج تک ہر کارروائی انہوں نے کی ہے، مگر کبھی را کا کوئی دہشت گرد پکڑا نہیں گیا۔ کیا حکومت کی نااہلی نہیں۔ را کے ایجنٹ دیکھ تو لئے جاتے ہیں۔ پکڑے نہیں جاتے۔ یہ اچھا نسخۂ کیمیا حکومت کے ہاتھ لگا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو میاں۔" آفاق صاحب بھی کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"مگر سر، اب مَیں نہیں مان سکتا کہ یہ بھارتی ایجنٹوں کی کارروائی ہے۔" سلیمان بپھر گیا۔

"تو پھر؟"

"سر، یہ سب کچھ ہم مسلمان ہی کر رہے ہیں۔"

"یہ بات غلط ہے۔"

"آپ دلیل سے قائل کر سکیں تو مَیں حاضر ہوں سر۔"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیسے مسلمان ہو؟"

سلیمان گڑبڑا گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ "آپ جانتے ہیں' سر۔" اس نے دبی دبی آواز میں کہا۔

"مَیں زیادہ نہیں جانتا اور اس سوال کا جواب مَیں دینا بھی نہیں چاہتا۔ یہ جواب تو تمہیں ہی دینا ہے۔" آفاق صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔ "مَیں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم روزہ کبھی نہیں رکھتے۔ تمہیں کبھی جمعہ پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ میرے خیال میں تم ہر بُرا کام کرنے کے لئے تیار رہتے ہو اور ہر اچھے کام سے بھاگتے ہو۔ اب میرے سوال کا جواب دو۔ تم کیسے مسلمان ہو؟"

سلیمان چند لمحے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر آہستہ سے کہا۔ "مَیں بہت بُرا مسلمان ہوں' سر۔"

"اب سچ سچ بتاؤ کہ اگر کوئی تمہیں ایک لاکھ روپے صرف اس بات کے لئے دے کہ تم جوتے پہن کر مسجد میں اندر تک چلے جاؤ تو کیا تم مان جاؤ گے؟"

سلیمان کا چہرہ تپ گیا۔ "سوال ہی نہیں پیدا ہوتا سر۔ مَیں پیشاب کرتا ہوں ایسے لاکھ روپے پر۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ اسی لمحے اس کی سمجھ میں آیا کہ آفاق صاحب اسے کس طرف لے جا رہے ہیں۔ "مَیں یہ حرکت کروں گا تو مجھے زندہ کون چھوڑے گا۔" اس نے دفاع کیا۔

"غلط۔ تمہارا پہلا جواب سچا تھا۔ وہ تم نے غصے میں دیا تھا اور غصہ لگاؤ کی دلیل ہے۔"

"یہ بات نہیں سر۔"

"اچھا۔ کوئی لاکھ روپے دے کر یہ کہے کہ ایک ایسی مسجد میں' جہاں کوئی بھی موجود نہیں' جوتے پہن کر اندر تک چلے جاؤ تو کیا تم مان لو گے؟" آفاق صاحب بھی اسے قائل کرنے پر تُلے گئے تھے۔ انہوں نے سوال کی نوعیت تبدیل کر کے اسے بے بس کر دیا۔

سلیمان چند لمحے بے بس بیٹھا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "بڑی سے بڑی رقم بھی

پیش کی جائے تو مَیں تصور میں بھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ مسجد کے اندر نمازیوں پر فائرنگ کرنا تو بہت دور کی بات ہے' کوئی برے سے برا مسلمان مسجد کی اتنی سی بے حرمتی بھی نہیں کر سکتا۔ یہی میری دلیل ہے۔ امید ہے' تم قائل ہو گئے ہو گے۔"

"دلیل تو آپ کی وزن رکھتی ہے' لیکن سر' پھر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" سلیمان نے بے بسی سے کہا۔

"دیکھو بیٹے' اسلام کا مطلب ہے سلامتی۔" آفاق صاحب نے مشفقانہ لہجے میں اسے سمجھایا۔ "سلامتی تمام انسانوں کے لئے' تمام عالم کے لئے۔ یہ بات سمجھ لو کہ کوئی مسلمان مسجد کی بے حرمتی نہیں کر سکتا۔ جو کرتا ہے' اگر بظاہر مسلمان ہے بھی تو درحقیقت نہیں ہے۔ یہ نمازیوں کو شہید کرنے والے' مسجد کے در و دیوار کو مسلمانوں کے خون سے نہلانے والے مسلمان ہو ہی نہیں سکتے۔ خواہ ظاہری طور پر مسلمان ہوں۔ درحقیقت وہ شیطان کے چیلے ہیں۔ ذرا سوچو تو' یہ حرکت اور وہ بھی رمضان کے بابرکت مہینے میں' کوئی مسلمان کر سکتا ہے۔ تم جسے نہ نماز سے واسطہ نہ روزے سے' اس حرکت سے کڑھتے اور جھنجلاتے ہو تو کیوں؟ اس لئے کہ تم برے سہی' مگر مسلمان ہو۔ سمجھ میں آئی بات۔"

"جی سر' میں قائل ہو گیا لیکن میرا دکھ کم نہیں ہوا۔ اس مسئلے کا کیا حل ہے؟"

"ہمیں اپنے اندر چھپے ہوئے موذی کافروں کی طرف سے چوکنا رہنا چاہئے اور ان کی نشان دہی ہو جائے تو ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے اور اس کا سدِباب ضروری ہے۔ یہ مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کی سازش ہے' جو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔"

عدنان خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "سر ایک بات مَیں بھی کہوں---- آپ کی گفتگو کے حوالے سے؟"

"ہاں کہو۔"

"مَیں آپ کی یہ بات مانتا ہوں کہ مسلمان مسجد کی بے حرمتی نہیں کر سکتا' لیکن سر' برسوں سے ہمارے اخبارات گواہی دے رہے ہیں کہ متعدد مواقع پر پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئی اور ان سے باز پُرس بھی نہیں کی گئی۔ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آفاق صاحب نے ریسیور اٹھایا۔ بات ادھوری رہ گئی۔

اس روز بھی بس اسٹاپ پر سلیمان نہ چاہتے ہوئے بھی فرزانہ کو دیکھتا رہا' لیکن فرزانہ نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ سلیمان کی جھنجلاہٹ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یہ لڑکی خواہ مخواہ اس کے لئے مسئلہ بن رہی تھی۔



"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے سب سے زیادہ نفرت کس چیز سے ہے اور کون لوگ مجھے سب سے زیادہ برے لگتے ہیں؟" ابلیس نے اپنی کلاس میں پوچھا۔

"نہیں یور ایکسیلنسی۔" سب نے بیک آواز کہا۔

"تو سنو۔ مجھے سب سے زیادہ نفرت نکاح سے ہے اور محبت کرنے والے شوہر اور بیوی مجھے سب سے زیادہ برے لگتے ہیں۔" ابلیس نے کہا۔ "اس کی وجہ جانتے ہو؟"

"نہیں یور ایکسیلنسی۔"

"اس لئے کہ نکاح اللہ کا ایسا تحفہ ہے' جو زنا جیسے فطری گناہِ کبیرہ کا راستہ روکتا ہے۔ بلکہ اسے رحمتوں' برکتوں اور اجر والا کام بنا دیتا ہے۔ ذرا سوچو تو' اس سے ہمارا کام کتنا خراب ہوتا ہے۔ اگر سب شادی کرنے لگے تو زنا کون کرے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ کون سا کام ہے' جو بندہ اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہے اور پھر بھی مجھے خوشی ہوتی ہے۔"

"مَیں سمجھ گیا یور ایکسیلنسی۔" باطل نے کہا۔ "وہ یقیناً طلاق ہے۔"

"گڈ۔ تم واقعی ذہین ہو۔ ہاں' جب بھی شوہر اور بیوی میں علیحدگی ہوتی ہے' مَیں

خوش ہوتا ہوں۔ ناچاقی ہوتی ہے' گھر میں تفرقہ پڑتا ہے تو مَیں خوش ہوتا ہوں۔ مَیں خوش ہوتا ہوں کہ زنا کا بند راستہ کھل رہا ہے۔"

"لیکن یور ایکسیلنسی' شادی تو انسان کی فطرت میں ہے۔" ثقیلہ نے کہا۔ "دیکھیں نا' ہر مذہب میں' ہر عقیدے میں لوگ جنسی تعلق کو قانونی شکل دینے کے لئے شادی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بے دین بھی شادی کرتے ہیں۔"

"اسی لئے تو مجھے شادی سے اتنی نفرت ہے۔" ابلیس نے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ آج تمہیں حرام کی پہلی اور بنیادی قسم کے متعلق بتاؤں گا۔" یہ ہے نطفے کا حرامی پن اور اس سلسلے میں جو کام مَیں نے کیا ہے' اس پر مجھے فخر ہے۔ مَیں نے حلال کو حرام کرنے کی ایسی ترکیب نکالی ہے کہ کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔"

"مَیں بتا چکا ہوں کہ نکاح سے مجھے سب سے زیادہ نفرت ہے۔ مجھے اس کا توڑ کرنا تھا۔ طلاق اللہ کو ناپسند ہے' لیکن زندگی میں ایسے موقع بھی آتے ہیں کہ طلاق ناگزیر ہو جاتی ہے۔ طلاق نہ ہوتی تو ایسے معاملات نکاح کی پاکیزگی کو مجروح کرتے' اس لئے طلاق کی اجازت دی گئی۔ اللہ نے اس سلسلے میں واضح اور دو ٹوک احکام جاری کئے۔ طلاق کے ہونے یا نہ ہونے میں شک اور ابہام کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ یہ بھی خیال رکھا کہ انسان کی فطرت میں غصہ بھی ہے اور غصہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ غصے میں اسے برے اور بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ یہ امر یقینی تھا کہ لوگ غصے میں طلاق دیا کریں گے۔ دو آدمی مستقل ساتھ رہیں تو کبھی نہ کبھی لڑیں گے بھی۔ لڑیں گے تو غصہ آئے گا---- اور مَیں غصے کو بھڑکانے کے لئے موجود ہوں گا۔ لہٰذا مرد غصے میں طلاق دے گا اور غصہ ٹھنڈا ہو گا تو وہ پچھتائے گا۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو طلاق دینا بھی کھیل ہو جائے گا۔ اس امر کی روک تھام کے لئے اللہ نے ایک ایسی سزا رکھی' جو آدمی کو چین سے سونے بھی نہ دے۔ وہ تڑپتا رہے۔"

"اب مَیں تمہیں اس سزا کے متعلق بتاتا ہوں۔ مرد نے عورت کو تین بار طلاق دی۔ طلاق ہو گئی۔ اب وہ میاں بیوی نہیں رہے' لیکن دونوں ملنا چاہتے ہیں۔ غصہ ٹھنڈا ہو چکا

ہے، لیکن وہ حلالے کے بغیر نہیں مل سکتے۔ حلالے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے اور جب اس دوسرے مرد سے طلاق ہو جائے تو وہ پہلے شوہر سے شادی کر سکتی ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنے پہلے شوہر پر حلال نہیں۔ یہ سزا اس لئے سخت ہے کہ بیوی مرد کی عزت اور غیرت ہوتی ہے۔ اس کو کسی اور کے تصرف میں دیکھنا کوئی آسان بات نہیں اور اس کے بعد وہ بیوی مل جائے تو یہ خلش ستاتی رہے کہ وہ کسی اور کی بیوی بھی رہی ہے۔ صرف چند لمحوں کے غصے کی یہ بہت بڑی سزا ہے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والے نے مقرر کی۔ صرف اس لئے کہ معاملہ نکاح جیسی پاکیزہ چیز کا تھا۔ اس سے نکاح کی اہمیت کا اندازہ لگا لو۔ جس نے یہ سزا بھگتی ہو، وہ ہمیشہ اپنے غصے سے ڈرتا اور نفرت کرتا رہے گا اور اسے دیکھ کر دوسرے بھی عبرت پکڑیں گے۔ اپنی بیویوں پر غصہ کرتے وقت خود پر قابو رکھیں گے تاکہ حلالہ سے بچے رہیں۔

"یہ سمجھنے کے بعد مجھے حلالہ سے نفرت ہو گئی۔ پھر میں نے سوچا کہ اس سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا۔ کسی نے طیش کے عالم میں اپنی بیوی کو طلاق دی، پچھتایا، رجوع کرنا چاہا تو حلالے کا مسئلہ سامنے آیا۔ میں نے اس شخص کو راستہ سجھایا۔ اس نے میرے اکسانے پر اپنے ایک دوست سے اس سلسلے میں مدد مانگی۔ دوست اس امر پر تیار ہو گیا کہ وہ شادی کرتے ہی دوست کی سابقہ بیوی کو طلاق دے دے گا۔ تب وہ دوبارہ اس سے شادی کر سکے گی۔

اب میں نے اسے باقاعدہ رواج دینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ذرا گہرائی میں جا کر سوچو تو طلاق تک تو سب ٹھیک تھا۔ اس کے بعد سب بگڑ گیا۔ اس کے بعد عورت نے جو دو شادیاں کیں، وہ دونوں جائز نہیں تھیں۔ طلاق دینے کی نیت کے ساتھ جو نکاح ہو، وہ نکاح نہیں ہوتا۔ نکاح نہیں ہوا تو حلالہ بھی نہیں ہوا اور حلالہ نہیں ہوا تو دوسری شادی بھی نہیں ہوئی، لیکن مرد اور عورت مطمئن ہیں کہ وہ شرعی تقاضے پورے کر چکے ہیں۔ وہ بے فکری سے ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن یہ بتاؤ کہ سچ کیا ہے؟"

"وہ حرام کاری میں مبتلا ہیں۔" کئی طالبانِ شیطنت نے بیک آواز کہا۔

"اور اب جو ان کی اولاد ہو گی، وہ کیا ہو گی؟"

"ناجائز ہو گی۔ حرامی ہو گی۔"

"اس معاملے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد میں نے مزید غور و فکر کیا۔ میں نے سوچا، شادی کے ادارے کو تباہ کرنے کے لیے کوئی ترکیب سوچی جائے۔ کامیابی ہوئی تو پورے کا پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔"

"بالآخر بات بن گئی۔ اس کا آغاز میں نے عائلی قوانین کا نفاذ کرا کر کیا۔ اس کے نتیجے میں مردوں کے لیے دوسری شادی ممنوع ہو گئی۔ یوں بدکاری کا ایک اور راستہ کھل گیا۔ پھر ایک اور کام ہوا۔ شروع میں یہ کام بی ڈی ممبرز نے کیا اور اب کونسلرز کر رہے ہیں۔ کام کرنے والے نیک نیتی سے کر رہے ہیں، لیکن شریعت سے متصادم ہے۔ اس لیے صریحاً غلط ہے۔ اپنے طور پر یہ لوگ شادی کے ادارے کو---- اور معاشرے کے گھروں کو ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن درحقیقت یہ حرام کاری کو فروغ دے رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر نحوست طاری ہو گئی۔ اب میں تمہیں ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں۔

"کسی گھر میں لڑائی ہوتی ہے۔ غصہ ابلتا ہے۔ مرد بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اب یہ معاملہ کسی مفتی کے پاس نہیں، کونسلر کے پاس جاتا ہے، جو شریعت کی الف ب بھی نہیں جانتا۔ کونسلر بڑے خلوص سے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بتاتا ہے کہ تم لوگوں کی غلطی سے بچے بھی رُلیں گے اور تم دونوں بھی خوش نہیں رہ سکو گے۔ یوں طلاق ہو کر بھی طلاق نہیں ہوتی اور اللہ کے قانون کے مطابق بدکاری شروع ہو جاتی ہے۔ بعض گھروں میں اس طرح کے معاملات کے بعد پانچ چھ بچے بھی ہو گئے ہیں۔ ان کے متعلق تم لوگ خود بھی سوچ سکتے ہو۔ سُود اور نکاح و طلاق کے معاملے میں شریعت کی خلاف ورزی ایسی نحوستیں ہیں، جنہوں نے اس معاشرے سے برکت اٹھا دی ہے اور یہ لوگ رحمت سے دور ہو گئے ہیں۔"

"یہ میری بہت بڑی کامیابی ہے۔"

❁ ❁ ❁

فون کی گھنٹی بجی تو سلیمان کا قلم والا ہاتھ رک گیا۔ اس نے سر اٹھا کر آفاق صاحب دیکھا' جو فون پر بات کر رہے تھے۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس سے کہیں گے ----- میاں سلیمان' تمہارا فون ہے۔ جب بھی فون کی گھنٹی بجتی وہ یہی توقع کرتا' مگر ایسا اب تک ہو نہیں تھا۔

نجانے کیوں' اسے امید تھی کہ فرزانہ اسے فون کرے گی۔ کیوں؟ اس کا بس اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ فرزانہ کے پاس اس کے دفتر کا فون نمبر موجود تھا۔ حالانکہ فرزانہ کا فون نمبر اس کے پاس تھا۔ فون وہ خود بھی کر سکتا تھا لیکن نہیں ----- یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے فون کرے۔

وہ یہی سوچے جا رہا تھا کہ اسے فرزانہ کی کوئی پروا نہیں۔ اگر وہ عام دن ہوتے تو شاید اس کی سمجھ میں آجاتا کہ فرزانہ کے فون کا انتظار اور اس سلسلے میں بے چینی کیا ثابت کرتی ہے' مگر وہ بہت الجھا ہوا' بہت جھنجلایا ہوا تھا۔ جب سے یہ مساجد پر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوا تھا' وہ بدل کر رہ گیا تھا۔ کچھ اس کے معمولات بھی تبدیل ہوئے تھے۔ عشا اور فجر کے وقت وہ دو تین لڑکوں کے ساتھ مسلح ہو کر محلے کی مسجد کی پاسبانی کرتا۔ اندر نماز ہو رہی ہوتی۔

یہ ذمے داری اس نے اصرار کر کے لی تھی۔ "مَیں نماز تو پڑھتا نہیں ہوں۔ یہ کام مجھ جیسوں ہی کو کرنا چاہیے۔" اس نے مسجد کمیٹی کے ارکان سے کہا تھا۔

باقی سب کچھ ویسا ہی تھا۔ اب تک اس نے ایک روزہ بھی نہیں رکھا تھا' مگر اسے یہ فکر تھی کہ مسجد نمازیوں سے محروم نہ رہے۔

جمعے کے دن بھی اس نے مسجد پر ڈیوٹی دی۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ رضوان جمعہ پڑھنے نہیں آیا تھا۔ نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے وہ اس کشمکش میں الجھا رہا کہ رضوان کے گھر جا کر اس سے بازپُرس کرے یا نہیں' مگر وہ اصول جیت گیا'

جو اس نے خود بنایا تھا ---- رمضان کے دوران میں رضوان سے نہ ملنے کا اصول۔ وہ اس کی عبادت میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

مگر یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا!

وہ گھر پہنچا ہی تھا کہ رضوان آگیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ "خیریت تو ہے؟" اس نے پوچھا۔ "یہ اس رمضان میں دوسرا موقع ہے کہ تم مجھ سے ملنے آئے ہو۔ اللہ والے خود چل کر شیطان کے پاس آئے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ بس دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو۔" رضوان نے کہا۔

سلیمان نے اسے غور سے دیکھا۔ رمضان کے مہینے میں وہ دفتر میں بھی رضوان سے نظریں چار نہیں کرتا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ رضوان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھی چمک سے محروم تھیں۔ حالانکہ رمضان میں' اس کے چہرے پر ہمیشہ بہت رونق اور روشنی ہوتی تھی۔ "کیا بات ہے رضوان؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"مَیں ٹھیک ہوں۔"

"لگتے تو نہیں۔ پریشان ہو؟"

"ہاں یار۔ پریشان تو ہوں' مگر ایسی کوئی خاص بات نہیں۔"

سلیمان کو اچانک نماز کا خیال آگیا۔ "اور تم آج مسجد میں بھی نظر نہیں آئے۔" اس نے بازپُرس کی۔

"مَیں اس طرف والی مسجد میں چلا گیا تھا۔"

سلیمان نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ "کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اس بار تم نے تراویح بھی چھوڑ دی اور اب پتا چلا کہ جمعہ پڑھنے بھی کہیں اور جاتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ' بات کیا ہے۔ کوئی خطرہ ہے تمہیں یہاں؟"

"ہاں۔ کچھ انتہا پسند لڑکے ہیں اس طرف۔ وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مَیں خوف زدہ ہوں ان سے۔"

یہ سلیمان کے لیے شاک تھا۔ "مگر کیوں؟ کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"وجہ کیا۔ بس خواہ مخواہ میری شامت آ گئی۔"

"دیکھ یار، مجھے پوری بات بتا دے، ورنہ اب مَیں تیرا بُرا حشر کر دوں گا۔" سلیمان تیور بدل گئے۔ اتنے دنوں کا اعصابی دباؤ رنگ لا رہا تھا۔

"بات کیا۔ کچھ بھی تو نہیں۔" رضوان نظریں چُرا رہا تھا۔ "مَیں تمہارے پاس لیے آیا ہوں کہ مَیں کچھ دن تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اکیلے میں دل گھبراتا ہے۔"

یہ اور زیادہ غیر معمولی بات تھی۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اب سلیمان کو احساس ہوا کہ رضوان بہت خوف زدہ ہے۔ "اس کا مطلب ہے کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین ہے ورنہ حرم کا آدمی بُت خانے میں کب رہنا چاہے گا۔" سلیمان نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مجھے اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" رضوان کے لہجے میں التجا تھی۔

"اور تم جانتے ہو کہ تمہارے لیے میری جان بھی حاضر ہے، مگر پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔"

رضوان نے پہلو بچانے کی بہت کوشش کی، لیکن سلیمان پیچھے پڑ گیا تھا۔ مجبوراً اس نے رمضان سے پہلے کی اس خفیہ میٹنگ کی تفصیل اسے سنا دی۔ "اب وہ لڑکے مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" اس نے آخر میں کہا۔

"اور یہ بات تم مجھے اب بتا رہے ہو؟" سلیمان کے لہجے میں ملامت تھی۔ "اور تم انہیں محض انتہا پسند لڑکے کہہ رہے ہو؟"

"تو اور کیا۔۔۔؟"

"بے وقوف آدمی۔ اگر وہ واقعی ان معاملات میں ملوث ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ آفاق صاحب کی بات یاد نہیں۔"

"پھر بھی۔۔۔ مَیں کیا کر سکتا تھا؟"

"تمہیں فوری طور پر پولیس کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔"

رضوان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ "پاگل ہوئے ہو۔ اسی ڈر سے تو

وہ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ مَیں یہ ارادہ بھی کرتا تو وہ مجھے ختم کر ڈالتے۔ مَیں یہ نہیں کر سکتا۔"

"تو۔۔۔ تُو ایمان والا ہو کر موت سے ڈرتا ہے اور یہ جو اتنے عرصے سے مسلمان نمازی مر رہے ہیں، مسجدوں کا تقدس پامال ہو رہا ہے، اس کی تجھے کوئی فکر نہیں۔ یہ کیسی بات کی ہے تُو نے۔" سلیمان کو غصہ آ گیا۔

"میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، لیکن مَیں کچھ کر تو نہیں سکتا۔"

"کر کیوں نہیں سکتا۔ اگر تُو نے پولیس کو مطلع کر دیا ہوتا تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

"پولیس کو مَیں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر اپنے ضمیر پر تو بوجھ نہ ہوتا۔"

"اور وہ لڑکے بہت خطرناک ہیں۔ وحشت بھر گئی ہے ان میں۔"

"پھر وہی بات۔" سلیمان جھنجلا گیا۔ "موت سے ڈرتا ہے، جس کا ایک وقت مقرر ہے اللہ کی طرف سے۔ پھر اس مبارک مہینے میں موت۔۔۔ اور وہ ایسی موت۔۔۔ یہ تو شہادت ہوتی۔ نصیب والوں کو ملتا ہے یہ مرتبہ۔ مَیں ایسا نہیں سمجھتا تھا، مگر یار تُو ایمان کا بہت کمزور نکلا۔"

"یہ بتاؤ، مَیں تمہارے ہاں رہ سکتا ہوں یا نہیں۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ سر آنکھوں پر میرے یار، مگر ایک کام کرنا ہے۔ میرے ساتھ چل۔ ہم پولیس کو سب کچھ بتا دیں گے۔ یہ سلسلہ تو رکے۔"

"یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔" رضوان نے تلخی سے کہا۔ "اور میرا خودکشی کا کوئی ارادہ بھی نہیں۔"

سلیمان چند لمحے اسے کڑی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اچھا، ان لڑکوں کے نام مجھے بتا دے۔ مَیں خود کچھ کروں گا۔"

"بات تو وہی ہے۔ وہ تو صرف مجھ پر شک کریں گے۔"

"دیکھ رضوان' یہ کام ضروری ہے۔"

رضوان اٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے۔ نہیں رہنا مجھے تیرے گھر۔ بڑا دوست بنتا ہے وقت پڑا تو۔۔۔۔"

"رضوان' یہ تیرا گھر ہے' مگر ان لڑکوں کے نام تو تجھے بتانے ہی پڑیں گے۔"

"مَیں تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

"تو مَیں پولیس کو یہ اطلاع دوں گا کہ تو مجرموں کے نام جانتا ہے۔ وہ خود اگلوا لیں گے تجھ سے۔" سلیمان نے سرد لہجے میں کہا۔

رضوان بے یقینی بھری زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تو دوست ہو کر یہ کرے گا میرے ساتھ۔"

"دوست بن کر ہی بات کر رہا ہوں بزدل آدمی۔ یہ تیری عاقبت کا سوال ہے۔ مَیں تیری بہتری سوچ رہا ہوں۔ آگے تیری مرضی۔ مَیں اپنا فیصلہ تجھے سنا چکا ہوں۔"

رضوان کشمکش میں پڑ گیا۔ اس لمحے اسے سلیمان سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور عدنان اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ ہانپ رہا تھا' جیسے بھاگتا ہوا آیا ہو۔ رضوان اور سلیمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتے' عدنان پھٹ پڑا۔ "غضب ہو گیا یار۔ ملیر میں شیعوں کی مسجد میں بم دھماکا ہوا ہے۔ بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔ زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ بتائی جا رہی ہے۔"

ان دونوں کے چہرے سُت گئے۔

"مگر جانتے ہو' زخمیوں کو اسپتال پہنچانے سے لے کر خون دینے تک سب کچھ جماعت المسلمین والوں نے کیا ہے۔ یک جہتی کی فضا بن گئی ہے۔ زخمیوں کے رشتے دار تک بعد میں پہنچے ہیں۔" عدنان نے بتایا۔

"تم اب بھی خاموش رہنا چاہتے ہو؟" سلیمان نے رضوان سے پوچھا۔

"مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ لڑکے ملوث نہ ہوں۔"

"یہ فیصلہ پولیس کو کرنے دو۔"

رضوان اب بھی ہچکچا رہا تھا۔

"تمہیں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ مجھے بتانا چاہتے ہو یا پولیس کو۔" سلیمان نے بے رحمی سے کہا۔

"تم دوست ہو کر میرے ساتھ یہ کر رہے ہو۔" رضوان نے شکوہ کیا۔

"کہہ چکا ہوں کہ وہی کر رہا ہوں جو ایک اچھے دوست کو کرنا چاہیے۔" سلیمان نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو یہ بھی بتا دوں کہ یہ معاملہ مسجد کے تقدس کا اور بے گناہ نمازیوں کے خون کا ہے۔ اس میں مَیں دوست کی پروا بھی نہیں کروں گا۔"

عدنان حیرت سے کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

رضوان نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ مَیں بتا دیتا ہوں' لیکن شرط یہ ہے کہ ہم براہِ راست ملوث نہیں ہوں گے۔"

"تم پھر؟"

"تم گمنام کال کے ذریعے پولیس کو مطلع کرو گے۔"

سلیمان چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "منظور ہے۔"

"اور تم میری حفاظت بھی کرو گے؟"

"لاحول ولا قوۃ ۔ کیا ہو گیا ہے تیرے ایمان کو۔ بے وقوف' حفاظت کرنے والا تو صرف اللہ ہے۔ اللہ معاف کرے' اس وقت تُو نے شرک کی بات کی ہے۔"

رضوان نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔ پھر وہ لڑکوں کے نام بتانے لگا۔۔۔۔



"آج یہ آخری کلاس ہے۔" ابلیس کہہ رہا تھا۔ "آج تم لوگوں کو کام تفویض کئے

جائیں گے' جو تم آزادی کا چاند طلوع ہوتے ہی شروع کر دو گے۔"

"کام کی نوعیت-----؟" ایک طالبِ شیطنت نے پوچھنا چاہا۔ پوری کلاس پُرجوش نظر آنے لگی۔

"بتا رہا ہوں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہم انسانی روحیں خریدتے ہیں۔"

"انسانی روحیں خریدتے ہیں! وہ کیسے یور ا یکسیلنسی؟" ایک طالبِ شیطنت نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہم انہیں پیشکش کرتے ہیں کہ ہم ان کی تین خواہشیں پوری کریں گے اور اس کے عوض وہ اپنی روح ہمیں سونپنے کا عہد کریں گے۔"

"یعنی موت-----؟"

"نہیں بھئی۔" ابلیس جھنجلا گیا۔ "ایسا سودا کوئی کیوں کرے گا۔ بس یوں ہے کہ سودا مکمل ہو جائے تو روح ہماری ہو جاتی ہے۔ جس وقت وہ شخص مرتا ہے تو ہم اس کی روح قبضے میں کر لیتے ہیں' مگر سودے کے بعد موت تک ہم اس سے اپنی مرضی کے کام لیتے ہیں۔"

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

"ہم روح کو جی بھر کر آلودہ کرتے ہیں۔ جبکہ روح انسان کے پاس اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ ہم سے سودا کر کے وہ بدترین خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ روحیں ہمارے پاس ٹرافی کی حیثیت سے جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ ہماری فتح کی علامت ہوتی ہیں۔"

"لیکن کوئی آدمی یہ خسارے کا سودا کیوں کرے گا؟" باطل نے سوال کیا۔

"لوگ ہنسی خوشی یہ سودا کرتے ہیں۔" ابلیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سارا فساد ہی خواہشوں کا ہے۔ تین خواہشوں کی ترغیب بہت بڑی ہے۔ کم ہی آدمی بچ پاتے ہیں اور یوں بھی ہے کہ ہم دیکھ بھال کر پیشکش کرتے ہیں۔ خوب چھان بین کے بعد ہر سال منتخب آدمیوں کو یہ پیشکش کی جاتی ہے اور ہر سال یہ کام پوزیشن حاصل کرنے والوں کو سونپا جاتا ہے۔"

"واہ' مزہ آجائے گا۔" ثقیلہ نے خوش ہو کر کہا۔ دوسرے طالبانِ شیطنت بھی خوش نظر آرہے تھے۔

"مَیں تم میں سے ہر ایک کو اس شخص کی فائل دوں گا' جس سے تمہیں سودا کرنا ہے۔ اس فائل میں تمہارے ہدف کا نام' پتا اور ممکنہ حد تک تمام کوائف ہوں گے۔ تین دن اس فائل کا مطالعہ کر کے تمہیں اپنا لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا۔ پھر کام شروع کرنا ہو گا۔ جہاں میری مدد کی ضرورت پڑے' مَیں حاضر ہوں۔ ورنہ یہ کام تمہیں آزادانہ کرنا ہے۔ یہ تمہاری عملی زندگی کا آغاز ہے۔"

"اب مَیں تمہیں کچھ رہنما اصول بتاؤں گا۔ تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ مَیں سب سے زیادہ کس آدمی سے ڈرتا ہے؟"

ثقیلہ نے ہاتھ بلند کیا اور ابلیس کی اجازت کے بعد بولی۔ "اس موحّد سے جو اللہ کی عبادت کرتا ہو۔"

"نہیں۔" ابلیس نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ عبادت گزار تو بہت ہی آسان ہدف ہوتا ہے جو دکھاوے کی عبادت کرتا ہو۔ دوسرے عام عبادت گزار اپنی عبادت پر گھمنڈ اور تکبر بہت کرتے ہیں۔ انہیں بھٹکانا بھی مشکل نہیں ہوتا اور جو صحیح معنوں پر عبادت کرتے ہیں' ان پر مَیں وقت ضائع نہیں کرتا۔ شکست کھانا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ بتایئے یور ا یکسیلنسی؟"

"مَیں اس گناہ گار سے خوف کھاتا ہوں' جو کبھی دانستہ اور کبھی بے خبری میں بڑی خاموشی سے یوں کوئی نیکی کر گزرتا ہے کہ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ بعض اوقات اسے بھی پتا نہیں چلتا' جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہے۔"

"وہ کیوں یور ا یکسیلنسی؟"

"اس لیے کہ گناہ گار اگر سراپا عاجزی اور انکسار ہو تو اسے اللہ کی پوری توجہ حاصل ہوتی ہے۔ پھر نیکی میں اخلاص بھی ہو تو وہ اور زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ کو عاجزی اور انکسار بہت پسند ہے اور مَیں ایسے لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں۔"

"اب جب کہ تم لوگوں کو فیلڈ ورک کرنا ہے تو مَیں تمہیں ایک گُر کی بات بتا دوں۔ اپنے شکار کو چارا ڈالنے سے پہلے انہیں خوب اچھی طرح دیکھو اور پرکھو۔ ان کی کمزوریاں بھانپو اور ان کی سب سے بڑی کمزوری کو چارا بناؤ۔ تمہیں یہ سہولت ہے کہ تم جو روپ چاہو' اختیار کر سکتے ہو۔ کسی عبادت گزار کے سامنے احتیاط کرو۔ ورنہ ایک لاحول تمہارے پاؤں اکھاڑ دے گی۔ عبادت گزار کے لیے دو ترغیبیں بہت مؤثر ہیں۔ دولت اور عورت۔ بہتر ہے کہ ان کے سامنے عورت کے روپ میں جاؤ۔ خوشامد کا لہجہ سب سے اچھا لہجہ ہے۔ کوشش کرو کہ عبادت گزار میں غرورِ عبادت پیدا کرو۔ پھر کام بہت آسان ہو جائے گا۔ گناہ گار کا معاملہ البتہ مختلف ہے۔ جو شخص سرتاپا گناہوں میں غرق ہے اور اسے ندامت بھی نہیں۔ دل اس کا پوری طرح سیاہ ہو چکا ہے۔ ہمیں اس کی روح کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ تو جیسے ہم ہی میں سے ہے۔ ہم اس گناہ گار پر توجہ کرتے ہیں' جو احساسِ گناہ اور احساسِ ندامت کا مارا ہوتا ہے۔ عاجزی اور انکسار سے مالا مال ہوتا ہے۔ لوگوں کے کام آتا ہے۔ ایذا رسانی سے بچتا ہے۔ حقوق العباد ادا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ ہم اس کی روح خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"وہ کیوں یورا یکسیلنسی؟" ایک طالبِ شیطنت نے پوچھا۔

"اس لیے کہ اسے کسی بھی وقت اللہ کی ہدایت مل سکتی ہے۔ ایسے لوگ بہت دشوار ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں بڑی نزاکت سے ہینڈل کرنا پڑتا ہے۔ اب مَیں تم لوگوں کو ایک ایک فائل دوں گا' جس میں تمہارے شکار کے متعلق تمام تفصیلات موجود ہیں۔ اب تم میں سے کسی کو کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لے۔"

ثقیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مَیں یہ جاننا چاہتی ہوں' یورا یکسیلنسی کہ ہماری کارکردگی کیسی ہے؟"

ابلیس چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "کچھ زیادہ اچھی نہیں۔ مجھے سب سے بڑی کامیابی اس وقت ملی جب مَیں نے آدم اور حوا کو جنت سے نکلوایا۔ اس کے بعد سے اب تک کوئی اتنی بڑی کامیابی ہمیں نہیں ملی۔"

"حالانکہ گناہ گاروں کی تعداد بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔"

"یہ درست ہے' لیکن نیکی اور نیک لوگ بھی زندہ ہیں اور مضبوطی سے قدم جمائے کھڑے ہیں۔ برائی کا صحیح فروغ ہوتا تو اب تک دنیا پر اللہ کا قہر نازل ہو چکا ہوتا' لیکن سچ یہ ہے کہ ہم سازگار حالات میں بھی نیکی کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔"

اس بار باطل اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ پر کبھی برا وقت آیا؟"

"ہاں---- پہلی بار اس وقت جب مَیں لعنت کا طوق گلے میں لے کر جنت سے نکلا---- نکالا گیا۔ وہ میری بدترین توہین تھی۔ دوسرا وقت مجھ پر ہر سال ایک بار آتا ہے۔ جب حج کے موقع پر مَیں گرفتار کیا جاتا ہوں اور حج کرنے والے کنکریاں مارتے ہیں----"

"وہ کنکریاں آپ کیا بگاڑ سکتی ہیں یورا یکسیلنسی؟"

"بے وقوف' میری بات تو پوری ہونے دو۔ برا وقت وہ ہوتا ہے' جب کنکریاں مارنے والا کوئی اپنا ہو۔ اس کی ماری ہوئی ہر کنکری سے مَیں یوں بلبلا اٹھتا ہوں' جیسے مجھے توپ کا گولا مارا گیا ہو۔"

"اپنے سے کیا مراد ہے' یورا یکسیلنسی؟"

"وہ شخص جس پر مَیں نے محنت کی ہو اور جو بہت برا ہو۔"

اس کے بعد ابلیس نے ان سب میں فائلیں تقسیم کر دیں۔ اس کا ایڈوانسڈ کورس مکمل ہو چکا تھا۔



جس بڑھے کی نشان دہی شمشاد اور اس کے ساتھیوں نے کی تھی' وہ نہیں پکڑا جا سکا۔ سلیمان نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے اس مکان پر چھاپا مارا' جہاں وہ رہتا تھا مگر وہ مکان ویران پڑا ہے۔"

"حالانکہ سارا فساد اسی کا پھیلایا ہوا تھا۔" رضوان نے کہا۔

"پولیس اس اسلحہ فروش کو بھی نہیں پکڑ سکی' جس نے انہیں اسلحہ فراہم کیا تھا۔"

عدنان بولا۔

"چالاک اور منظم لوگ آگ لگانے کے بعد رکتے کہاں ہیں۔" سلیمان نے تبصرہ
انہوں نے گمنام فون کال کے ذریعے پولیس کو مشتبہ لڑکوں کے متعلق بتا دیا تھا۔ پو
نے فوری ایکشن لیا تھا اور تمام لڑکوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ لڑکوں نے صرف ایک وارداد
اعتراف کیا تھا اور وہ بھی مسجد کی کوئی کارروائی نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ مسجد پر گولا
چلانے کو ان کا دل نہیں مانا تھا۔ پولیس بے پناہ تشدد کے باوجود اس سے زیادہ ان
نہیں اگلوا سکی تھی۔ انہوں نے بڈھے بابا اور اسلحہ فروش کے متعلق بھی بتا دیا تھا۔ ا
کہنا تھا کہ باقی کوئی کارروائی انہوں نے نہیں کی اور جو کچھ انہوں نے کیا، اس پر بھی
شرمندہ ہیں۔

رضوان بہت ڈرا ہوا تھا۔ اس دن کے بعد سے نہ وہ اپنے گھر گیا تھا نہ دفتر۔ چھٹی
درخواست سلیمان نے دفتر پہنچا دی تھی۔ عدنان بھی اس دن سے سلیمان ہی کے فلیٹ
رہ رہا تھا۔ دونوں دوست سہمے ہوئے رضوان کی دل جوئی کر رہے تھے۔

"اچھا رضوان، ہم اب چلتے ہیں۔" سلیمان نے کہا۔ "باہر تالا لگا جاؤ۔" رضوان بولا۔
سلیمان نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اب اس کی کیا ضرورت ہے یار۔ بر
دستک ہو تو دروازہ نہ کھولنا۔ دروازے کے سوراخ سے دیکھ لینا کہ کون ہے۔"

"نہیں بھائی، تم باہر تالا لگا کر ہی جاؤ۔"

"تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔" عدنان نے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"ایک تم ہو کہ ان لوگوں سے خوف زدہ ہو، جو تھانے میں بند ہیں اور ایک وہ اکثریت
ہے کہ جو جانتے ہیں کہ مسجد پر فائرنگ ہو سکتی ہے پھر بھی جماعت نہیں چھوڑتے۔"
سلیمان نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "جانتے ہو، مسجدیں اب بھی نمازیوں سے بھری
ہوئی ہیں۔"

"تم ملامت کرنے والے کون ہو۔" رضوان بپھر گیا۔ "رمضان میں صبح کا ناشتا کر کے

دفتر جاتے ہو۔ ایک روزہ نہیں رکھا۔ ایک نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی تمہیں اور باتیں
دین داروں کی سی کرتے ہو۔"

سلیمان شرمندہ ہو گیا۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی مجھے ملامت کا کوئی حق نہیں۔ میں
شرمندہ ہوں۔ معاف کر دو یار۔ میں تو صرف تمہارے خیال سے کہہ رہا تھا۔ تم پانچوں
وقت جماعت سے نماز پڑھنے والے آدمی ہو۔ گھر میں نماز پڑھنا تم پر بوجھ ہو رہا ہو گا۔ پھر
بھی میں معافی چاہتا ہوں۔"

"ویسے لوگوں کا یہ جذبہ بڑا حوصلہ افزا ہے۔" عدنان نے کہا۔ "ایسے لوگ دو فی صد
بھی نہیں ہوں گے، جنہوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا ہے۔"

"ختم کرو اس تذکرے کو۔" رضوان نے چڑچڑے پن سے کہا۔

وہ دونوں باہر کے دروازے کو تالا لگا کر چلے گئے۔ رضوان نے جا کر دروازے کی شیشے
کی آنکھ سے جھانکا۔ چند لمحے وہ دیکھتا رہا۔ پھر واپس چلا آیا۔ اس نے وضو کیا اور پھر قرآنِ
کریم کی تلاوت کرنے بیٹھ گیا، لیکن ان دنوں عجیب حال تھا۔ نماز بھی وہ بس جیسے تیسے
پڑھ لیتا تھا۔ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی اس کا دل نہیں لگتا تھا۔

مشکل سے اس نے پاؤ پارہ پڑھا اور پھر سوچنے بیٹھ گیا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس
کے خوف کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسے یقین تھا کہ اس گروہ کے سارے لڑکے ابھی
گرفتار نہیں ہوئے ہوں گے۔ پہلے چھاپے کے بعد جو بچے ہوں گے، وہ روپوش ہو گئے
ہوں گے اور سب جانتے ہوں گے کہ پولیس کو اطلاع اسی نے دی ہے۔ لہٰذا وہ اس کے
خون کے پیاسے ہو رہے ہوں گے۔"

اچانک اسے خیال آیا کہ اس کے روپوش ہونے کے نتیجے میں تو ان لوگوں کا یقین اور
پختہ ہو گیا ہو گا۔ وہ سوچیں گے کہ اگر اس کے دل میں چور نہ ہوتا تو وہ یوں چھپتا کیوں۔
سوال یہ تھا کہ کب تک چھپتا پھرے گا۔ کیا پوری زندگی؟ یہ تو ممکن نہیں۔ پھر کیا ہو گا؟
اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے سلیمان پر غصہ آیا---- پھر اس
سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ مصیبت میں تو تھا، لیکن جب تک لڑکے آزاد تھے،

معاملہ اتنا سنگین نہیں تھا، لیکن سلیمان نے تو بالکل ہی مروا دیا۔ اس نے وہ کچھ کیا، جو کہ بدترین دشمن ہی کر سکتا تھا۔

وہ اس غصے اور نفرت میں پھنکتا رہا۔ بالآخر اسے نیند آ گئی۔



دروازے میں چابی لگائے جانے کی آواز سے وہ چونکا۔ وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا اور شیشے کے سوراخ سے جھانکا۔ اس کا دل طوفانی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ باہر سلیمان اور عدنان کو دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی اور تھکے تھکے قدموں سے واپس آ گیا۔

وہ دونوں افطاری کا سامان لائے تھے۔ سلیمان آتے ہی کچن میں مصروف ہو گیا تھا۔ کام ہی اتنے تھے۔ اب فروٹ چاٹ بنانا تھی۔ پھر پکوڑے تلنے تھے اور رات کے کھانے اور سحری کے لیے بھی سالن پکانا تھا۔ یہ سب کچھ اسے اکیلے ہی کرنا تھا۔ عدنان اس معاملے میں بالکل کورا تھا۔ اس کے خیال میں اتنی محنت کرنے سے بہتر تھا کہ بازار سے سب کچھ لے آئیں۔ کون سی ایسی چیز ہے، جو بازار میں نہیں ملتی۔

سلیمان پکوڑوں کے لیے بیسن تیار کر رہا تھا کہ عدنان کچن میں آ گیا۔ "یار، تمہیں تو واقعی شادی کی ضرورت نہیں۔ ہر اعتبار سے خود کفیل ہو۔" اس نے سلیمان کو چھیڑا۔

"ہر شخص کو ہونا چاہیے۔" سلیمان نے کہا۔

"میرے خیال میں تو بے کار کی محنت ہے۔ سب کچھ بازار میں مل جاتا ہے۔"

"مگر یہ ذائقہ تو نہیں ہوتا۔ بازار میں گھٹیا چیزیں ملتی ہیں۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" عدنان نے اعتراف کیا۔

"اور میں ہمیشہ نہیں، کبھی کبھی پکاتا ہوں۔" سلیمان نے کہا۔ "آج کل تو میں تم دو روزے داروں کی وجہ سے یہ مشقت کر رہا ہوں۔ خود روزہ نہیں رکھتا تو کم از کم تمہیں ڈھنگ سے افطار ہی کرا دوں۔"

"تم بھی خوب ہو یار۔ خود نیکی نہیں کرتے۔ نیکی کرنے والوں کی خدمت کرتے ہو۔ روزہ نہیں رکھتے، روزے داروں کے لیے ہانڈی چولہا کرتے ہو۔ خود نماز نہیں پڑھتے، نمازیوں کے تحفظ کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہو۔"

عدنان بولا۔ "تمہیں کیا فائدہ؟"

"بس یار، یہی ایک معاملہ تو ہے، جس میں میں نفع و نقصان کا خیال نہیں کرتا۔"

عدنان کمرے میں چلا گیا---- رضوان کے پاس۔ "اور کیا ہو رہا ہے دوست؟"

"بس قید میں ہوں، تم سناؤ، دفتر کا کیا حال ہے؟"

"وہی حال ہے پرانا والا۔"

"سلیمان نے کوئی نئی شرط لگائی؟"

"رمضان میں وہ شرط کہاں لگاتا ہے۔"

"اور اس لڑکی کا کیا بنا---- وہی فرزانہ۔"

"یار، اس معاملے میں سلیمان کی بات ٹھیک نکلی۔ لڑکی خراب نہیں تھی۔ سلیمان اکیلے گھر میں اس سے ملنے گیا، مگر فرزانہ نے ہاتھ نہیں رکھنے دیا۔ کہنے لگی، میں تم سے محبت کرتی اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

"واقعی---- کمال ہے۔" رضوان نے حیرت سے کہا۔ "اس کی حرکتیں تو خراب لڑکیوں والی تھیں۔"

"مگر سلیمان نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا۔"

"تو اب سلیمان کا کیا ردِعمل ہے؟"

"تم جانتے ہو، ایسی لڑکیوں سے تو وہ پرے بھاگتا ہے۔"

"خراب لڑکیاں ملتی رہتی ہیں تو اچھی لڑکیوں کی قدر کیوں کرے۔" رضوان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اور بدکار آدمی تو اچھائی سے بھاگتا ہے۔ شیطان شادی کے تصور سے بھی ناخوش ہوتا ہے---- نفرت کرتا ہے۔"

عدنان نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ "یار، وہ ہمارا اتنا اچھا دوست ہے۔ تمہیں

اس کے متعلق ایسے نہیں کہنا چاہیے۔"

"میں سچا کھرا آدمی ہوں۔ دوستی اپنی جگہ۔ بدکار کو بدکار اور شیطان کو شیطان ہی کہوں گا۔"

"دوست ہونے کے ناتے تمہیں اللہ سے اس کے لیے ہدایت مانگنی چاہیے۔"

"وہ سدھرنے والا نہیں۔"

"پھر بھی یار، وہ بہت اچھا انسان اور بہت اچھا دوست ہے۔"

"مگر اس بنیاد پر جہنم سے نہیں بچ سکتا۔"

عدنان اسے یاد دلانا چاہتا تھا کہ جس حال میں سلیمان نے اسے پناہ دی تھی، کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا اور پھر کتنے خلوص سے وہ ان کے لیے افطاری بنانے میں مصروف ہے اگر رضوان کو اس کی بدکاری اور گناہ گاری اتنی ہی بری لگتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کوئی اور گھر دیکھے---- اور ایسے گناہ گار سے دوستی بھی نہ رکھے، مگر اس نے یہ سب نہیں کہا۔

وہ رضوان کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔

انہوں نے افطار کیا۔ تراویح کے وقت وہ دونوں رضوان کو فلیٹ میں بند کر کے نکل آئے۔ ایک کو تراویح پڑھنا تھی اور دوسرے کو مسجد اور نمازیوں کی حفاظت کرنا تھی۔

راستے میں سلیمان نے کہا۔ "یار، ایسا تو بھارت میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے شرم کی بات ہے۔"

"واقعی، ہے تو۔ لیکن ہم لوگوں کو شرم کب آتی ہے۔"

نماز کے بعد واپس آتے ہوئے عدنان نے سلیمان سے کہا۔ "رضوان تم سے بہت چڑا ہوا ہے۔"

"ہاں، وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔"

"نہیں یار، وہ تجھے بہت برا سمجھتا ہے۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ نفرت کرتا ہے تجھ سے۔"

"اس میں شکایت کی کیا بات ہے۔ میرے اعمال ہی ایسے ہیں۔"

"پھر بھی، کسی کو یہ حق نہیں-----"

"چھوڑو یار، اس کی گالی بھی مجھے بری نہیں لگتی۔" سلیمان نے محبت سے کہا۔ "اب اسے سمجھا بجھا کر نارمل کرو۔ عید میں تین دن رہ گئے ہیں۔"

اس رات انہوں نے رضوان کو سمجھایا بجھایا کہ اسے کوئی خطرہ نہیں۔ رضوان آمادہ ہو گیا کہ عید کے بعد وہ گھر چلا جائے گا---- اور دفتر جوائن کر لے گا۔

اگلی صبح خبر آ گئی کہ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی دہشت گردی کا نشان بن گئے ہیں۔



باطل اور ثقیلہ سر جوڑے بیٹھے تھے۔ دونوں اپنی اپنی فائلوں کا جائزہ لے چکے تھے اور اب ایک دوسرے کی فائلوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ دونوں کے مجوزہ شکار ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں کا طریقِ کار بھی مختلف تھا۔ ثقیلہ کو اپنے شکار کی روح کا سودا نہیں کرنا تھا۔

"نام رضوان احمد، عمر ۳۳ سال، غیر شادی شدہ۔ پنج وقتہ نمازی اور باقاعدہ روزے رکھنے والا۔ دنیا میں اکیلا، صرف دو دوست۔ کبھی لڑکیوں کے چکر میں نہ پڑنے والا۔ رشوت سے بچتا ہے۔ بظاہر کسی برائی میں ملوث نہیں۔ یہ ہے تمہارا شکار۔" باطل نے کہا۔

"اور نام سلیمان یوسف، عمر ۳۴ سال، غیر شادی شدہ، مذہب، نماز اور روزے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ دنیا میں اکیلا، صرف دو دوست۔ لڑکیوں کو پھنسانے میں جواب نہیں رکھتا۔ شریف لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا۔ شرط لگانے اور جوا کھیلنے کا شوقین۔ تقریباً ہر برائی میں ملوث۔ یہ ہے تمہارا شکار۔" ثقیلہ نے کہا۔

"اور دونوں آپس میں گہرے دوست ہیں۔" باطل نے کہا۔ "اور ہدایات کے مطابق تمہارا کام مکمل ہونے کے بعد میں کام شروع کر سکوں گا۔"

"میرے خیال میں یہ زیادتی ہے۔ میرا کام بہت مشکل ہے اور تمہارا بہت آسان۔"

تمہارا شکار تو سمجھو کہ پکے ہوئے پھل کی طرح ہے۔" ثقیلہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"بظاہر تو ایسا ہی ہے۔" باطل بولا۔ "لیکن مجھے ہزا یکسیلنسی کی بات یاد ہے۔ وہ متکبر عابد کے مقابلے میں منکسرالمزاج گناہ گار سے ڈرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا شکار ایسا ہی ہو گا---- چپکے سے، سر جھکا کر، عاجزی سے نیکی کرنے والا۔"

"دیکھیں گے۔"

"تمہارا کیا ارادہ ہے؟" باطل نے پوچھا۔

"لڑکی کی حیثیت سے میں اس سے ملوں گی۔ وہ ترسا ہوا ہے۔ نسوانی روپ میں ہی میں اسے دوسری لائن میں ڈال سکوں گی۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ تو آسان ہے، لیکن کیسی عجیب بات ہے۔ مجھے دوستوں میں تفرقہ ڈالنا ہے۔"

"تفرقہ ڈالنا ہزا یکسیلنسی کو بہت پسند ہے۔ میاں بیوی کے درمیان تو بہت ہی زیادہ۔"

"اور تم کس طرح کام کرو گے؟"

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے پاس وقت بھی تو بہت ہے۔" باطل نے کہا۔

"تم کام کب شروع کرو گی؟"

"پہلے تو جا کر تین چار دن دنیا دیکھوں گی---- تفریح کروں گی۔ پھر کام شروع کر دوں گی۔"

"وش یُو بیسٹ آف لک۔"

"تھینک یُو۔ آئی تِھنک، آئی وِل بی نیڈنگ اِٹ۔"



وہ چاند رات تھی!

سلیمان نے ایک کچے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ بڑی عمر کے ایک صاحب دروازے پر آئے۔ "سلیمان بیٹے۔"

"چچا، میں آپ کو عید کے کپڑے دینے آیا ہوں۔" سلیمان نے ہاتھ میں موجود پیکٹ

ان کی طرف بڑھایا۔

بڑے میاں ہچکچائے۔ "بیٹے، یہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ میں تو آپ کو ابا کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پلیز لے لیجئے۔"

بڑے میاں نے ہچکچاتے ہوئے کپڑوں کا پیکٹ لے لیا۔ "ہر سال تم یہی کرتے ہو۔"

"اور ہر سال کرتا رہوں گا۔"

"اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں چچا۔ آج کام بہت ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔"

"اچھا بیٹے، جیتے رہو۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

سلیمان گھر چلا آیا۔ وہاں عدنان اور رضوان موجود تھے۔ "چلو یار، تاش کھیلیں۔" اس نے دونوں دوستوں سے کہا۔

"کیوں؟ شیطان آزاد ہو گیا۔" رضوان نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہر سال ہوتا ہے۔" سلیمان ہنس دیا، پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "یار میں پوری رات جاگنا چاہتا ہوں۔"

"ظاہر ہے۔ دن بھر سونا جو ہے۔ عید کی نماز تو تم کبھی پڑھتے نہیں ہو۔" رضوان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"نماز تو اس بار بھی نہیں پڑھوں گا، مگر بہت سویرے جاگنا ہے اور آنکھ کھلے گی نہیں، اس لیے سوچا ہے کہ پوری رات جاگ لوں۔"

"کیوں صبح کسی محبوبہ کے اکیلے گھر میں چھاپا مارنا ہے۔"

"نہیں۔ کل اللہ کے گھر میں پہرا دینا ہے۔ لوگ بہت ڈرے ہوئے ہیں۔" سلیمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ---- فکر نہ کرو۔ میں تمہیں جگا دوں گا۔" رضوان نے کھسیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے، لیکن یاد سے جگا دینا۔" سلیمان اب بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن تم بتاؤ، تم صبح کیا کرو گے؟" عید کی نماز تو گھر پر ہوتی نہیں۔

"طنز کر رہے ہو؟" رضوان نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ خدا کی قسم، تم پر طنز کرنے کا تو مَیں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کل مَیں مسجد میں جاؤں گا۔"

"گڈ۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

لیکن رضوان کو سلیمان کو جگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ نہ صرف خود سے اٹھ گیا تھا بلکہ رضوان اور عدنان کو بھی اس نے جگایا تھا۔ تینوں دوست نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ دو نماز پڑھنے کے لیے اور ایک نماز نہ پڑھنے کے لیے۔

"یار، وہ جو نیا سُوٹ تم نے خریدا تھا، وہ کیوں نہیں پہنتے۔" عدنان نے سلیمان کو ٹوکا۔

"کون سا نیا سُوٹ؟"

"وہی جو میرے ساتھ ہی خریدا تھا۔"

"وہ میرا تو نہیں تھا۔۔۔۔"

"ہر سال تم کپڑے خریدتے ہو مگر عید کے دن پہنتے نہیں۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"ایک صاحب ہیں۔ وہ ہر سال مجھے پیسے دیتے ہیں کہ ان کے لیے کپڑے خرید لاؤں۔" سلیمان نے جلدی سے کہا۔ "مَیں اپنے لیے تو نئے کپڑے لا ہی نہیں سکتا۔"

"کیوں بھئی؟" عدنان نے پوچھا۔ رضوان خاموشی سے سن رہا تھا۔

"روزہ جو نہیں رکھتا۔" سلیمان کے لہجے میں خفیف سی اداسی تھی۔ "اور عید تو روزے داروں کے لیے اللہ کا انعام ہے۔ مَیں اس کا حق دار کہاں۔ آج بھی یہ ڈیوٹی نہیں دینی ہوتی تو اس وقت مَیں سو رہا ہوتا۔"

عدنان بھی اداس ہو گیا مگر رضوان مسکرا رہا تھا۔ "پورے ڈرامے ہو یار۔ ایکٹنگ بڑی زور دار کرتے ہو۔"

"بس یار۔ کام چلا لیتا ہوں۔" سلیمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہے تو روزے کیوں نہیں رکھتے؟" عدنان نے کہا۔

"کبھی دل میں سچی اور شدید خواہش ابھری تو ضرور رکھوں گا۔ صرف فرض پورا کرنے کے لئے نماز روزہ نہیں کر سکتا۔ میں فرض میں بھی محبت کا قائل ہوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" رضوان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ عجیب نماز عید تھی۔ لوگ سہمے ہوئے تھے۔ ہر شخص ---- بلا ارادہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ سلیمان اور اس کے ساتھ پانچ لڑکے ہاتھ میں خود کار اسلحہ اٹھائے پہرا دے رہے تھے۔ اتنے میں اخباری فوٹو گرافر آگیا اور مسلح لڑکوں کی تصویر بنانے لگا۔

"اس کے نیچے کیپشن دینا---- یہ وطنِ عزیز---- مملکتِ خداداد کا منظر ہے۔ دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ کیا اس کے بعد ہم سر اٹھا کر، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہ سکتے ہیں؟"

فوٹوگرافر نے کچھ نہیں کہا۔

کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن وہاں ہزاروں شیاطین جمع تھے۔ وہ سب خوش تھے، قہقہے لگا رہے تھے، مذاق اڑا رہے تھے۔ ان کے لیے بھی وہ عید کا دن تھا۔ اہلِ ایمان ایمان والوں کے ملک میں غیر محفوظ تھے۔ وہ پہرے میں نماز ادا کر رہے تھے۔



عید کے تیسرے دن نصف شب کے قریب رضوان اپنے فلیٹ میں واپس آگیا۔ عدنان اور سلیمان اسے چھوڑنے آئے تھے۔ "کہو تو ہم رُک جائیں؟" سلیمان نے کہا۔ رضوان کا دل تو یہی چاہ رہا تھا۔ وہ اب بھی خوف زدہ تھا مگر گھر میں رہنا تھا تو خوف کو اسی وقت زیر کرنا ضروری تھا۔ "نہیں شکریہ۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"تو کل دفتر آ رہے ہو نا؟"

"ہاں انشاأللہ، صبح ہی پہنچ جاؤں گا۔"

عدنان اور سلیمان کے جانے کے بعد رضوان نے بستر لگایا۔ اس روز کافی سردی تھی۔ وہ لحاف اوڑھ کر لیٹ تو گیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے اب بھی

ان لڑکوں کے ساتھیوں کی طرف سے جان کا خوف تھا۔

کوئی ایک گھنٹے بعد اطلاعی گھنٹی بجی تو اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ دو بجے تھے۔ اس وقت کون آ سکتا ہے؟ ہو نہ ہو' یہ وہی لڑکے ہیں اور مجھے ختم کرنے آئے ہیں۔ اس نے سوچا۔

اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ جا کر شیشے کے سوراخ سے جھانک ہی لے' مگر جب گھنٹی تواتر سے بجتی ہی رہی تو اسے اٹھنا پڑا' مگر اس کا حال یہ تھا کہ اس کا جسم بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ دانت بھی بج رہے تھے' اور اس میں سردی کا اتنا دخل نہیں تھا' جتنا خوف کا تھا۔

وہ دبے پاؤں دروازے تک گیا اور شیشے کے سوراخ سے جھانکا۔ باہر بلب کی وجہ سے تیز روشنی تھی۔ دروازے پر موجود ہستی کو دیکھ کر اس کے دیوتا کُوچ کر گئے۔ روشنی اتنی تھی کہ نظروں کے دھوکے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ حقیقت تھی۔ باہر ایک بے حد حسین اور نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔

رضوان میں اب بھی دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں تھی۔ "کون ہے؟ کیا بات ہے؟" اس نے کسی پردہ نشیں عورت کے سے انداز میں کہا۔

"دروازہ کھولیے۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے؟" مترنم آواز میں کہا گیا۔

"کیا مسئلہ ہے۔ آپ صبح آ جائیے گا۔"

"یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

اس بار رضوان کو احساس ہوا کہ لڑکی کی آواز میں بھی بلا کی سیکس اپیل ہے۔ "آپ صبح آئیے گا----"

"صبح تک تو مَیں شاید زندہ بھی نہ رہوں۔" لڑکی گڑگڑائی۔ پھر اس نے آخری وار کیا۔ "آپ کیسے مرد ہیں کہ ڈرتے ہیں اور ایک ضرورت مند لڑکی کے کام نہیں آتے۔ آواز سے تو مرد ہی لگتے ہیں۔"

یہ سن کر رضوان کا خون جوش مار گیا۔ اس نے بے سوچے سمجھے دروازہ کھول دیا۔

اپنی اس بے وقوفی پر وہ بعد میں کڑھتا رہا کہ اگر لڑکی کے پیچھے مسلح لڑکے ہوتے تو کیا ہوتا۔ بہرحال شکر کا مقام یہ تھا کہ ایسا نہیں تھا۔

سوراخ سے دیکھنا اور بات تھی' مگر اس لڑکی کو روبرو دیکھ کر تو رضوان کی سانسیں رکنے لگیں۔ لڑکی کے چہرے پر---- اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ ملگجا سا لباس پہنے تھی۔ دوپٹا موجود نہیں تھا۔ سینے کے زیر و بم سے اور پھولی ہوئی سانسوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بہت دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہے۔ رضوان سوچ میں پڑ گیا۔ رات کے دو بجے کوئی لڑکی بھاگتی ہوئی اس حال میں کسی کے دروازے پر آئے تو صورتِ حال بہت زیادہ سنگین ہی ہوتی ہے۔

"لگتا ہے' آپ تو مجھے اندر آنے کو بھی نہیں کہیں گے۔" لڑکی نے کہا اور اسے دھکیلتے ہوئے فلیٹ میں گھس آئی۔ "پلیز دروازہ بند کر دیجئے۔" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

رضوان نے خودکار انداز میں دروازہ بند کر دیا اور چٹخنی چڑھا دی۔ لڑکی نے واضح طور پر سکون کی سانس لی۔

"آیئے----" رضوان نے کہا۔ پھر وہ اسے اپنے سونے والے کمرے میں لے آیا۔

لڑکی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں ایک ہی بیڈ تھا۔ کھلا ہوا لحاف بیڈ پر پڑا تھا۔ لحاف کافی بڑا تھا۔

"اب بتائیں۔"

"مَیں بے سہارا لڑکی ہوں۔ چند دن پہلے مَیں کروڑ پتی باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ پھر میرے ماں اور باپ کار کے ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ اب کچھ لوگ کاروبار اور جائداد کی وجہ سے میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے افراتفری میں گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یوں مَیں آپ کے دروازے تک آ گئی۔"

"وہ لوگ کون ہیں---- تمہارے دشمن؟"

"ان سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ میرے چچا اور چچا زاد بھائی۔"

"انہوں نے تمہیں یہاں آتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"

"اس علاقے تک تو وہ میرے پیچھے آئے تھے۔ اس کے بعد میرا خیال ہے کہ مَیں انہیں غچا دے دیا۔"

"سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں مَیں کیا کر سکتا ہوں؟"

"کر تو بہت کچھ سکتے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "لیکن کم از کم مجھے پناہ تو دے سکتے ہیں۔"

"مَیں اکیلا ہوں۔ پڑوسیوں کو تمہاری موجودگی کا پتا چل گیا تو میرا حشر خراب کر دیں گے۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔ وہ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

رضوان نے چونک کر اسے غور سے دیکھا۔ ابھی چند لمحے پہلے وہ خوف زدہ تھی اور اب اتنے اعتماد سے بات کر رہی تھی۔ یہ کیا معما ہے؟ "آخر تمہاری نظرِ عنایت اسی فلیٹ پر کیوں پڑی۔ کسی فیملی والے فلیٹ میں بھی تو جا سکتی تھیں۔"

"آپ کے فلیٹ کا نمبر ۶ ہے---- اور یہ میرا لکی نمبر ہے۔"

"سب خرافات ہے---- ضعیف الاعتقادی---- توہّمات۔" رضوان نے جھنجلا کر کہا۔

"نہیں، یہ سچ ہے۔"

"خیر، تم کسی وہم میں نہ رہنا۔ صبح سویرے ہی میں تمہیں فلیٹ سے نکال باہر کروں گا۔" رضوان اس کے اعتماد سے چڑ گیا۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔ مَیں صوفے پر سو جاؤں گی۔"

"بس تو سو جاؤ۔ مجھے صبح دفتر بھی جانا ہے۔ لائٹ آف کر دوں؟"

"جی---- کر دیں۔"

رضوان نے لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کیا اور اپنے بستر پر آ لیٹا۔ تکیے دو تھے۔ اس نے ایک تکیہ لڑکی کو دے دیا۔ وہ صوفے پر سمٹ کر لیٹ گئی۔

رضوان نے آنکھیں بند کیں۔ نیند اب بھی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، لیکن بہت بڑا فرق پڑ گیا تھا۔ پہلے وہ مرجانے کی حد تک خوف زدہ تھا مگر لڑکی کے آنے کے بعد خوف کا نام و نشان بھی نہیں رہا تھا، بلکہ طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ جادو ہوتا ہے عورت میں۔ اس کا کبھی کسی عورت سے واسطہ ہی نہیں پڑا تھا اور لڑکیوں سے تو وہ بچتا رہا تھا، مگر اب اس لڑکی کو دیکھنے کے بعد وہ مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔

وہ دیوار کی طرف منہ کر کے سونے کا عادی تھا، مگر لڑکی کو دیکھنے کی خاطر اس نے کروٹ بدل لی۔ وہ ہاتھوں میں جھری بنا کر چپکے چپکے لڑکی کو دیکھتا رہا۔ اس کے جسم کو مختلف نظر سے دیکھنا اس کے لیے ایک نیا اور ہیجان انگیز تجربہ تھا۔ صرف ایک لمحے کو اسے یہ خیال آیا کہ یہ بہت بری حرکت ہے، مگر پھر شوق نے اس خیال کو نگل لیا۔ اس سے نگاہ ہٹائی ہی نہیں جا رہی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ اس کی سانسیں اور دھڑکن کی لَے معمول سے بہت تیز ہو گئی ہے۔

دیر تک یہ آنکھ مچولی چلتی رہی۔ وہ سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا۔ پھر وہ چونکا۔ کمرے میں تبدیلی کا احساس بہت واضح تھا۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ لڑکی پر سردی کی وجہ سے تھرتھری چڑھی ہوئی ہے۔

اس لمحے پہلی بار اس کی سمجھ میں آیا کہ کسی کا احساس کیسے ہوتا ہے۔ اور شاید یہ بات عورت کے لیے مخصوص ہے۔ ابھی اسے ملے ایک گھنٹا بھی نہیں ہوا تھا، مگر وہ اس کی تکلیف کے خیال سے تڑپ گیا تھا۔ اس نے لحاف الٹا۔ باہر خاصی سردی تھی۔ اسے شرمندگی ہونے لگی۔ اس کا طرزِ عمل غیر انسانی تھا۔

وہ بستر سے اٹھا اور صوفے کی طرف بڑھا۔ "سنو----؟" اس نے لڑکی کو پکارا۔

"جی؟" لڑکی کی آواز بالکل نحیف تھی۔

"تمہیں بہت سردی لگ رہی ہے؟"

"شاید مجھے بخار ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" رضوان نے بے حد خلوص سے کہا۔ "تم بستر پر چلی جاؤ۔ مَیں صوفے پر سو جاؤں گا۔"

"نہیں۔ مَیں آپ کو اتنی تکلیف نہیں دے سکتی۔ ویسے بھی مَیں رات بھر کی مہمان

ہوں۔ صبح تو آپ مجھے نکال ہی دیں گے۔"

"اس سلسلے میں صبح بات کریں گے۔ اس وقت تم میری بات مان لو۔"

"یہ ممکن نہیں کہ اتنی سردی میں' اپنے گھر میں بستر ہوتے ہوئے آپ ٹھٹھرتے رہیں اور مَیں گرم بستر میں سو جاؤں۔" لڑکی کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"پلیز----" رضوان گھگیانے لگا۔

لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "ٹھیک ہے مگر میری ایک شرط ہے۔"

"مَیں نے سنے بغیر تمہاری شرط مان لی۔" رضوان نے کہا۔

"تو آپ بھی لحاف میں ہی سوئیں گے۔" لڑکی نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

رضوان صرف ایک لمحے کو ہچکچایا۔ "آجاؤ۔" اس نے کہا۔

لڑکی اٹھ کر بستر میں آ گئی۔ کچھ رضوان دوسری طرف سرکا۔ کچھ لڑکی بھی سمٹی سمٹی سی تھی' لیکن اتنا فاصلہ ہونے پر بھی رضوان کو اپنے جسم میں کیف و سرور دوڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس کا جی چاہنے لگا کہ لڑکی اور قریب آ جائے۔ وہ خود قریب نہیں ہونا چاہتا تھا اور لڑکی سے کہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "تم اس طرف سے کھل گئی ہو گی۔ لحاف اتنا بڑا بھی نہیں۔"

"صوفے سے تو بہتر ہی ہے۔" لڑکی نے بمشکل کہا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔

رضوان کو ایک اور جواز مل گیا۔ "مگر تم پر تو لرزہ چڑھا ہوا ہے۔ دانت بج رہے ہیں۔ اس طرف آ جاؤ اور سائیڈ سے لحاف لپیٹ لو۔"

لڑکی اور اندر آ گئی۔ اب اس کے جسم کی آنچ رضوان کو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو لے۔ دوسری طرف لحاف میں بھونچال سا آیا ہوا تھا۔ "تم پر تو اب بھی لرزہ چڑھا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

"مجبور ہوں۔ اس پر قابو پانا میرے بس میں نہیں۔ آپ ڈسٹرب ہو رہے ہوں تو مَیں لحاف سے نکل جاؤں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مَیں تشویش کی وجہ سے پوچھ رہا تھا۔" رضوان نے کہا۔

"مجھے بخار ہے۔"

"مَیں کیا کروں؟ لحاف تو اور ہے نہیں۔" رضوان نے پریشانی سے کہا۔

"ایک اور صورت ہے مگر مَیں نہیں چاہتی کہ آپ مجھے بُری لڑکی سمجھیں----"

"مَیں تمہیں بُرا سمجھ ہی نہیں سکتا۔"

"انسانی جسم سے زیادہ گرمی کسی چیز میں نہیں ہوتی۔" لڑکی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

رضوان کو اس بات کا مفہوم سمجھنے میں چند طویل لمحے لگے۔ اس کے بعد اس کا جسم یوں کپکپایا' جیسے اسے بھی بخار چڑھ گیا ہو۔ پھر اس نے شیطان کو وحشت بھرے انداز میں کھینچ کر خود سے لپٹا لیا----



آنکھ کھلتے ہی رضوان نے گھڑی میں وقت دیکھا اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دس بج چکے تھے اور اسے دفتر بھی جانا تھا۔ وہ لحاف الٹ کر باہر نکلا تو اسے لڑکی نظر آئی۔ وہ بےسُدھ سو رہی تھی۔ دن کی روشنی میں اس کا حُسن اور بھی زہد شکن لگ رہا تھا۔ وہ چند لمحے للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر دفتر کے خیال سے باتھ روم کی طرف لپکا۔

وہ باتھ روم سے باہر آیا تو لڑکی جاگ چکی تھی۔ "آپ کے ہاں تو ناشتے کا سامان بھی نہیں۔" اس نے شکایتاً کہا۔

"میں ناشتا باہر ہی کرتا ہوں۔" رضوان نے شرمندگی سے کہا۔ "ابھی مَیں کچھ لے کر آتا ہوں۔ دفتر کو بھی دیر ہو رہی ہے۔"

رضوان ناشتے کا سامان لے آیا۔ لڑکی اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رضوان کو دیکھتے

ہی کہا۔ "اب مَیں جاؤں؟"

"ابھی تم ناشتا کرو۔ مَیں دفتر سے آؤں گا۔ پھر بات کریں گے۔"

"آپ ناشتا نہیں کریں گے میرے ساتھ..."

"نہیں۔ پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔"

رضوان دفتر پہنچا۔ راستے میں اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دفتر پہنچ کر اس نے ڈیوٹی جوائن کرنے کے بجائے مزید پندرہ دن کی چھٹی کی درخواست دے دی۔ آفاق صاحب حیرت سے اسے دیکھتے رہے، لیکن کچھ کہا نہیں۔

عدنان اور سلیمان پہلے ہی دفتر پہنچ چکے تھے۔ رضوان ان کے پاس جا بیٹھا۔ "کیا چکر ہے بھئی؟" سلیمان نے پوچھا۔

"میں خطرے میں ہوں۔ مجھے یہ شہر چھوڑنا پڑے گا۔" رضوان نے کہا۔ "اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ ہاں یار، مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"کتنے پیسے چاہئیں؟" سلیمان نے پوچھا۔

"کم از کم دو ہزار۔"

"مَیں کچھ کرتا ہوں۔" سلیمان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

رضوان نے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولنے سے حتی الامکان بچتا رہا ہے، اب کتنی روانی سے جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہے، مگر بات ہی ایسی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ رات کے معاملات کے بعد وہ اس لڑکی کو خود سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، جس کا نام تک اسے معلوم نہیں تھا، مگر وہ اعلانیہ طور پر اسے اپنے ساتھ بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس مسئلے کا کوئی حل تھا بھی نہیں۔ کم از کم فی الحال نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا، پندرہ دن کی چھٹی لے لی جائے۔ اس دوران میں ممکن ہے، کوئی حل سُوجھ ہی جائے۔ یہ باہر جانے کا شوشہ چھوڑنا، اس لیے بھی ضروری تھا کہ اس کے بغیر عدنان اور سلیمان سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا تھا اور سلیمان کو وہ جانتا تھا۔ وہ لڑکیوں کے معاملے میں بہت خطرناک آدمی تھا۔ رضوان نہیں چاہتا تھا کہ سلیمان کا اس لڑکی سے آمنا

سامنا ہو۔

ظہر کی نماز کا وقت نکل گیا اور اسے پتا ہی نہیں چلا۔ پتا چل بھی جاتا تو کیا تھا۔ وہ نماز پڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے تو احساس نہیں ہوا، مگر سلیمان نے اسے ٹوک دیا۔ "کیا بات ہے؟ تم نے نماز نہیں پڑھی۔"

"پریشانی میں خیال ہی نہیں رہا۔"

"کمال ہے۔ اتنے پریشان لگ تو نہیں رہے ہو تم۔" سلیمان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"ہاں ہیجانی کیفیت لگتی ہے تمہاری۔"

اس لمحے رضوان کو سلیمان بہت برا لگا بلکہ اسے اس سے نفرت محسوس ہوئی۔ وہ خطرناک حد تک سمجھ دار اور چالاک تھا۔

رضوان کو چھٹی مل گئی۔ سلیمان نے پیسوں کا بندوبست کر دیا۔ رضوان دفتر سے نکل آیا۔ گھر جاتے ہوئے اس نے گھر کے لیے پہلی بار سودا خریدا۔ وہ زینے پر تھا کہ سامنے والے فلیٹ کے شمس صاحب مل گئے۔ "میاں، کیا بات ہے۔ پڑوسیوں کو بھی خوشی میں شریک نہیں کرتے۔" انہوں نے چھوٹتے ہی شکایت کی۔

"جی----مَیں سمجھا نہیں؟" رضوان نے بوکھلا کر کہا۔

"ارے میاں، شادی کر کے لے آئے اور ہمیں بتایا بھی نہیں۔"

"شش----شادی۔" رضوان بوکھلا گیا، مگر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ سنبھل گیا۔ "وقت ہی کہاں ملا جناب۔ رات کو ہی تو ہم واپس آئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں---- یہ تو ہے۔ خیر، مبارک ہو۔"

شمس صاحب سے پیچھا چھڑا کر وہ اوپر آ گیا۔ اپنے فلیٹ کے دروازے کو دیکھ کر اسے اپنی بے پروائی پر غصہ آنے لگا۔ اسے باہر سے تالا لگا کر جانا چاہیے تھا۔ اس نے ڈور بیل بجائی۔ لڑکی نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر لیا۔

رضوان نے سامان کچن میں رکھا اور لڑکی کی طرف مڑا۔ "یہ سامنے والے پڑوسیوں کو تم نے بتایا ہے کہ تم میری بیوی ہو۔"

لڑکی سوگوار نظر آ رہی تھی۔ "تو اور کیا کہتی۔ آپ نے تو مجھے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔" یہ کہہ کر وہ بری طرح رونے لگی۔

رضوان اور بوکھلا گیا۔ اب اسے کس طرح چپ کرائے۔ آخر اس نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔ "تم نے ٹھیک کیا۔ مَیں کوئی شکایت تو نہیں کر رہا تھا۔"

"مگر آپ نے بہت بُرا کیا میرے ساتھ۔" لڑکی بدستور رو رہی تھی۔ "میں تو آپ کے پاس پناہ کے لئے آئی تھی۔ آپ نے مجھے لُوٹ لیا۔"

"یقین کرو، مَیں ایسا نہیں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ سب کیسے ہو گیا۔" رضوان گڑگڑایا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اسے کہتا کہ ترغیب تو اس نے دی تھی۔

مرد کی فطرت ہی ایسی ہے کہ اس معاملے میں سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی وہ عورت کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتا۔ خود ہی کو جابر قبول کرلیتا ہے۔ شاید عورت کو الزام دینا شانِ مردانگی کے خلاف ہوتا ہے۔

"سب یہی کہتے ہیں، لیکن سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

نادم رضوان نے بڑی مشکل سے لڑکی کو چپ کرایا۔ چپ ہوئی تو یوں ہنسنے بولنے لگی، جیسے روئی ہی نہیں تھی اور اسے کوئی صدمہ بھی نہیں تھا۔

اچانک رضوان کو ایک خیال آیا۔ "ارے---- مجھے تو تمہارا نام بھی معلوم نہیں۔"

لڑکی ہنستے ہنستے سنجیدہ ہو گئی۔ "مردوں کو نام میں دلچسپی کب ہوتی ہے۔ ہاں میں کب سے سوچ رہی تھی کہ لوٹنے والے سے اس کا نام تو پوچھ لوں۔"

"اب ایسی باتیں نہ کرو۔" رضوان نے پیار سے کہا۔ "میرا نام رضوان ہے۔"

"اور میں ثقیلہ ہوں۔"

"عجیب سا نام ہے۔ پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"ڈیڈی کو منفرد نام رکھنے کا خبط تھا۔"

"مگر اس کا مطلب کیا ہے؟"

"کمال ہے۔ اتنے آسان نام کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔ ثقیلہ کا مطلب ہوتا ہے،

آسانی سے ہضم نہ ہونے والی۔" لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

رضوان جھینپ گیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ پھر اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو تم زود ہضم لگی ہو۔"

"کسی غلط فہمی نہ رہئے گا۔" ثقیلہ نے تیز لہجے میں کہا اور رضوان کا چہرہ تمتما اٹھا۔



رضوان کو گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ سلیمان اسے بہت مِس کر رہا تھا۔ اس شام وہ اور عدنان سگریٹ خرید رہے تھے کہ شمس صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ وہ پان لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ "کیسے دوست ہو تم لوگ۔" شمس صاحب نے ملامتی لہجے میں کہا۔ "اتنی گہری دوستی تھی اور نہ صرف آنا جانا چھوڑ دیا، بلکہ مبارکباد دینے بھی نہیں آئے۔"

سلیمان اور عدنان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ سلیمان نے کہا۔ "مَیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مَیں رضوان کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ تو شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"عید کے تیسرے دن ہی آ گئے تھے وہ۔"

عدنان اور سلیمان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عدنان کا منہ کھل گیا۔ "آپ مبارکباد کی بات کر رہے تھے؟"

"تمہیں نہیں معلوم، رضوان نے شادی کرلی ہے۔" شمس صاحب نے کہا۔

اس بار سلیمان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ "ہمیں معلوم نہیں۔ اچھا شمس صاحب، آئیں گے ہم لوگ۔"

اپنے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے عدنان نے کہا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا۔ ویسے رضوان اس دن بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔"

"پھر بھی یہ نہیں ہو سکتا۔" عدنان نے کہا۔

"ہو تو کچھ بھی سکتا ہے یار۔ اب یہی دیکھ لو۔ رضوان نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ شہر سے باہر جا رہا ہے۔"

"وہ جھوٹ نہیں بولتا۔" عدنان نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "ممکن ہے، کوئی بات ہو گئی ہو اور وہ شادی کر کے فوراً ہی واپس آ گیا ہو۔"

"نہیں۔ تم نے غور نہیں کیا۔ شمس صاحب نے جس دن اس کی واپسی بتائی ہے، اس روز وہ دفتر آیا تھا اور چھٹی کی درخواست دی تھی۔"

"ہاں، یہ تو ہے مگر یار، میرا دل نہیں مانتا۔"

"وہ پہلا دن تھا، جب اس نے نماز بھی چھوڑ دی۔"

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ پھر عدنان نے کہا۔ "چلیں اس کے گھر؟"

"سوچنا پڑے گا۔ میری سمجھ میں تو کچھ آ ہی نہیں رہا ہے۔"



رضوان کو اندازہ ہو گیا کہ ثقیلہ اتنی معصوم نہیں، جتنی نظر آتی ہے۔ اس نے محلے والوں کو جس طرح قائل کیا تھا اور مٹھی میں لیا تھا، وہ اس کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے پڑوسیوں کو بڑی مربوط اور قابلِ قبول کہانی سنائی تھی۔ کسی کو کسی بھی قسم کا شک نہیں ہوا تھا۔ نتیجہ یہ کہ لوگ بڑے سکون سے رہ رہے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو رضوان کو یہ یقین ہونے لگتا تھا کہ ثقیلہ واقعی اس کی بیوی ہے۔"

پڑوسیوں کا اطمینان اپنی جگہ، لیکن رضوان جانتا تھا کہ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اس کے دوست ایسے مطمئن ہونے والے نہیں اور وہ اس کے گھر آئیں گے بھی ضرور۔ فی الوقت تو وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ شہر میں نہیں ہے، مگر اب چھٹیاں ختم ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔ اس عرصے میں معاملات کا باقاعدہ بنانا ہی بہتر ہو گا۔

چنانچہ اس شام اس نے ثقیلہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "ایسے کب تک چلے گا؟" چائے کے دوران میں اس نے ثقیلہ سے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" ثقیلہ نے کہا۔

"اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" ثقیلہ نے ایک لمحہ سوچے بغیر کہا۔

"کیوں؟ اب بھی تو ہم میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔"

"یہ اور بات ہے۔ شادی بالکل مختلف چیز ہے۔ اس وقت مجھے پناہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے گزارہ کر رہی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔" رضوان نے نرم لہجے میں کہا۔

"تمہاری تنخواہ کتنی ہے؟" ثقیلہ نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"کٹ کٹا کر ساڑھے چار ہزار روپے مل جاتے ہیں۔"

"اور اس سے زیادہ کی تو مَیں ایک وقت میں شاپنگ کرتی رہی ہوں۔ اب تم خود سوچ لو۔"

"دنیا میں پیسہ تو سب کچھ نہیں ہوتا۔" رضوان نے دل گرفتگی سے کہا۔

"دنیا میں پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے، جنہیں یہ میسر رہا ہو۔" اس بار ثقیلہ کے لہجے میں حقارت تھی۔ "اور جو تم نے کہا، وہ غریبوں کا خاص جملہ ہوتا ہے۔ انگور کھٹے ہیں والی بات ہے یہ۔"

"مَیں سمجھا تھا، تمہیں مجھ سے محبت ہے۔"

"محبت---- اور مَیں چاہتی ہوں کہ محبت رہے۔" ثقیلہ نے یوں کہا، جیسے چھوٹے سے بچے کو سمجھا رہی ہو۔ "دیکھو نا، تم نے مجھے پناہ دی۔ مَیں مجبور ہوں، اس لیے یہاں رہنے کو تمہارا احسان سمجھتی ہوں۔ تم سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی، مگر بیوی بنوں گی تو اپنے حقوق طلب کروں گی اور جو معیارِ زندگی مَیں نے دیکھا ہے، اس کے مطابق تم سے کچھ مانگوں گی تو وہ تمہاری بساط سے باہر ہو گا۔ مَیں نے تمہاری بہتری کا خیال رکھتے ہوئے بات کی ہے۔"

ثقیلہ کا کہا ہوا ہر لفظ رضوان کی روح پر تازیانہ بن کر لگا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر

اس نے کہا "میری آمدنی بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"کوشش کرو اور آمدنی بڑھا کر دکھاؤ۔ پھر مَیں دیکھوں گی کہ مَیں تم سے شادی کر سکتی ہوں یا نہیں۔"

دروازے پر ہونے والی دستک نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا' مگر اس وقت تک گفتگو اپنے منطقی انجام تک پہنچ چکی تھی۔



رضوان نے شیشے کے سوراخ سے جھانکا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ دروازے پر سلیمان اور عدنان کھڑے تھے۔

رضوان اس وقت کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کا دماغ خالی ہو گیا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس کی آنکھ بدستور سوراخ سے لگی تھی۔ وہ جیسے پتھر کا بُت بن گیا تھا۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ اس کے دونوں دوست گھر آ سکتے ہیں۔ ان کی دانست میں تو وہ شہر سے باہر تھا۔

اس بار سلیمان نے ڈور بیل پر انگلی رکھی۔ گھنٹی کی آواز نے رضوان کو چونکا دیا۔ اس نے اضطراری طور پر دروازہ کھول دیا۔ "تم؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

صورتِ حال یہ تھی کہ رضوان دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ سلیمان نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "ہمیں اندر آنے کو نہیں کہو گے۔ کیا پردہ ہے؟" سلیمان نے کہا۔

"ہاں---- ارے نہیں---- تم لوگوں سے کیا پردہ؟" رضوان نے گڑبڑا کر کہا۔ پھر بڑی تیزی سے خود کو سنبھال لیا۔ "میں تو خود سوچ رہا تھا کہ تمہاری بھابی کو تم سے ملوانے کے لیے لاؤں۔"

"بھابی؟" عدنان نے حیرت ظاہر کی۔

"تفصیل سے سب کچھ بتاؤں گا۔ تم اندر تو آؤ۔" رضوان نے ایک طرف ہٹتے ہوئے

کہا۔

وہ دونوں اندر آ گئے۔ رضوان نے دروازہ بند کر لیا۔ پھر اس نے دوستوں کو لے جا کر ثقیلہ سے ملوایا۔ "مبارک ہو یار۔" عدنان نے کہا۔ "قسمت کے دھنی ہو۔"

"مَیں کب سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنے دوستوں سے ملوائیں۔" ثقیلہ نے نظریں ی کیے کہا۔ "مَیں تو سمجھی تھی کہ دنیا میں ان کا کوئی دوست ہی نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھی تھیں۔" سلیمان نے سادگی سے کہا۔ "اس بے چارے کا دنیا میں وئی نہیں۔ اکیلا ہے یہ۔"

"ناراض نہ ہو یار۔ مجبوری تھی' ورنہ تمہاری بغیر مَیں کچھ کرتا ہوں۔" رضوان نے فائی پیش کی۔

"رہنے دو۔ چپکے سے شادی کرنا مجبوری ہو گی' مگر شادی کے بعد ایک ہفتے تک ہم سے ملنا---- اور پھر یہ جھوٹ بولنا کہ تم شہر سے باہر جا رہے ہو----؟" سلیمان نے بات ھوری چھوڑ دی۔ اس کی ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔

رضوان سناٹے میں آ گیا کہ سلیمان کو اتنا کچھ معلوم ہے۔ اب کیسے جواب دہی کی ائے۔ کیسے بتائے کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا۔

ثقیلہ نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "ان کا صور نہیں سلیمان بھائی۔" اس نے کہا۔ "مَیں آپ کو بتاتی ہوں۔" اس کے بعد اس نے ی روانی اور قائل کرنے والے انداز میں جھوٹ بولنا شروع کیا کہ کم از کم عدنان تو شرمندہ نظر آنے لگا۔

مگر سلیمان مطمئن نہیں تھا۔ "اگر آپ کو کوئی خطرہ لاحق تھا تب بھی رضوان کو ہمیں تانا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔

"اس میں بھی میرا ہی قصور ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے مدد لی جائے' مگر مَیں نے منع کر دیا تھا۔"

"چلیں' ٹھیک ہے' اب چائے پلا دیں۔"

ثقیلہ چائے بنانے چلی گئی۔ رضوان نے کہا۔ "مجھے معاف کر دو یار۔ میں
سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"جاؤ' معاف کیا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" سلیمان نے اکڑ کر کہا۔

رضوان کے دل و دماغ سے بوجھ سا ہٹ گیا مگر چائے کے دوران میں اور اس
وہ سلیمان سے ثقیلہ کی بے تکلفی پر کڑھتا رہا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ اصل
تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سلیمان عورتوں کے معاملے میں کیسا جادوگر ہے۔ اسے ڈر
ثقیلہ پر ڈورے ضرور ڈالے گا۔ اسی لیے اس نے سلیمان کو خود سے دور رکھنے کی
کی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سلیمان اور عدنان جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رضو
سکون کی سانس لی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی لڑکی کے معاملے میں وہ اتنا
اور تنگ نظر بھی ہو سکتا ہے کہ دوستوں پر بھی شک کرے گا۔ اسے شرمندگی بھی
تھی۔



"رضوان واقعی خوش نصیب ہے' اسے بہت پیاری بیوی ملی ہے۔" راستے میں
نے سلیمان سے کہا۔

"اس قدر فیصلہ کن بات مت کیا کرو۔" سلیمان نے اسے ٹوکا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہاری ایک بات درست ہے' وہ لڑکی بہت خوب صورت ہے' لیکن اسے ر
کی بیوی کہنا غلط ہوگا' میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

"عجیب بات کرتے ہو تم؟" وہ پہلا موقع تھا کہ عدنان سلیمان سے چڑ گیا۔

"پہلے مجھے بات پوری کرنے دو۔" سلیمان نے بے حد رسان سے کہا "اور
رضوان کی خوش نصیبی کا حکم لگانے میں بہت جلدی کی ہے۔ ہاں' اب کہو۔"

"کیا کہوں' ثابت تو یہ ہو رہا ہے کہ تم خود جلد بازی میں دوسروں کے بارے میں فیصلے
کرتے ہو۔" عدنان بولا۔ "خود تم نے اتنی سی دیر میں کتنے فیصلے صادر کر دیئے۔"

"میں منطقی بات کر رہا ہوں۔"

"کیسے؟"

"ہم رضوان کے بہت قریبی دوست ہیں' ہمارے سوا دنیا میں اس کا کوئی نہیں' وہ کسی
ی افراتفری میں شادی کرے' ہمیں ضرور بتائے گا۔ چلو' شادی ہو بھی گئی تو وہ سب سے
پہلے ہمیں مطلع کرے گا۔ یہاں اس نے ہمیں بتایا بھی نہیں' بلکہ جھوٹ بولا کہ وہ شہر سے
باہر جا رہا ہے تاکہ ہم اس کے گھر کا رخ بھی نہ کریں۔"

"ہو سکتا ہے' اس وقت اس نے شادی نہ کی ہو' بلکہ بھابی سے ملا بھی نہ ہو۔"

"پھر وہی شادی' وہی بھابی۔" سلیمان چڑ کر کہا۔ "بہرکیف تمہاری بات غلط ہے' اس نے
مجھ سے دو ہزار روپے سفر خرچ کے لئے نہیں' گھر کے خرچ کے لئے لئے تھے اور یہ
شادی نہیں ہوئی' اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رضوان کو ہماری موجودگی اور ہمارا اس
لڑکی سے بات کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا' تمام وقت اس کے چہرے پر تکدّر نظر آتا رہا۔ ہاں'
ہم چلنے لگے تو اس نے سکون کی سانس لی۔"

"اس لئے کہ وہ تمہیں جانتا ہے' تم عورتوں کے معاملے میں کتنے خطرناک ہو۔"

"وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں دوست کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا نہیں' مگر میں تمہاری
بات کا برا نہیں مانوں گا۔ تم یہ باتیں اس طرح نہیں سمجھ سکتے' جیسے میں سمجھتا ہوں' آدمی
ناجائز تعلقات کے معاملات میں اتنا شکی' حاسد اور تنگ نظر ہو سکتا ہے' ازدواجی زندگی میں
نہیں' رضوان نے شادی کی ہوتی تو وہ ہمیں بڑے فخر اور مسرت سے اپنی بیوی سے ملواتا'
اس لئے کہ آدمی اپنی بیوی پر اعتماد کرتا ہے' رضوان کو اس لڑکی پر اعتماد نہیں۔ وہ سوچتا
ہے جیسے وہ کسی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگری ہے' کسی اور کی جھولی
میں بھی گر سکتی ہے۔"

اب عدنان سناٹے کی سی کیفیت میں اس کی بات سن رہا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آتا۔"

اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

"رہی خوش نصیبی کی بات تو میرے خیال میں بے چارے رضوان کی تباہی کا
ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ لڑکی جتنی خوب صورت ہے' اس سے زیادہ بد کردار
رضوان کے لئے موزوں نہیں' وہ اسے اپنے اشاروں پر نچائے گی...... اور اس
کچھ بھی نہیں بچے گا۔"

"تم بہت سخت بات کر رہے ہو۔" عدنان نے احتجاج کیا۔

"مَیں ٹھیک کہہ رہا ہوں' مَیں عورتوں کے بارے میں سب کچھ تو نہیں' البتہ
بہت جانتا ہوں۔ عورت کی چال ڈھال' اس کی گفتگو اور اس کے طور طریقوں سے
سمجھ سکتا ہوں۔ جب کہ تم اس معاملے میں نرے جاہل ہو۔"

"تم بہت زیادتی کر رہے ہو' محض اپنے قیاس اور گمان......"

"تم میری کہی ہوئی ہر بات پر مجھ سے شرط لگا سکتے ہو' چاہو تو ان میں سے کسی
بات پر شرط لگا کر تجربہ کر لو۔"

"مجھے معاف رکھو بھائی۔" عدنان ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اور یہ بھی سن لو کہ اب تم رضوان کو بہت...... بہت زیادہ خراب ہوتے
گے۔"



وہ پہلی رات تھی کہ رضوان ثقیلہ سے کھنچا کھنچا تھا' کچھ اس لئے کہ ثقیلہ نے ش
سے انکار کرتے ہوئے بہت کڑوی گفتگو کی تھی' اس کی تحقیر کی تھی اور کچھ یوں
سلیمان سے التفات برت کر اس نے اسے تڑپا دیا تھا۔ اس کے سینے میں رقابت کی آ
بھڑک رہی تھی' برسوں کا عزیز ترین دوست اسے بہت برا لگ رہا تھا۔

ثقیلہ نے بھی یہ بات بھانپ لی۔ "کیا بات ہے' مجھ سے ناراض ہو؟" اس
رضوان کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... نہیں تو۔" رضوان کسمسایا۔

"میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

"نہیں۔" رضوان نے جواب دیا' مگر پھر اس سے رہا نہیں گیا۔ "تم معصوم ہو' میرے
اس دوست کو نہیں جانتیں' وہ بد معاش ہے' عورتوں کے معاملے میں اچھا آدمی نہیں۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"تم جانتی ہو' مَیں سلیمان کی بات کر رہا ہوں۔"

"کمال ہے' اتنے اچھے آدمی ہیں وہ...... اتنی محبت کرنے والے۔" ثقیلہ نے اٹھلا کر
کہا۔

"مَیں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"مَیں تو تمہارا دوست ہونے کے ناتے ان سے ہنس بول رہی تھی اور یہ میری عادت
بھی ہے۔ خیر' اب ایسا نہیں ہو گا۔ مَیں ان سے بات بھی نہیں کروں گی اور انہیں صاف
صاف بتا دوں گی کہ......"

"ایسا غضب نہ کرنا' بہرحال وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔" رضوان گڑبڑا گیا۔

"مَیں منافق نہیں ہوں' صاف بات کرنے کی عادی ہوں۔"

"اچھا...... بھول جاؤ کہ مَیں نے تم سے کچھ کہا تھا۔"

"یہ کوئی بھولنے والی بات ہے۔" ثقیلہ نے تند لہجے میں کہا۔ "تم نے میری توہین کی
ہے' اپنی مجبوری کے ہاتھوں تمہیں مفت مل گئی' تو تم نے مجھے گری پڑی لڑکی سمجھ لیا' تم
سمجھتے ہو کہ مَیں ہر ایرے غیرے کی ہو جاؤں گی' بہت گھٹیا بات کی ہے تم نے' تم مجھ پر
شک کرتے ہو۔"

"ارے...... ارے...... ثقیلہ مجھے معاف کر دو۔" رضوان بری طرح بوکھلا گیا۔ "میرا
یہ مطلب نہیں تھا۔"

اب تو ثقیلہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' رضوان کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی' اس نے
ثقیلہ کو لپٹا لیا' ثقیلہ چاہتی بھی یہی تھی' مگر اس قربت میں بھی رضوان کو اصل بات یاد

تھی۔

"ثقیلہ....... تم مجھ سے شادی کر لو۔"

"مَیں تمہیں اس کا جواب دے چکی ہوں۔"

"پلیز ثقیلہ' مَیں تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔"

ثقیلہ مسکرائی۔ "مَیں تمہیں وجہ بھی بتا چکی ہوں۔"

"مَیں بہت پیسہ کما سکتا ہوں۔"

"مجھ سے محبت ہے تو کچھ کرو' کر کے دکھاؤ پھر مَیں سوچوں گی' ویسے یہ بتا دوں کہ تم سے محبت ہے۔"

اس لمحے رضوان نے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔



سلیمان کی پیش گوئی بہت جلد درست ثابت ہو گئی!

رضوان نے دفتر جوائن کر لیا تھا' مگر وہ اس حد تک بدل چکا تھا کہ دونوں دوست نہیں' دفتر کے ہر فرد کو حیرت ہوتی تھی' کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنے کم وقت م دیکھتے ہی دیکھتے کوئی اس حد تک بدل سکتا ہے' وہ تو نیگیٹو مارکنگ کا کیس تھا' اس نے ای خوبی گنوائی تھی تو اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ ایک برائی بھی اپنائی تھی' اس نے نماز چھوڑ د تھی....... اور بڑے دھڑلے سے رشوت لینے لگا تھا۔ اس کے مزاج کا انکسار رخصت ہو تھا۔ وہ مغرور ہو گیا تھا۔ جلدی ہی رشوت لینے کے معاملے میں وہ پرانے اور گھاگ رشو خوروں کو پیچھے چھوڑ گیا۔

دفتر میں زیادہ وقت اس کے متعلق باتیں ہوتی تھیں۔ سلیمان کو حیرت ہوئی رضوان کی یہ تبدیلی اس کے لئے تکلیف دہ ہے' ساتھی رضوان کے متعلق تمسخرانہ گفتگ کرتے تو وہ مشتعل ہوتا' لیکن سچی باتوں پر کوئی کسی سے لڑ بھی نہیں سکتا' چنانچہ وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا' البتہ رضوان پر اسے شدت سے غصہ آنے لگا تھا۔

ایک دن اس سے رہا نہیں گیا' اس نے رضوان سے کہا۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" رضوان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم جانتے ہو' مَیں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"کھل کر بات کرو' معمے میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

رضوان کا وہ لہجہ' اس کے وہ تیور بھی سلیمان کے لئے نئے تھے' پہلے وہ اس سے ڈرتا تھا' دب کر رہتا تھا' مگر اب وہ کڑے لہجے میں بات کر رہا تھا' بہرحال سلیمان کو اس کی پروا نہیں تھی۔ "یہ تم نے اچانک رشوت لینی شروع کر دی ہے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے' شادی کے بعد تنخواہ میں گزارہ ممکن ہی نہیں۔" رضوان نے کندھے جھٹکتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"بہت سے لوگ ہیں' جو ایسا کر رہے ہیں۔"

"اور ان سے سو گنا لوگ وہ ہیں' جو رشوت لے رہے ہیں۔"

سلیمان نے حیرت سے اسے دیکھا' وہ ایسا ترکی بہ ترکی بات کرنے والا نہیں تھا۔ "مان جا یار' تو مجھ سے بہتر جانتا ہے کہ رشوت حرام ہے۔"

"ایک بات بتاؤ۔" رضوان نے سلیمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تم پچاس غلط کام کرتے رہے ہو' مَیں نے کبھی تمہیں ٹوکا' پھر تم مجھے کیوں ٹوکتے ہو۔"

"تم نے غلط کیا جو دوست ہونے کے باوجود نہیں ٹوکا' مَیں تمہیں اس لئے ٹوک رہا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے' مجھے فخر تھا کہ مجھ جیسے برے آدمی کو تم جیسا نیک دوست ملا ہے' تمہیں برائی کے راستے پر چلتا دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے' افسوس کہ تمہیں مجھ سے ایسی محبت نہیں تھی۔"

"اور مجھے ایسی محبت نہیں چاہئے' مَیں اپنا برا بھلا خوب سمجھتا ہوں' مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں۔" رضوان کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"تم نے نماز بھی چھوڑ دی؟"

"یہ بھی میرا ذاتی مسئلہ ہے' خدا کے سامنے جواب دہی مجھے کرنی ہے۔"

سلیمان کھسیا کر چپ ہو گیا' عدنان ہمیشہ کی طرح خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہا تھا' رضوان کے جانے کے بعد بولا۔ "چھوڑو یار' اسے اس کے حال پر چھوڑ دو' وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔"

"اسی لئے تو مَیں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔" سلیمان نے دکھی لہجے میں کہا۔ "مَیں نے کہا تھا نا......؟"

"مجھے یاد ہے' تمہاری ایک ایک بات درست ثابت ہوئی ہے۔"

دن اسی طرح گزرتے رہے' رضوان بد سے بدتر ہوتا گیا' عدنان کا تو اس سے دل ہی برا ہو گیا' سلیمان نہ ہوتا تو وہ اس سے تعلقات ختم کر بیٹھتا' لیکن سلیمان کا کہنا تھا کہ یہ رضوان کا برا وقت ہے اور دوست کو برے وقت میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔

سلیمان کو ایک بات بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی' رضوان بڑی بے رحمی سے رشوت لے رہا تھا' اس کے باوجود وہ قرض لینے پر بھی مجبور تھا۔ اب تک وہ بہت زیادہ مقروض ہو چکا تھا' سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

دونوں دوست ہفتے میں دو تین بار شام کے وقت رضوان کے گھر چلے جاتے تھے' لیکن بہت زیادہ دیر نہیں رکتے تھے' البتہ چھٹی والے دن ایسا ہوتا تھا' ثقیلہ ہمیشہ ان کی آؤ بھگت کرتی تھی' مگر رضوان کے انداز سے لگتا تھا کہ اسے ان کی آمد پسند نہیں۔

"یار' یہ ثقیلہ بھابی تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں۔" ایک دن عدنان نے سلیمان سے کہا۔ "خطرناک حد تک......"

"تم کم از کم میرے سامنے اسے بھابی نہ کہا کرو۔" سلیمان نے چڑ کر کہا۔ "اور اس کے کردار پر مَیں پہلے ہی تبصرہ کر چکا ہوں۔"

"مجھے یاد ہے اور اب مَیں بھی قائل ہوتا جا رہا ہوں۔"

"مَیں تو اس وقت بھی شرط لگانے کو تیار تھا۔"

"اسی بات سے تو مجھے خوف آیا تھا۔" عدنان مسکراتے ہوئے کہا۔



رضوان ہر وقت بے چین اور وحشت زدہ رہنے لگا تھا' گزشتہ تین ماہ میں اس نے جی بھر کے رشوت بھی لی تھی اور اس پر قرض کا بہت بھاری بوجھ بھی ہو گیا تھا' اس نے ثقیلہ کو ملبوسات اور زیورات کے تحفوں سے لاد دیا تھا' مگر اس کے صلے میں اسے صرف اپنے حقیر ہونے کا احساس ملا تھا' ثقیلہ کو کوئی تحفہ خوش نہیں کر سکا تھا' اس کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اس سے کہیں بہتر، قیمتی لباس اور زیور وہ پہن چکی ہے۔

اس دوران میں اس نے پھر شادی کی بات چھیڑ دی۔ "اب تو تم دیکھ رہی ہو کہ میری آمدنی بہت بڑھ گئی ہے۔" اس نے شادی کی فرمائش کرتے ہوئے کہا۔

"اندازاً کتنی ہو گئی ہو گی؟" ثقیلہ نے بے نیازی سے پوچھا۔

"تیس ہزار سمجھ لو۔" رضوان نے بڑھا کر بتایا' وہ ثقیلہ کو شادی پر قائل کرنا چاہتا تھا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" ثقیلہ نے حقارت سے کہا۔

"بہت کچھ ہوتا ہے' تم دیکھ ہی رہی ہو۔"

"کچھ بھی نہیں ہوتا' تم بنگلا نہیں خرید سکتے' کار نہیں خرید سکتے' تمہارے گھر میں رنگین ٹی وی تک نہیں۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔"

"جب ہو جائے گا' تب شادی کی بات کرنا۔"

"مگر میں چاہتا ہوں......"

"مَیں شادی نہیں کر سکتی۔" ثقیلہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہاں' یہ کر سکتی ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤں۔"

"پلیز ایسا نہ کرنا۔" رضوان گڑگڑانے لگا۔ "مَیں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"بس تو پھر شادی کی بات کبھی نہ کرنا۔"

اس عرصے میں رضوان کی خواہش بہت بڑھ گئی تھی' مگر ثقیلہ اب اجتناب کرنے لگی تھی' یہ بات بھی رضوان کی جھنجلاہٹ کا سبب تھی' پھر یہ بات بھی واضح ہوگئی تھی کہ ثقیلہ سلیمان پر خصوصیت سے ملتفت ہے' بلکہ رضوان کو تو یہ بھی یقین تھا کہ وہ سلیمان ہی کی وجہ سے اس سے شادی سے گریز کر رہی ہے' ثقیلہ کا تو وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا' البتہ سلیمان سے نفرت کرنا اس کے لئے آسان تھا...... سو وہ کر رہا تھا۔

پھر کچھ عرصے سے وہ محلے کے لوگوں کے رویّوں میں اپنے لئے کھنچاؤ محسوس کر رہا تھا' یہ بات بھی الجھن کا باعث تھی' یہ مسئلہ شمس صاحب نے براہِ راست بات کر کے حل کر دیا' اس روز انہوں نے اسے نیچے ہی روک لیا۔ "رضوان میاں' تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے' امید ہے' برا نہیں مانو گے۔"

"آپ کیسی بات کر رہے ہیں' آپ کی بات کا میں برا مانوں گا۔"

"بات ہی ایسی ہے میاں۔" شمس صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔ "مَیں تمہاری بیوی کے متعلق بات کر رہا ہوں' محلے میں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔"

بیوی کے حوالے پر رضوان کا ماتھا ٹھنکا تھا' مگر محلے کے حوالے پر تو اس کا چہرہ ہی فق ہوگیا۔ "مَیں سمجھا نہیں۔" اس نے بمشکل کہا۔

"میاں' تم دفتر جاتے ہو تو تمہارے فلیٹ میں لڑکوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" رضوان نے بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پایا۔

"مَیں نہیں' پورا محلہ یہ باتیں کر رہا ہے۔" شمس صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔ "ایک تم ہی ہو' جو بے خبر ہو۔"

"لڑکے آتے بھی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ......"

"مطلب یہی ہے۔" شمس صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "محلے کے سب لڑکے خراب ہو چکے ہیں' کل یہاں دو لڑکوں میں مار پیٹ تک ہوگئی تمہاری بیوی کی وجہ سے' ایک نے دوسرے کو چاقو مارا' ایک اسپتال پہنچا اور دوسرا تھانے' ہو سکتا ہے' تھانے میں وہ

تمہاری بیوی کا نام ہی لے دے۔"

رضوان کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

"اور تو اور' اچھے بھلے گھر بھی خراب ہو رہے ہیں' دو شادی شدہ افراد بھی تمہارے گھر آنے لگے ہیں' اگر تم نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا تو تمہارا یہاں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔"

"مَیں دیکھوں گا شمس صاحب۔" رضوان نے مری مری آواز میں کہا۔

رضوان نے ثقیلہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی' وہ تو ویسے ہی دفتر سے پریشان آیا تھا' جس شخص کا وہ چالیس ہزار کا مقروض تھا' وہ خاصے عرصے سے اس پر ادائیگی کے لئے دباؤ ڈال رہا تھا' مگر اس روز اس نے بڑے سخت لہجے میں بات کی تھی' اس نے اسے ایک ہفتے کی مہلت دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس دوران میں اس نے رقم ادا نہ کی تو پھر نتائج کا ذمے دار بھی وہ خود ہی ہوگا اور رضوان جانتا تھا کہ اس شخص کے کیسے کیسے بدمعاشوں سے مراسم ہیں' وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

مسئلہ یہ تھا کہ رضوان اتنی بڑی رقم یک مشت کسی بھی طرح ادا نہیں کر سکتا تھا۔

اگلے روز دفتر میں کئی بار اس نے سوچا کہ اس قرض کے سلسلے میں سلیمان سے بات کرے' مگر اسے ہمت نہیں ہوئی' ایک تو پچھلے عرصے میں سلیمان کے ساتھ اس کا رویہ بھی اچھا نہیں رہا تھا۔ دوسرے سلیمان کی اتنی حیثیت بھی نہیں تھی۔

وہ دفتر میں صرف دو گھنٹے رکا پھر آفاق صاحب سے چھٹی لے کر گھر چلا آیا' اطلاعی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا' اسے ڈر تھا کہ شمس صاحب کی بات سچ ثابت ہو جائے گی۔

اس نے بٹن دبایا' گھنٹی بجی' وہ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ دروازہ تو نہیں کھلا' مگر اسے احساس ہوا کہ شیشے کے سوراخ سے اسے دیکھا جا رہا ہے' اس نے پھر گھنٹی بجائی' چوتھی گھنٹی پر کوئی تین منٹ کے انتظار کے بعد دروازہ کھلا اور ثقیلہ کی صورت نظر آئی' اس کے چہرے پر اطمینان دیکھ رضوان کو سکون کا احساس ہوا' مگر اندر جا کر وہ کھول اٹھا' محلے کا

ایک لڑکا گھر میں موجود تھا۔ اس کی عمر بیس کے لگ بھگ ہوگی' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کون ہو تم؟" رضوان غرایا۔

"انکل...... مم...... میں...... شش...... شاہد ہوں۔" لڑکے نے بڑی مشکل سے کہا لگتا تھا' کسی بھی لمحے وہ بے ہوش ہو جائے گا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"وہ...... جی...... مم...... مم......"

"مَیں نے اس سے صابن منگوایا تھا۔" ثقیلہ نے جلدی سے کہا۔

"جج...... جج...... جی ہاں۔" لڑکا ہکلایا۔

"صابن تو گھر میں موجود تھا۔" رضوان نے سخت لہجے میں کہا۔

ثقیلہ نے لڑکے کو آنکھ کا اشارہ کیا' وہ کھسک لیا۔ "نہیں تھا۔" ثقیلہ نے رضوان سے کہا۔ "گھر کے بارے میں مجھے زیادہ معلوم ہے یا تمہیں۔"

"یہی تو رونا ہے کہ گھر کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔" رضوان نے بھنا کر کہا۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو اس لڑکے کے بارے میں۔" ثقیلہ بھی تیز ہو گئی۔

"وہی جو سمجھنا چاہئے۔"

"بہت گھٹیا آدمی ہو۔"

"پورا محلہ یہی سمجھ اور کہہ رہا ہے۔"

"تم سب گھٹیا ہو' تمہاری سوچیں ہی اچھی نہیں' ذہن گندے ہیں سب کے۔"

"تم دوسروں کے ذہن اور سوچوں کو نہیں' اپنے عمل کو دیکھو۔"

اس روز وہ خوب لڑے' ان کے درمیان بول چال بند ہو گئی' دونوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا' صبح بھی ان کے درمیان بات نہیں ہوئی' رضوان بغیر ناشتے کے دفتر چلا گیا' دفتر سے واپس آیا تو گھر کے دروازے پر لگا تالا اس کا منہ چڑا رہا تھا' وہ سناٹے کے عالم میں

کھڑا تالے کو دیکھتا رہا' ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں' وہ جان گیا کہ ثقیلہ اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

اس کی محویت اس وقت ٹوٹی' جب سامنے والے فلیٹ کا دروازہ کھلا اور شمس صاحب نکلے' اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد انہوں نے اس کی طرف چابی بڑھائی۔ "یہ تمہاری بیوی دے گئی تھی۔"

"کچھ کہا تو نہیں تھا؟" رضوان نے چابی لیتے ہوئے پوچھا۔

"بس اتنا کہہ کر گئی ہے کہ میکے جا رہی ہے' یہ بھی کہا تھا کہ اب کبھی نہیں آئے گی۔" شمس صاحب نے بتایا' پھر اس کا حال دیکھ کر تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ "میاں' غم نہ کرو' ذلت کی زندگی کے مقابلے میں عزت کی موت بہتر ہے اور یہ تو پھر موت نہیں' جدائی ہے۔"

رضوان کا بس چلتا تو وہ زمین میں گڑ جاتا' وہ جلدی سے پلٹا' تالا کھولا اور اندر جا کر دروازہ بند کر لیا' گھر سائیں سائیں کرتا معلوم ہو رہا تھا' اسے وحشت ہونے لگی' پھر ایک خیال کے زیرِ اثر اس نے الماری کھولی' الماری میں اس کے کپڑوں اور ضروری چیزوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا' اس نے ثقیلہ کو کپڑے' زیور' پرفیومز اور کاسمیٹکس' جو کچھ بھی لا کر دیا تھا' غائب تھا' ساتھ میں اس کا سوٹ کیس بھی نہ تھا۔

اس کا دل تلخی سے بھر گیا' کروڑ پتی باپ کی بیٹی' جس نے اس کی لائی ہوئی قیمتی سے قیمتی چیز کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا تھا' ان میں سے کوئی چیز بھی چھوڑ کر نہیں گئی تھی' وہ اس کے گھر میں تین کپڑوں میں آئی تھی' لیکن اس کے دیئے ہوئے تحائف سے بھرا سوٹ کیس لے کر گئی تھی' رضوان کو اور کسی چیز کا افسوس تو نہیں تھا' مگر رہ رہ کر زیورات کا خیال آ رہا تھا' زیورات ہوتے تو وہ انہیں بیچ کر وہ قرض چکا سکتا تھا' جس کی ادائیگی کا خطرہ اس کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا تھا۔

وہ عجیب سی کیفیت میں بستر پر پڑا سوچتا اور خود کو ٹٹولتا رہا' اسے ثقیلہ کے جانے کا دکھ تھا' اس لئے نہیں کہ اسے ثقیلہ سے محبت تھی' اس لئے کہ اس نے اس کی مردانگی کو

ٹھیس پہنچائی تھی' اسے بے وقوف بننے کا احساس ستا رہا تھا' یہ بات اب اس کی سمجھ میں آئی تھی کہ وہ ثقیلہ سے محبت تو کر ہی نہیں سکتا تھا' پچھلے عرصے میں یہ خیال کہیں اس کے لاشعور میں چھپا رہا تھا کہ جو لڑکی اتنی سہل الحصول ہو' اس کا کردار اچھا اور قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا' اب وہ جان گیا تھا کہ اس نے کبھی ثقیلہ کی عزت نہیں کی تھی اور اب سب سے زیادہ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے گھر میں رہتے ہوئے وہ بدکاری کرتی رہی ہے اور اب وہ محلے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا ہے' آخر وہ سب تو اسے اس کی بیوی ہی سمجھتے تھے۔

وہ اپنے زخمِ انا کی ٹیسوں سے تڑپتا رہا' وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا' بالآخر اطلاعی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا' وہ اٹھ کر دروازے کی طرف گیا' اس دوران میں اسے احساس ہوا کہ رات ہو چکی ہے' گھر میں اندھیرا ہو گیا تھا۔

اس بار دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے سوراخ سے جھانکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی' دروازہ کھلا تو اسے عدنان اور سلیمان نظر آئے' ان دونوں نے کھلے ہوئے دروازے سے اندر کے اندھیرے کو دیکھا اور حیران نظر آنے لگے۔

"کیا بات ہے' سو گئے تھے تم لوگ۔" سلیمان نے حیرت سے کہا۔

"نہیں تو' آؤ۔"

ان کے اندر آنے کے بعد رضوان نے برآمدے کی لائٹ آن کی اور پوچھا۔ "کیا وقت ہوا ہے؟"

"آٹھ بج کر دس منٹ۔" عدنان نے وقت بتایا۔

وہ کمرے میں چلے آئے' یہاں بھی رضوان نے لائٹ آن کی' عدنان نے کمرے کا جائزہ لیا اور پوچھا۔ "بھابی نہیں ہے؟"

اس پر سلیمان نے اسے گھور کر دیکھا' اسے ثقیلہ کے لئے لفظ بھابی ہمیشہ برا لگتا تھا۔

رضوان کے لئے جھوٹ بولنا اب نئی بات نہیں تھی' وہ اس بار بھی جھوٹ بولنا چاہتا تھا' لیکن یہ خیال آڑے آ گیا کہ یہ جھوٹ بھی نبھ نہیں سکے گا' آخر میں اسے ہی ذلیل و

شرم سار ہونا پڑے گا۔ "وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے۔"

"کہاں؟" عدنان نے پوچھا۔

"اپنے میکے۔" رضوان نے کہا۔ "کہہ کر گئی ہے کہ اب کبھی نہیں آئے گی۔"

"خس کم جہاں پاک۔" سلیمان نے بے ساختہ کہا۔

اس پر رضوان کا دماغ الٹ گیا۔ "یہ تم نے کیوں کہا؟"

"ٹھیک ہی کہا ہے۔"

"تو یار' جا کر منا لاؤ۔" عدنان نے رضوان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"نہیں' پہلے تم مجھے جواب دو۔" رضوان اب بہلنے والا نہیں تھا۔ دن بھر کی جھنجلاہٹ اور فرسٹریشن وہ سلیمان پر نکال دینا چاہتا تھا۔

لیکن سلیمان بڑی بے نیازی سے مسکرا رہا تھا۔ "کیا جواب دوں' تم کسے بہلا رہے ہو...... ہمیں یا خود کو؟"

"اس بات کا کیا مطلب ہوا؟" رضوان نے بے حد خراب لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے دوست کہ نہ وہ تمہاری بیوی ہے اور نہ ہی تمہیں اس کے میکے کا پتا ہے' تم اب اس تک پہنچ بھی نہیں سکتے۔" اس نے بے حد پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اور خس کم جہاں پاک میں نے اس لئے کہا کہ اس کا جانا تمہارے لئے بہتر ہی ہے۔ بڑی حد تک تو وہ تمہیں تباہ کر چکی ہے' مگر شاید ابھی تم سنبھل سکتے ہو۔"

رضوان سناٹے میں آ گیا۔ اس کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا' وار اتنا اچانک تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا' پھر اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "یہ تو تم غلط کہہ رہے ہو۔" اسے احساس تھا کہ عدنان اسے غور سے دیکھ رہا ہے۔

"مَیں سچ کہہ رہا ہوں' مَیں شروع ہی سے یہ بات کہے جا رہا ہوں' یقین نہ آئے تو عدنان سے پوچھ لو۔"

رضوان نے سوالیہ نظروں سے عدنان کو دیکھا' عدنان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مَیں کوئی نیکوکار نہیں ہوں رضوان' میرے دوست' گناہ گار آدمی ہوں' اُڑتی چڑیا

کے پَر گن لیتا ہوں' گناہ کی بدبو کے معاملے میں میری گناہ گار ناک بہت تیز ہے' یہی ہے کہ مَیں شرط کبھی نہیں ہارتا۔"

رضوان نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"مَیں سچ کہہ رہا ہوں' تمہارے حق میں بہتر ہوا ہے۔" سلیمان نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ چلو' ہمیں بھی کھانا ہے۔"

تینوں باہر نکل آئے' رضوان خاموش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سلیمان نے جو کچھ کہا' اس کے سچے اور بہت اچھے دوست کی حیثیت سے کہا ہے' اس کے باوجود اس لمحے سلیمان کے لئے بے پناہ نفرت محسوس کر رہا تھا۔

"اب خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو میری جان۔" سلیمان نے اسے چونکا دیا۔ "پہلے جیسے بن جاؤ۔"

"کم از کم تم تو مجھے نصیحت نہ کرو۔" رضوان نے ترشی سے کہا۔

سلیمان نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "سوری یار۔" اس نے بے حد پُر خلوص لہجے میں کہا۔ "مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ مَیں خراب...... بہت گناہ گار آدمی ہوں۔"

عدنان نے رضوان کو ملامت بھری نظروں سے دیکھا' مگر رضوان اس وقت کچھ محسوس کرنے کے قابل نہیں تھا۔



رضوان اس رات اپنے فلیٹ میں پریشان بیٹھا تھا' اگلے روز اس کے قرض خواہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو رہی تھی اور ادائیگی کی کوئی صورت نہیں بنی تھی' اس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے جا رہے تھے۔

عدنان اور سلیمان اپنے گھر جا چکے تھے' وہ دونوں ہر روز باقاعدگی سے آتے اور اس کی دل جوئی کرتے تھے' مگر رضوان کے دل میں سلیمان کی طرف سے بال پڑ چکا تھا' البتہ اس نے سلیمان پر اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے' وہ برآمدے میں بیٹھا آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہا تھا' اچانک اس کی سوچوں کا رخ ثقیلہ کی طرف مڑ گیا۔ سب کچھ اسی کی وجہ سے تو ہو رہا تھا' ورنہ وہ تو قرض لینے کا قائل ہی نہیں تھا اور اب قرض کی وجہ سے اس کی زندگی تک خطرے میں تھی' اس لمحے اسے ثقیلہ سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔

یہ بات نہیں کہ ثقیلہ اسے پہلی بار یاد آئی ہو' اپنے جانے کے بعد وہ ہر رات اسے یاد آئی' مگر محض اس لئے کہ جسمانی تقاضے جو جاگ اٹھے تھے' اب اسے سونے نہیں دیتے تھے' وہ جیسے ثقیلہ کے جسم کے شیطانی نشے کا عادی ہو چکا تھا۔ اتنے عرصے میں وہ ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا' اس کے نتیجے میں اس کے چہرے پر' اس کی آنکھوں میں وحشت نظر آنے لگی تھی۔

کچھ اور تبدیلیاں بھی آئی تھیں' وہ پہلے جیسا شرمیلا نہیں رہا تھا' اب لڑکیوں کو وہ ایسی بے باک نظروں سے دیکھتا تھا کہ احساس ہونے پر وہ پانی پانی ہو جاتیں اور جب وہ اسے ناپسندیدگی سے' نظروں میں ملامت بھر کر دیکھتیں' تو بھی اس پر اثر نہ ہوتا' وہ انہیں بدستور ایسے دیکھتا رہتا' جیسے تصور میں وہ بے لباس نظر آ رہی ہوں۔

اور نماز کا تو اسے خیال تک نہیں آیا تھا!

اس نے ثقیلہ کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا' اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کل قرض کیسے ادا کیا جائے' وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے' تو پھر؟ اسے روپوش ہونا پڑے گا' مگر روپوشی بھی اس کی زندگی کی ضامن نہیں ہو سکتی تھی۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن مایوسی سے بھر گیا اور انسان کیسا ہی منکر ہو' کیسا ہی گمراہ ہو' مایوسی کی آخری حد کو پہنچ جائے تو اسے صرف خدا یاد آتا ہے' رضوان کے ساتھ بھی یہی ہوا' کہیں امید کی کوئی کرن نہیں تھی' صرف خدا ہی اس کی مدد کر سکتا تھا۔

وہ سوچتا رہا...... شرمندہ ہوتا رہا' کتنے عرصے سے اس نے نماز نہیں پڑھی تھی' کیسے کیسے گناہ کئے تھے' خدا سے کیسا باغی ہو گیا تھا وہ اور حاصل کیا ہوا' ذلت' رسوائی اور خطرات۔ اسے خود پر شرم آنے لگی۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ خدا کے سوا کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اسے
سامنے سر جھکانا ہوگا' سچے دل سے' آنسوؤں میں ڈوب کر توبہ کرنی ہوگی' وہ اس ا
سے اٹھا کہ وضو کر کے پہلے مغرب کی قضا' پھر عشا اور اس کے بعد نماز استغفار پڑ
اور پوری رات سجدے میں گر کر' رو رو کر توبہ کرتا رہے گا۔ وہ غفور الرحیم ہے' ا
صرف بخش دے گا بلکہ اس کی استعانت بھی فرمائے گا۔

وہ باتھ روم کے دروازے تک پہنچا تھا کہ اطلاعی گھنٹی چیخ اٹھی' اس نے جھنجلا
دروازے کی طرف دیکھا' وہ اس وقت ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتا تھا' نجانے کون آیا ہے
وقت...... وہ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا' چھوڑو...... جو کوئی بھی ہے' تنگ
کر چلا جائے گا' اس وقت تو صرف استغفار کی فکر کروں۔

گھنٹی دوبارہ بجی' ساتھ ہی کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "اجازت ہو تو اندر آ جاؤں
آواز اجنبی تھی۔

رضوان نے دیکھا' چٹخنیاں لگی ہوئی تھیں...... اور باہر کھڑا اجنبی پوچھ رہا تھا' اند
جاؤں' رضوان کی جھنجلاہٹ عروج پر پہنچ گئی۔ "آ سکتے ہو تو ضرور آ جاؤ بھائی۔" اس
جھلا کر کہا۔

مگر اگلے لمحے وہ حیران رہ گیا' سوٹ پہنے ہوئے ایک شخص' بریف کیس ہاتھ میں لے
بند دروازے کے درمیان سے گزر کر اندر آ گیا۔

رضوان نے آنکھیں مل مل کر دروازے کی طرف دیکھا' دروازہ بند تھا' چٹخنیاں اب
بھی لگی ہوئی تھیں' اس نے اجنبی کو غور سے دیکھا' اس کا چہرہ عجیب سا تھا اور ناخوش گوار
تاثر چھوڑتا تھا۔ ہونٹوں پر بے حد مکروہ مسکراہٹ تھی۔

"آ...... آپ...... اندر کیسے آ گئے؟" رضوان نے بوکھلا کر پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

"خدا کی قسم کھا کر میری ایک بے ضرر بات ماننے کا وعدہ کرو تو بتاؤں۔"

رضوان پر کوئی جادو اثر کر چکا تھا' اس نے کہا۔ "خدا کی قسم' بے ضرر بات ہوئی تو مان
لوں گا۔"

لوں گا۔"

"تو وعدہ کرو کہ میری موجودگی میں لاحول نہیں پڑھو گے۔" اجنبی نے کہا۔

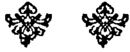
پہلے تو رضوان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا پھر وہ لرز کر رہ گیا۔

"ک...... کک...... کیا تم شیطان ہو؟" اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

اجنبی مسکرایا' اس بار اس کے پیلے پیلے دانت بھی نکل پڑے۔

"ہاں...... میں شیطان ہوں۔"

رضوان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے!



دیر تک خاموشی رہی۔ رضوان نے جو کھلی اور جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا' اسے وہم
قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اس لیے کہ ٹھوس دروازے میں سے گزر کر آنے والا اس کے
سامنے بیٹھا تھا۔ وہ خود کو شیطان بتا رہا تھا---- اور اس کے چہرے سے برستی خباثت اس
کے بیان کی تائید کر رہی تھی۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" بالآخر رضوان نے پوچھا۔

"تمہاری پریشانیاں دور کرنے۔"

"وہ کیسے؟"

"ہم ہر سال' سال بھر کی کارگردگی کی بنیاد پر ایک خوش نصیب کو منتخب کرتے ہیں۔
ایسے شخص کی تین خواہشات پوری کی جاتی ہیں۔ اس سال تمہیں منتخب کیا گیا ہے۔"

"مجھے؟"

"ہاں۔ تم نے صرف تین مہینے میں وہ کارکردگی دکھائی ہے کہ سال بھر پرفارمنس دینے
والے پیچھے رہ گئے ہیں۔" شیطان نے کہا۔

رضوان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس پر فخر کرے یا شرمسار ہو۔

"ان دنوں تم بہت زیادہ پریشان ہو؟"

"ہاں---- بہت زیادہ۔"

"بس تو تین خواہشوں کے ذریعے تم اپنی ہر پریشانی دور کرسکتے ہو۔"

رضوان سوچتا رہا۔ وہ خائف تھا۔ واسطہ شیطان سے پڑا تھا۔ تین خواہشوں کی پیش تو بہت اچھی تھی مگر اسے ڈر تھا کہ جواب میں اس سے کچھ مانگا جائے گا۔ "مجھے کیا کر گا؟"

"صرف تین خواہشیں۔" شیطان نے مختصراً کہا۔

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے' اس کے عوض مجھ سے بھی تم کچھ لو گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"یعنی یہ پیشکش غیر مشروط ہے؟"

"ایسا بھی نہیں۔" شیطان کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔ "بس خواہ کرتے ہوئے تمہیں یہ خیال رکھنا ہو گا کہ جو کچھ تم طلب کرو گے' مقدار میں' تعداد میں وزن میں اور حجم میں اس کا دگنا تمہارے بدترین دشمن کو ملے گا۔"

"لیکن میرا تو کوئی دشمن نہیں۔"

شیطان ہنسا۔ "دنیا میں ایسا کوئی نہیں' جس کا کوئی دشمن نہ ہو۔ جس کا کوئی دشمن ن ہو' اس کا دشمن میں ہوتا ہوں۔"

"اچھا---- مجھے بتاؤ' میرا دشمن کون ہے؟"

"تمہارا بدترین دشمن وہ ہے جسے تم اپنا بہترین دوست سمجھتے ہو۔"

رضوان کی آنکھوں میں سلیمان کی صورت پھر گئی۔ شیطان کا اشارا یقیناً اسی کی طرف تھا۔ "یہ تو بڑی زیادتی ہو گی کہ خواہش مَیں کروں اور مجھ سے زیادہ فائدہ میرے دشمن کو پہنچے۔" اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔

"زیادتی تو ہے مگر یہ نہ بھولو کہ یہ شیطان کی اسکیم ہے۔ یہ تمہاری ذہانت کا امتحان بھی ہے۔ بات تو جب ہے کہ تم خود تو اس اسکیم سے فائدہ اٹھاؤ اور تمہارے دشمن کو نقصان پہنچے۔"

"بڑا مشکل کام ہے۔" رضوان نے کہا۔

"شیطان سے فائدہ تو مشکل ہی سے پہنچے گا۔" شیطان نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"بہرحال' اب تم اپنی تین خواہشیں بتاؤ۔"

"ابھی---- اسی وقت؟" رضوان بوکھلا گیا۔

"نہیں۔ تمہارے پاس ایک ماہ کی مہلت ہے۔" شیطان نے مسکراتے ہوئے کہا "اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم تینوں خواہشیں ایک ساتھ کرو۔ خوب سوچ سمجھ کر ایک ایک کر کے کرسکتے ہو۔ جب بھی کوئی خواہش کرنی ہو' سو بار یا شیطان پڑھ لینا۔ مَیں حاضر ہو جاؤں گا' اچھا' اب مَیں چلتا ہوں۔"

اچانک رضوان کو خیال آگیا کہ اگلے روز وہ زندہ بچے گا تو خواہش کرسکے گا۔ اس کے سر پر تو قرض کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اس نے بوکھلا کر کہا: "ایک خواہش تو مجھے ابھی کرنی ہے---- اسی وقت۔"

شیطان جاتے جاتے رک گیا۔ "ہاں' کہو۔"

رضوان ہچکچانے لگا۔ "مَیں کوئی بھی خواہش کرسکتا ہوں؟"

"ہاں' تم جو بھی خواہش کرو گے' پوری ہو گی۔"

"تو مجھے دس کروڑ روپے درکار ہیں۔"

"ابھی لو۔" یہ کہہ کر شیطان نے ہاتھ پھیلایا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ پر نمودار ہوا۔ اس نے وہ رضوان کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ لو' یہ دس کروڑ کا مصدّقہ چیک ہے۔ جب جی چاہے' کیش کرا لینا۔" اس نے کہا۔ "اور ہاں' بیس کروڑ کا چیک تمہارے بدترین دشمن کو مل جائے گا۔"

رضوان نے چیک کا جائزہ لیا۔ وہ سٹی بینک کا عام سا چیک تھا مگر خاص بات یہ تھی کہ وہ دس کروڑ کا تھا۔

"مَیں چلتا ہوں۔ ایک مہینے کے اندر مزید دو خواہشیں کرنی ہوں تو مجھے بلا لینا۔ بلانے کا طریقہ مَیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" یہ کہہ کر شیطان دروازے کی طرف بڑھا اور بند

دروازے میں سے گزرتا چلا گیا۔

رضوان کی نظریں دیر تک دروازے پر جمی رہیں۔ دروازہ جوں کا توں تھا۔ مگر اتنی
میں کوئی اس میں سے گزر کر آ اور جا چکا تھا۔ یہ بات ناقابلِ یقین تھی۔ اب تو اسے یقی
ہونے لگا کہ جو کچھ اس نے دیکھا' وہ محض بصری دھوکا تھا مگر ہاتھ میں موجود چیک گوا
دے رہا تھا کہ وہ سب سچ تھا اور شیطان کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے۔ اس نے سوچا۔
اس نے چیک کا جائزہ لیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ چیک کیش ہو سکے گا۔ بہرحال
چیک اس کی زندگی کی امید تھا۔ وہ دعا ہی کر سکتا تھا کہ چیک دھوکا نہ ہو۔ بہرکیف صبح اس
کا فیصلہ بھی ہو جانا تھا۔



رضوان اگلے روز دفتر نہ گیا۔ بینک وہ گیارہ بجے پہنچا۔ صبح گھر میں دیر تک وہ گومگو کی
کیفیت میں بیٹھا رہا۔ وہ چیک اس کی آخری امید تھا اسی لیے وہ زیادہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ
امید جھوٹی نہ نکلے، مگر پھر اس نے سوچا کہ اس طرح کام کیسے چلے گا۔ چیک آزمانا تو پڑے
گا۔

بینک جانے کے لیے وہ نکلا تو اس نے پہلے اپنے قرض خواہ کو فون کیا کہ وہ بے فکر
رہے' اس کی رقم وہ شام تک ادا کر دے گا۔

وہ بینک میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اسے بینک سے سلیمان نکلتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ
خوشی سے دمک رہا تھا۔ قدم جیسے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اور آنکھوں کا تاثر بتا رہا تھا کہ
اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ اس نے سامنے سے آتے ہوئے
رضوان کو بھی نہیں دیکھا۔

رضوان کی طبیعت مکدّر ہو گئی۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ سلیمان ہی اس کا
بدترین دشمن تھا۔ کوفت اپنی جگہ' مگر اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ چیک کیش ہو گا۔ سلیمان
کی کیفیت یہی ثابت کرتی تھی' اس کی بے یقینی دور ہو گئی۔

وہ بے حد اعتماد سے بینک میں داخل ہوا۔ ونڈو پر اس نے چیک پیش کیا۔ چیک کی رقم
دیکھنے کے بعد کلرک نے بے حد احترام سے اس سے کہا۔ "پلیز آپ اس طرف مینجر
صاحب کے کمرے میں چلے جائیں۔ آپ کو ادائیگی وہیں کی جائے گی۔"

ابتدا میں رضوان کا دل دھڑکا کہ چیک میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اسی لیے اسے مینجر کے پاس
بھیجا جا رہا ہے۔ مگر پھر کلرک کے بعد کے الفاظ نے' امید کو اور مستحکم کر دیا۔ وہ مینجر کے
کمرے میں اور زیادہ اعتماد کے ساتھ داخل ہوا۔ مینجر نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اور
ہاتھ ملایا۔ "تشریف رکھیے۔" اس نے کہا۔

رضوان سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ فرمائیے کہ آپ ادائیگی کس طرح چاہتے ہیں؟" مینجر نے پوچھا۔

"مَیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"دراصل ہمیں آپ لوگوں کے تحفظ کی بھی فکر ہوتی ہے۔" مینجر نے کہا۔ "آپ کا
چیک بھاری رقم کا ہے۔ آپ کہیں گے تو ہم فوری طور پر آپ کو نقد رقم ادا کر دیں گے۔
مگر اس طرح آپ کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے' اسی لیے مَیں نے آپ کو یہاں بلا لیا ہے۔"

"آپ اس سلسلے میں کیا کچھ کر سکتے ہیں؟" رضوان نے پوچھا۔

"ہمارا بینک سب سے اچھی خدمات فراہم کرتا ہے۔" مینجر نے کہا۔ "ہم آپ کے
لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کی خواہش کے عین مطابق۔"

"آپ کا مشورہ کیا ہے؟"

"میری مانیں تو آپ ہمارے ہاں اکاؤنٹ کھول لیں۔" مینجر نے کہا۔ "فوری طور پر جو
ضرورت ہو' وہ رقم نکال لیں۔ پھر ہم آپ کو ایک کارڈ دیں گے' جو ہر بڑی دکان اور
ہوٹل میں' ہر ایرلائن کے لیے قابلِ قبول ہو گا۔ آپ کیش رکھے بغیر سب کچھ خرید سکتے
ہیں۔ ساری دنیا کے بینکوں سے پیسے نکال سکتے ہیں۔ یوں لٹنے کے خطرے سے محفوظ رہیں
گے۔"

"اور کسی نے وہ کارڈ ہی چھین لیا--- یا کارڈ کھو گیا تو---؟"

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ہم نے خاص اہتمام کیا ہے کہ کوئی اور اس کارڈ سے استفادہ نہیں کر سکتا۔"

"بس تو یہ ٹھیک ہے، آپ مجھے دو لاکھ نقد اور وہ کارڈ دے دیں۔" رضوان نے کہا۔ "آپ کے ہاں اکاؤنٹ کھولنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بس ایک فارم اور ایک کارڈ پر دستخط کر دیں۔" منیجر نے دراز کھولتے ہوئے کہا۔

آدھے گھنٹے بعد رضوان بینک سے نکلا تو اس کے بھی پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ سب سے پہلے اس نے تمام قرض ادا کیے۔ پھر دفتر چلا گیا۔ وہاں بیٹھ کر اس نے اپنا استعفیٰ لکھا اور آفاق صاحب کے پاس چلا گیا۔

آفاق صاحب نے استعفیٰ دیکھا اور پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے، ایک اور استعفیٰ؟"

"کیا بات ہے سر؟" رضوان نے پوچھا۔ "کسی اور نے بھی استعفیٰ دیا ہے؟"

"ہاں، آج تمہارا دوست سلیمان دفتر نہیں آیا۔ البتہ اس نے استعفیٰ بھجوایا ہے۔"

رضوان کی جان جل گئی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ سلیمان کو تو بیس کروڑ ملے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ امیر ہو گیا ہے۔ "تو مَیں کیا کر سکتا ہوں سر؟" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"معاملہ کیا ہے؟ تم دونوں نے ایک ہی دن استعفیٰ دیا ہے۔" آفاق صاحب بولے۔

"سلیمان کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں، لیکن مجھے بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔"

"پندرہ دن کا نوٹس نہ دینے کی صورت میں تمہاری پندرہ دن کی تنخواہ کٹ جائے گی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں سر۔ مَیں تو اپنے واجبات بھی وصول نہیں کروں گا۔ وہ آپ لے لیجئے گا۔ بس استعفیٰ فوراً منظور کرا دیں آپ۔"

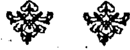
"آہستہ بولو۔" آفاق صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا استعفیٰ منظور ہو

جائے گا۔"

"تو اب مَیں جاؤں؟"

"ہاں۔ مَیں عدنان کے ہاتھ کچھ کاغذات بھجواؤں گا، ان پر دستخط کر دینا۔"

رضوان دفتر سے نکل آیا۔



یہ دکھ بہت بڑا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کے بدترین دشمن کو بیس کروڑ روپے مل گئے۔ جبکہ خود اسے صرف دس کروڑ ملے تھے۔ مگر دس کروڑ ملنے کی خوشی بھی کم نہ تھی۔ اب وہ بادشاہوں کی طرح رہ سکتا تھا۔ یک لخت اسے اپنا سرکاری فلیٹ برا لگنے لگا۔

وہ اپنے کارڈ کا جادو آزمانے کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ سلیمان اور عدنان آ گئے۔ دونوں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ سلیمان نے تو آتے ہی اسے لپٹا لیا۔ "مَیں بہت خوش ہوں میرے یار، اب تجھے بھی نوکری کرنے کی ضرورت نہیں، ہم عیش کریں گے۔"

"یہ بھی آج استعفیٰ دے چکا ہے۔" عدنان نے سلیمان کو بتایا۔

"مجھے بہت اچھی ملازمت مل گئی ہے۔" رضوان نے جلدی سے کہا۔

"مبارک ہو، مگر تمہیں اب ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے؟" رضوان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاتھ تو نہیں مارا، دولت چل کر گھر آ گئی اور جانتے ہو کتنی---- بیس کروڑ، بس اب چلو، شاپنگ کریں گے۔"

رضوان کا جی چاہا، اسے بتا دے کہ اسے دولت اس کی وجہ سے ملی ہے، مگر وہ پی گیا۔

وہ تینوں بازار چلے گئے۔ رضوان کا کریڈٹ کارڈ اس کی جیب میں تھا۔ پھر بھی وہ کارڈ کا جادو دیکھتا رہا، جو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ سلیمان نے انہیں خوب اچھی طرح شاپنگ کرائی۔ لگتا تھا، اسے پیسے کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ شاپنگ کے بعد انہوں نے ایک بڑے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ پھر گھر واپس آ گئے۔

"یہ عدنان میری بات نہیں مان رہا ہے۔" گھر پہنچ کر سلیمان نے شکایتاً کہا۔

"نوکری چھوڑ دوں اور تمہاری دولت پر عیش کروں۔ یہ ناممکن ہے۔" عدنان کے لہجے میں معذرت تھی۔ "ہاں اگر تم کوئی کاروبار کرو اور مجھے ملازمت دے دو تو مجھے قبول ہو گی۔"

رضوان کو عدنان کی یہ منطق بہت عجیب لگی۔

"اور کاروبار میں شراکت کے بارے میں کیا خیال ہے؟" سلیمان نے عدنان سے پوچھا۔

"یہ بھی ممکن ہے۔ میرے پاس سرمایہ نہیں ہے، مگر میں جی جان سے محنت کر سکتا ہوں۔"

"خیر، دیکھیں گے۔" سلیمان رضوان کی طرف مڑا۔ "کل کیا پروگرام ہے؟"

"کل نئی سروس جوائن کروں گا۔"

"تم بھی میری بات نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔ مَیں جو کچھ کروں گا' اپنے زور پر کروں گا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ رضوان کو دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے دس کروڑ میں سے قرض ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اسے کوئی خوشی بھی نہیں ملی تھی۔ بلکہ وہ سلیمان کی دولت کے بارے میں سوچ سوچ کر کڑھے جا رہا تھا۔ سلیمان کو بیٹھے بٹھائے دولت مل گئی تھی۔ جبکہ شیطان نے منتخب اسے کیا تھا۔

بڑی مشکل سے نیند آئی۔

سلیمان کے دیے ہوئے کپڑوں سے اسے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اگلے روز اس نے خود شاپنگ کی اور ڈھنگ کے کپڑے پہننے کے بعد اپنے لیے مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سرکاری فلیٹ میں تو اب اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

وہ پہلے صرف خواب ہی دیکھ سکتا تھا---- اور دیکھتا تھا کہ ساحلِ سمندر پر اس کا بہت بڑا اور خوب صورت بنگلہ ہے۔ اب اسے خیال آیا کہ وہ سچ مچ ایسا بنگلہ خرید سکتا ہے۔

چنانچہ وہ اس علاقے میں چلا گیا۔ مختلف اسٹیٹ ایجنسیوں میں جانے اور کئی بنگلے دیکھنے کے بعد اسے ایک بنگلا پسند آیا۔

"اونر اس کے چھ کروڑ مانگ رہا ہے۔" ایجنٹ نے بتایا۔ "ساڑھے پانچ میں مل سکتا ہے۔"

رضوان ہچکچایا۔ اتنی زیادہ قیمت کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"ڈھائی کروڑ کا تو صرف پلاٹ ہے۔" ایجنٹ نے کہا۔ "کہیں تو بات کروں۔"

"مَیں پھر آؤں گا' بنگلہ مجھے پسند آیا ہے۔"

رضوان کو یہ الجھن ہو رہی تھی کہ ساڑھے پانچ کروڑ کا بنگلہ خریدنے کے بعد اس کے پاس بچے گا کیا؟ آخر میں صرف بنگلہ رہ جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گا؟ اچانک اسے خیال آیا کہ بنگلہ خرید کر رقم ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے پاس دو خواہشیں اور ہیں۔ وہ بنگلہ بھی طلب کر سکتا ہے۔

بنگلے کی خواہش ایسی تھی اور اس کا ایکسائٹ منٹ ایسا تھا کہ وہ سب سے اہم بات بھول گیا۔

شیطان کو طلب کرنے کا طریقہ یاد آیا تو ایک لمحے کے لیے وہ دہل کر رہ گیا۔ یہ کیا؟ اسے شیطان کے نام کی تسبیح پڑھنی ہو گی؟ پھر اسے خیال آیا کہ شیطان عین اسی وقت آیا تھا' جب وہ نماز پڑھنے اور اللہ سے توبہ کرنے کے لیے وضو کے ارادے سے کھڑا ہوا تھا۔ ایک پل کو اسے افسوس ہوا' مگر پھر اس کے اندر سے کسی نے کہا کہ ممکن ہے اللہ اس کی توبہ قبول نہ کرتا اور کر بھی لیتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ فوری طور پر قرض کی ادائیگی کے لیے بندوبست ہو جاتا۔ شیطان کی وجہ سے مسئلہ زیادہ آسانی سے حل ہو گیا۔

اس نے ہر خیال کو ذہن سے جھٹکا اور سو بار یا شیطان پڑھنے کو بیٹھ گیا۔

جیسے ہی اس نے سوویں بار شیطان کو پکارا' وہ حسبِ سابق بند دروازے سے گزر کر فلیٹ میں آ گیا۔ "کہو' اب کیا خواہش ہے تمہاری؟" اس نے پوچھا۔

رضوان نے بہت سوچ سمجھ کر تفصیل سے اپنی خواہش بیان کرنی شروع کی۔



سلیمان گہری طمانیت کی نیند سے سو رہا تھا کسی نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ بیڈ کی پٹی پر وہی شخص بیٹھا تھا جس نے اسے بیس کروڑ روپے کا مصدقہ چیک دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ "کیا مصیبت ہے۔ تم اب چین سے سونے بھی نہیں دو گے؟" اس نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"بڑے ناشکرے ہو۔" شیطان نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"ناشکرا تو مَیں اللہ کے معاملے میں ہوں---- اور اس پر مجھے شرم بھی آتی ہے۔ تمہارا تو مَیں شکریہ بھی ادا نہ کروں۔"

"کیوں بھئی؟"

"مَیں نے تم سے کچھ مانگا نہیں تھا۔ تم نے اپنی کسی مجبوری کے تحت مجھے وہ چیک دیا تھا۔"

"مجھے جانتے ہو؟"

"اپنے بھائی کو کون نہیں جانے گا۔ مجھے معلوم ہے، تم شیطان ہو۔"

"واقعی---- بہت چالاک ہو۔" شیطان مسکرایا۔

"کام کی بات کرو۔ ظاہر ہے، تم میری تعریف کرنے کے لیے تو یہاں نہیں آئے ہو۔" سلیمان نے بے زاری سے کہا۔ پھر اچانک اسے ایک خیال آ گیا۔ "اور اگر اس چیک کے عوض مجھ سے کوئی کام لینا ہے تو یاد رہے، مَیں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم نے چیک مجھے غیر مشروط طور پر دیا ہے۔"

"مَیں تم سے کچھ لینے نہیں، مزید کچھ اور دینے کے لیے آیا ہوں۔"

"مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم کوئی چکر چلا رہے ہو۔"

"کوئی چکر نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تو تمہارا حق ہے۔ اس کے بدلے مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ تم ویسے ہی بہت اچھے کام کر رہے ہو۔"

"بس---- مَیں پہلے ہی شرمندہ رہتا ہوں، مجھے اور شرم نہ دلاؤ۔" سلیمان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کام کی بات کرو۔"

شیطان نے اس کی طرف چابیوں کا ایک گچھا بڑھایا۔

سلیمان نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ "یہ کیا ہے؟"

"یہ تمہارے بنگلے کی چابی ہے۔" شیطان مزے لے لے کر بتانے لگا۔ "ساحلِ سمندر پر یہ دو ہزار گز کا بنگلہ ہے---- دو منزلہ۔ خوب صورت ٹیرس سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ بنگلہ مکمل طور پر فرنشڈ ہے۔ ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔"

"مَیں ان چابیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔" سلیمان نے دونوں ہاتھ بغلوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔ "مجھے چوری کے الزام میں پکڑوانا چاہتے ہو؟"

"واقعی بہت چالاک ہو۔" اس بار شیطان نے کچھ کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ لو ملکیت کے کاغذات۔"

سلیمان نے کاغذات کا جائزہ لیا۔ وہ ہر اعتبار سے مکمل تھے۔ وہ پلاٹ نمبر ۳۲۴ پر بنے بنگلے کا مالک بن چکا تھا۔

"یہ چابیاں تو لے لو۔" شیطان نے پھر چابیاں اس کی طرف بڑھائیں۔

"چابیاں مَیں نہیں لوں گا۔ خود چل کر مجھے بنگلے کا قبضہ دلاؤ۔" سلیمان نے کہا۔ "مگر پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔"

"آم کھانے سے غرض رکھو۔ پیڑ کیوں گنتے ہو؟"

"گنتی میں خاص دلچسپی ہے مجھے۔"

"چلو، یہ بھی سن لو۔ ہم ہر سال ایک شخص کو منتخب کرتے ہیں اور اس کی تین خواہشیں پوری کی جاتی ہیں۔" شیطان نے کہا۔ "شرط یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ مانگے گا، اس کا دگنا اس کے بدترین دشمن کو دیا جائے گا۔ تمہاری خوش قسمتی یہ ہے کہ اس سال تمہارے بدترین دشمن کو منتخب کیا گیا ہے۔ اس نے دس کروڑ مانگے، تمہیں بیس کروڑ ملے۔ اس نے ہزار گز کا بنگلہ مانگا، تمہیں دو ہزار گز کا بنگلہ مل رہا ہے۔"

"عیش ہو گئے میرے، اور ابھی تیسری خواہش باقی ہے۔" سلیمان نے چٹخارے لے کر کہا۔ "اب یہ بھی بتا دو کہ میرا وہ محسن، بدترین دشمن کون ہے؟"

"یہ مَیں نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں بہت جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ بس اب چل دو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" شیطان نے جھنجلا کر کہا۔

"مجھے تمہاری مصروفیت کا اندازہ ہے۔ ان دنوں دنیا اور دنیا والے اتنے شیطان ہو گئے ہیں کہ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ فرصت ہی فرصت ہے۔ ہم جیسے لوگوں پر وقت ضائع کرتے پھرتے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" شیطان نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "ہمیں اب بھی سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ کون جانے، کب کوئی، کہیں نیکی کر بیٹھے۔"



رضوان کی دوسری خواہش پوری ہو چکی تھی۔ ساحلِ سمندر پر ہزار گز کے خوب صورت اور فرنشڈ بنگلے کی چابیاں اور کاغذات اسے مل چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ صبح جا کر بنگلے کو دیکھے گا اور پھر کچھ فیصلے کرے گا۔

اگلے روز دوپہر کے قریب وہ فلیٹ سے نکل گیا، لیکن اپنا بنگلہ ڈھونڈنا اس کے لیے مسئلہ بن گیا۔ وہاں نمبروں میں ترتیب ہی نہیں تھی۔ وہ جھنجلا گیا۔ کیا طُرفہ تماشا تھا کہ وہ اپنے ہی گھر کا پتا پوچھتا پھر رہا تھا، لیکن وہ علاقہ ایسا تھا کہ پتا بتانے والا بھی کوئی نہ تھا۔

ویسے وہ بہت خوش تھا۔ بیٹھے بٹھائے مفت میں اسے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی تھی، مگر اس کی وہ خوشی قائم نہ رہ سکی۔ جلنا اور حسد کرنا اس کا نصیب ہو گیا تھا۔

ہوا یوں کہ بہ ہزار دِقت اسے مطلوبہ سڑک بالآخر مل گئی۔ اب اسے صرف مطلوبہ نمبر کا بنگلہ تلاش کرنا تھا، جس کی چابی اس کے پاس موجود تھی۔ وہ دونوں طرف دیکھتا ہوا چل رہا تھا کہ اچانک ایک بہت بڑے بنگلے کے گیٹ پر اسے اس شخص کا چہرہ نظر آ گیا، جسے وہ بھول ہی گیا تھا۔ حالانکہ اسے بھولنا نہیں چاہیے تھا۔ اس کا یہاں اس بنگلے میں نظر آنا

پوری دنیا کے لیے حیرت انگیز ہو سکتا تھا---- سوائے رضوان کے۔ اس لیے کہ اس نے ہی اس شخص کو یہاں تک پہنچایا تھا۔

وہ شخص سلیمان تھا۔ عدنان بھی اس کے ساتھ تھا۔ رضوان نے سوچا کہ پلٹ جائے، مگر اسی لمحے سلیمان کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ "اچھا ہوا، تم آ گئے۔ ہم تمہیں لانے کے لیے نکل رہے تھے۔" اس نے کہا۔

رضوان بمشکل مسکرایا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"مگر تم یہاں---- تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

رضوان بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جھوٹ بول سکتا تھا، لیکن اسے یہیں رہنا تھا تو جھوٹ بعد میں کھل جاتا۔ جھوٹ بولنے کی صورت میں اسے اپنے بنگلے میں رہنا بھی نصیب نہ ہوتا۔ ہاں سلیمان اصرار کر کے اسے اپنے ساتھ ضرور رکھتا۔ اور یہ بات اس کے لیے بدترین توہین کی تھی۔ عافیت سچ بولنے ہی میں تھی۔ مگر سچ بھی مکمل نہیں---- جھوٹ سے سجا ہوا؟ "میری کمپنی نے مجھے یہاں بنگلہ دیا ہے۔ مَیں اس کی تلاش میں آیا ہوں۔" اس نے کہا۔

سلیمان نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

رضوان نے اس سے نظریں چرا کر پتلی سی سڑک کے پار سلیمان کے عین سامنے والے بنگلے کو دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ اس کا بنگلہ تھا۔ اس نے پلٹ کر سلیمان کا اور پھر اپنے بنگلے کا سرسری جائزہ لیا۔ اسے اپنا بنگلہ منہ چڑاتا محسوس ہوا۔

اس لمحے رضوان کو شیطان سے، سلیمان سے، عدنان سے---- بلکہ پوری دنیا سے شدید نفرت کا احساس ہوا۔ یہ کیسا انعام تھا جو بدترین سزا بن گیا تھا۔ اس کا ایک منزلہ بنگلہ سلیمان کے دو منزلہ بنگلے کے مقابلے میں آدھا تھا۔ خوب صورتی میں بھی سلیمان کا بنگلہ اس سے ڈبل تھا۔ کیسی بے انصافی تھی۔ اسے خواہش کر کے یہ ملا تھا اور سلیمان کو بغیر خواہش کیے اس سے بہتر چیز ملی تھی۔ صرف اس لیے کہ وہ رضوان کا بدترین دشمن تھا۔

"بہت خوب۔ چلو، پہلے میرا گھر دیکھ لو۔" سلیمان نے اسے چونکا دیا۔ "پھر تمہارا گھر

دیکھیں گے۔"

رضوان طوعاً و کرہاً اس کے ساتھ چلا گیا مگر اس کی اذیت میں اضافہ ہی ہوا۔ سلیم
کا بنگلہ بہت خوب صورت تھا اور اسے بہت اچھی طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ رضوان ۔
اچھی طرح جان لیا کہ اب اسے اپنا بنگلہ جھونپڑی سے بھی بدتر لگے گا۔ اس کا وجود نفر
کی آگ میں پھنک رہا تھا۔

"بنگلہ ملتے ہی میں نے سوچا تھا کہ مَیں تم دونوں کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔" سلیما
نے رضوان اور عدنان سے کہا۔ "مَیں نے سوچا تھا کہ ہم تینوں مل کر رہیں گے۔ اور اب
اپنے بنگلے کے سامنے تمہارا بنگلہ دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ قسمت ہمیں یکجا رکھ
چاہتی ہے۔"

"قسمت نہیں، شیطان" رضوان نے دل میں کہا۔ "وہ میری چھاتی پر مونگ دلنے کے
لیے تمہیں میرے سر پر سوار رکھنا چاہتا ہے۔"

"سب ٹھیک ہے۔ مگر عدنان میرے پاس رہے گا۔" سلیمان نے کہا۔

"ارے نہیں یار---" عدنان نے احتجاج کیا۔

"اس معاملے میں بحث نہیں چلے گی، ورنہ مَیں یہ بنگلہ چھوڑ کر تمہارے فلیٹ میں چلا
جاؤں گا۔" سلیمان کے لہجے میں قطعیت تھی۔ "ویسے بھی مَیں کاروبار کے متعلق سوچ رہا
ہوں۔ مَیں تمہیں نوکری نہیں کرنے دوں گا۔"

خاصی بحث کے بعد عدنان نے ہتھیار ڈال دیے۔



رضوان کے وجود میں انگارے دہک رہے تھے۔ خواب کی تعبیر ملنے پر ایسی خوشی ہوتی
ہے؟ خوشی کیا اسے کہتے ہیں کہ آدمی کا وجود آتش فشاں بن جائے۔ رضوان ڈرائنگ روم
میں ٹہلتے ہوئے وحشت بھرے انداز میں سوچے جا رہا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ سلیمان کا بنگلہ دیکھ لینے کے بعد اپنا بنگلہ اسے جھونپڑے سے بھی

زلگ رہا تھا، حالانکہ بنگلہ بہت خوب صورت تھا۔ ٹیرس بہت خوب صورت تھی اور
ں سے سمندر کا بہت خوب صورت منظر نظر آتا تھا۔ بنگلے میں فرنیچر اور ہر چیز بہت
ب صورت اور مہنگی تھی۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی، صرف ملازمین رکھنے تھے۔

مگر رضوان خوش نہیں تھا، بلکہ وہ تو حسد کی اذیت ناک آگ میں جل رہا تھا۔ اسے
لمحے کو بھی خیال نہیں آیا کہ اس کے پاس ناخوش ہونے کی ایک معقول وجہ بھی نہیں
۔ اس نے جو کچھ مانگا تھا، اسے وہی ملا تھا۔ اب کسی کو بغیر مانگے اس سے بہتر مل جائے
ں میں ناخوش ہونے کی کون سی بات ہے، وہ یہ بات سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

شاید اس نے رضوان کا بنگلہ دیکھنے سے پہلے اپنا بنگلہ دیکھ لیا ہوتا تو اس کا یہ حال نہ
ا، مگر شیطانی کام تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔

رضوان کے لیے سلیمان کی نفرت اور دشمنی بہت بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔ اس کی
چیں بس اسی ایک مقام پر رک گئی تھیں۔ اسے اپنے دس کروڑ روپے اور ساحلِ
ندر پر ہزار گز کے بنگلے کی خوشی نہیں تھی۔ ہاں سلیمان کو ملنے والے بیس کروڑ اور دو
ر گز کے بنگلے کا افسوس ضرور تھا۔ کیونکہ وہ سب کچھ سلیمان کو اپنی کسی خوبی یا عقل
ی کی بنا پر نہیں، اس کی بے وقوفی اور جلدی بازی کی بنا پر ملا تھا اور اب وہ سلیمان کو
دینا چاہتا تھا---- اسے تباہ کرنا چاہتا تھا، مگر کیسی ستم ظریفی ہے کہ سلیمان کو سزا دینے
لیے خود کو سزا دینا اور سلیمان کو تباہ کرنے کے لیے خود کو تباہ کرنا ضروری تھا۔

کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے، ہونی بھی چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ
ٹے۔ رضوان نے سوچا۔ اسے احساس ہوا کہ جلنے کڑھنے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔
مان کو سزا دینے کے لیے ذہانت سے کام لینا ہو گا اور آدمی جل کڑھ رہا ہو تو ذہانت کام
ں کرتی۔ خود کو سنبھالنا بہت ضروری ہے۔

چنانچہ رضوان نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے ٹھنڈے دل سے سوچنا
وع کیا۔ اس کے پاس ابھی ایک خواہش باقی تھی۔ اسے یاد آیا کہ شیطان نے اسے
چے اور خواہش کرنے کے لیے ایک ماہ کی مہلت دی تھی۔ ابھی اس کے پاس ستائیس

دن کی مہلت باقی ہے۔ عقل سے کام لیا جائے تو اتنے دن میں سلیمان کو سزا دینے ا
کرنے کا کوئی طریقہ ضرور سوچا جا سکتا ہے۔

اس نے خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کی۔ دھیان بٹانے کے لیے ایک ا
ضروری کام بھی نمٹا دیا۔ اس نے اخبار میں گھر کے لیے ملازمین کی ضرورت ہے' کا ا
دیا۔ اسے مالی' چوکیدار' باورچی اور گھر کے لیے ایک منتظم کی ضرورت تھی۔ کار ڈ
کرنے کے لیے ایک جان پہچان کا ڈرائیور تھا' اس نے اسے طلب کر لیا۔

دو دن میں یہ معاملات نمٹ گئے اور گھر ایک سسٹم کے تحت چلنے لگا۔ ان معاملات
الجھنے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کا غصہ' نفرت اور حسد کی آگ قدرے سرد پڑ گئی' مگر اب
یہ حال تھا کہ وہ سلیمان کے بنگلے پر نظر ڈالتا تو اس کے وجود میں آگ سی بھڑک اٹھتی۔

اب وہ یکسوئی سے سلیمان کو سزا دینے کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔ اس نے
شروع کیا تو اسے احساس ہوا کہ یہ تو بہت آسان کام ہے۔ مثلاً وہ خواہش کرے کہ ا
بایاں ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اس کے نتیجے میں سلیمان کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں گے۔ ا
طرح وہ ٹانگ ٹوٹنے' آنکھ پھوٹنے' گردہ ختم ہونے یا پھیپھڑے میں پانی بھرنے کی خوا
کر سکتا تھا۔ مگر ذرا سا غور کرنے پر اسی احساس ہوا کہ یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔ اس
لیے تو تکلیف اٹھانا پڑتی۔ سوال یہ تھا کہ وہ بلاوجہ تکلیف کیوں اٹھائے۔ اس کے سا
ایسے کیس بھی تھے کہ ایک شخص نے چھوٹی بیماری میں بہت زیادہ اذیت اٹھائی اور آ
میں مر گیا۔ جبکہ دوسرے شخص نے بہت بڑی بیماری میں بہت کم تکلیف اٹھائی اور آ
میں صحت یاب ہو گیا۔ یعنی ان معاملات میں کامیابی کی کوئی گارنٹی نہیں تھی۔ ورنہ
سلیمان کی خاطر تکلیف اٹھانے کو بھی تیار تھا۔

پھر اس نے سوچا کہ ذہانت کا فائدہ ہی کیا۔ جو ترکیبیں وہ سوچ رہا ہے' وہ تو کوئی
سوچ سکتا ہے۔ کوئی ایسی چیز جو اس کے لیے فائدہ مند ہو اور سلیمان کے لیے نقصان د
یہ ناممکن تو نہیں۔ اسے سوچتے رہنا چاہیے۔

اب جبکہ وہ ایک فیشن ایبل علاقے میں رہ رہا تھا اور اس کے پاس دولت بھی

شباب تھی' جسمانی تقاضوں کا سر اٹھانا فطری بات تھی۔ ثقیلہ اسے چسکا ڈال گئی تھی۔
اسے اپنی راتوں کی بے کیفی کا احساس زیادہ ہی ستانے لگا تھا۔

اس علاقے میں گھروں میں آئے دن پارٹیاں ہوتی رہتی تھیں۔ پڑوسیوں نے اسے
بھی مدعو کیا' مگر اس نے انکار کر دیا۔ درحقیقت وہ پہلے سے یہاں رہنے والے دولت
مندوں کے مقابلے میں احساسِ کمتری میں مبتلا تھا۔ وہ ان کے ساتھ گھل مل نہیں سکتا تھا۔

اس رات وہ بے کیفی کے عالم میں جاگ رہا تھا۔ الجھن یہ بھی تھی کہ مزید تین دن
گزر گئے تھے اور وہ سلیمان کو سزا دینے کی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا۔ اگرچہ ابھی اس
کے پاس چوبیس دن کی مہلت تھی' مگر وہ دباؤ محسوس کر رہا تھا۔ یہ خیال ہر وقت اس کے
ذہن پر مسلط رہتا تھا کہ اسے اس سلسلے میں کچھ سوچنا' کچھ کرنا ہے۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اسے حیرت ہوئی۔ بنگلے میں فون پہلے ہی سے موجود تھا مگر
گھنٹی کبھی نہیں بجی تھی۔ ظاہر ہے' اسے کوئی فون کرنے والا جو نہیں ہے۔

اس نے گھنٹی کو نظرانداز کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ رانگ نمبر ہو گا مگر گھنٹی چیختی رہی۔
آخر تنگ آ کر اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو؟" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف سے ایک بے حد مترنم نسوانی آواز نے کہا۔

"مَیں ٹھیک ہوں' آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

"آپ ہی سے بات کرنی ہے۔ آپ رضوان صاحب بول رہے ہیں نا؟"

"جی ہاں' مگر آپ کون ہیں-----؟"

"آپ مجھے نہیں جانتے' مگر مَیں آپ کو جانتی ہوں۔"

"جی فرمایئے----مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ایسی خشک اور رسمی گفتگو نہ کریں۔ مَیں نے بہت محبت اور خلوص سے آپ کو فون
کیا ہے۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے بعد کہا گیا۔

"سوری!" رضوان نے کہا۔ "مَیں دراصل سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ آپ کا فون میرے
لیے بالکل غیر متوقع تھا-----"

"اور آپ خدمت کی بات نہ کریں۔ خدمت گار تو ہم ہیں آپ جیسے کرم ؤ
کے۔"

اس بار سب کچھ رضوان کی سمجھ سے باہر ہو گیا۔ "مَیں سمجھا نہیں۔"

"ہمارا ایک ادارہ ہے۔ تھکے ہوئے جسموں کو آسودگی فراہم کرنا اور ان کی تھکن
کرنا ہمارا نصب العین ہے۔"

پہلی بار رضوان کو اس کال میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ "وہ کیسے؟"

"ہمارے پاس اس کام کے لیے تربیت یافتہ اسٹاف ہے۔ وہ لوگ جسم اور اس
نظام پر اتھارٹی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جسم کے کس حصے پر کس انداز میں کتنی مالش
جائے تو کہاں کہاں سے درد اور تھکن کھینچی جاسکتی ہے۔"

"مَیں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ کس قسم کا ادارہ چلا رہی ہیں؟" رضوان نے کہ

"یہاں سنڈریلاز کے نام سے میرا بیوٹی پارلر ہے---- دو ہزار گز کے بنگلے پر او
علاقے میں ایسے مصروف کاروباری لوگ بھی رہتے ہیں، جن کے پاس دن میں سر کھ
کے لیے فرصت بھی نہیں ہوتی۔ انہیں ہم رات میں ہوم سروس فراہم کرتے ہیں۔
نئے نئے آئے ہیں۔ مَیں نے کہا، آپ سے پوچھ لوں۔ ممکن ہے، آپ کو ہماری خدما
ضرورت ہو۔"

"جی ہاں، ضرورت تو ہے۔" رضوان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اسٹاف میں ہر رنگ، نسل اور قومیت کے لوگ ہیں۔ آپ کی کوئی
چوائس ہو تو بتا دیں۔"

اب رضوان پوری طرح سمجھ گیا کہ یہ نئے دور کا قحبہ خانہ ہے۔ اس نے کہا۔
الحال تو آپ کسی ہم وطن کو ہی بھیج دیں۔ میں آپ کا حسنِ ذوق دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آج تک کسی نے اس سلسلے میں شکایت نہیں کی۔" وہ پھر ہنسی۔ "ٹھیک ہے۔
خدمت گار ایک گھنٹے تک پہنچ جائے گا۔"

"مَیں منتظر ہوں، مگر آپ نے نام تو بتایا ہی نہیں اپنا؟"

"مجھے میڈم زوبی کہتے ہیں، اچھا بائی۔"

رابطہ منقطع ہو گیا۔ ایک مسئلہ بیٹھے بٹھائے حل ہو گیا تھا۔ رضوان سوچ رہا تھا کہ
افی دولت میں بڑی قوت ہے۔ اس نے چوکیدار کو انٹرکام پر بتایا کہ کوئی خاتون آنے والی
ہیں، انہیں اندر بھیج دے۔

ایک گھنٹے بعد اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ آنے والی ایسی ہی خوب صورت
تھی۔



میڈم زوبی نے سلیمان کو فون کیا تھا مگر وہاں سے جواب حوصلہ افزا نہ تھا۔ "جسمانی
تھکن؟" سلیمان نے حیرت سے کہا تھا۔ "کیسی جسمانی تھکن---- مَیں دن بھر پڑا اینڈتا
رہتا ہوں، مفت کی روٹیاں توڑتا رہتا ہوں۔ تھکن کا کیا سوال کہ مَیں اسے دور کرنے کے
لیے کسی کی خدمت حاصل کروں۔"

"اوہ، تب تو آپ اضمحلال کا شکار ہوں گے۔" میڈم نے امید بھرے لہجے میں کہا۔
"ہمارے پاس ایسی تربیت یافتہ فنکارائیں موجود ہیں، جو چند ساعتوں میں آپ کا اضمحلال
دور کر کے آپ کو تازہ دم کر دیں گی۔" میڈم نے فنکاراؤں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی
طری محتاط پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ورنہ وہ اس طرح کی گفتگو میں لڑکیوں کی پیشکش
کا صرف تاثر ہی منتقل کرتی تھی۔ براہِ راست کبھی ایسی بات نہیں کرتی تھی۔ اس کا سبب
یہ نہیں تھا کہ اسے گرفت کا ڈر ہو، پولیس کی تو اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں
تھی۔ اعلیٰ ترین سطح کے افسر اور حکام اس کے حلقہ بگوش تھے، مگر پھر بھی وہ محتاط رہتی
تھی۔ یہ اس کی عادت---- بلکہ فطرت تھی۔

"میرا اضمحلال جسمانی نہیں، روحانی ہے میڈم!" سلیمان نے ماؤتھ پیس میں آہ بھر کے
کہا۔ "آپ کے پاس کسی صوفی، کسی روحانی معالج کا پتا ہو تو مجھے دے دیں۔"

"وہ بھی آپ کو دے دوں گی، لیکن آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کا مسئلہ صرف روحانی

نہیں، جسمانی بھی ہے۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں میڈم۔ مَیں درحقیقت زمانۂ قدیم کا وحشی انسان ہوں قسائی کی دکان سے خریدا ہوا گوشت اور ہوٹل کا پکا ہوا کھانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مجھے شکار کرکے کھانے میں لطف آتا ہے۔ مَیں پیسے سے آسائشات خریدنے کا قائل ہوں۔"

"آپ مجھے مایوس کر رہے ہیں۔" میڈم مایوس ہونے والی نہیں تھی۔ "آپ ایک مجھے موقع تو دیتے۔ میرے پاس ہر رنگ اور ہر نسل کی منتخب اور حسین ترین دوشیزائیں موجود ہیں۔" وہ اور غیر محتاط ہو گئی۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔" سلیمان نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ ایسا کریں اپنا فون نمبر دے دیں، ضرورت پڑی تو مَیں خود کال کر لوں گا۔"

میڈم نے فون نمبر اور اپنے ملنے کے اوقات نوٹ کرائے پھر بولی۔ "ایک منٹ، آپ کے شوق شکاریات میں بھی آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ ایک بہت خوب صورت ہرنی کا پتا مَیں آپ کو دیتی ہوں، آپ اپنے شکار کا شوق پورا کر لیں۔"

"شکریہ، اس کی بھی ضرورت نہیں۔" سلیمان نے کہا۔ "آپ ہرنی کی بات کر رہی ہیں، مَیں تو شیرنی کا شکار بھی ہانکے کی مدد سے نہیں کرتا۔ اور ہاں، مَیں شکار کرکے بھیڑیوں کے سامنے ڈالنے کا بھی قائل نہیں ہوں، اوکے بائی۔"

میڈم کے ذہن میں کئی مردانہ قسم کی گالیاں گڈمڈ ہو کر رہ گئیں۔ "THANK YOU FOR LISTENING" اس نے بڑے تحمل سے کہا۔

سلیمان نے رابطہ منقطع ہونے سے پہلے ہی ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ عدنان کی طرف مڑا جو اس کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ "کون تھا؟" اس نے پوچھا۔

"دورِ جدید کی ایک نائیکا تھی۔"

"تمہیں تو یار پیسے نے بھی نہیں بدلا، وہی کے وہی ہو----" عدنان نے کہا۔

"لفنگے کہنا چاہتے تھے نا۔" سلیمان نے اس کی بات مکمل کر دی۔ "دولت مجھے دو وجوہ سے نہیں بدل سکی۔ ایک تو اس لیے کہ مجھے بن مانگے مل گئی۔ مجھے ایسی کوئی آرزو نہیں

تھی۔ دوسرے دولت آدمی کو بگاڑتی ہی ہے نا، سو مَیں پہلے سے بگڑا ہوا ہوں۔"

"تمہارا فلسفہ میری سمجھ میں فوری طور پر نہیں آتا۔ کافی دیر بعد میں بات سمجھ میں آتی ہے۔" عدنان نے کہا۔

"شکر کرو، سمجھ میں آجاتی ہے۔ دراصل قدرت نے مجھے وقت سے پہلے دنیا میں بھیج دیا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کیا کاروبار کیا جائے۔ فی الوقت تو سامنے یہی مسئلہ ہے۔"

"اور یہ کوئی مسئلہ نہیں، کچھ بھی کر لو۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق مَیں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ مگر رکاوٹ یہ ہے کہ مَیں جانتا ہوں، یہ دولت مجھے کیسے ملی ہے، تمہیں نہیں معلوم۔"

"تو مجھے بتا دو۔" عدنان نے کہا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے سلیمان کے دولت مند ہونے کے سلسلے میں تجسّس کا اظہار کیا تھا۔

"یہ دولت مجھے شیطان سے ملی ہے۔"

عدنان نے غور سے اپنے دوست کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "تو یہ تم پر شیطان کی عنایت ہوئی ہے۔"

"جی نہیں۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ مَیں تو پہلے ہی شیطان کا چیلا ہوں۔ اس کی یہ عنایت رضوان پر ہوئی ہے۔ مجھے تو یہ سب رضوان کے طفیل ملا ہے۔"

"مَیں سمجھا نہیں۔" عدنان نے حیرت سے کہا۔

سلیمان نے اسے تفصیل سے بتایا۔

عدنان کی حیرت دوچند ہو گئی۔ "لیکن نہ تم رضوان کے دشمن ہو اور نہ ہی رضوان تمہارا دشمن ہے۔" اس نے کہا۔

"مَیں جانتا ہوں کہ مَیں رضوان کا دشمن نہیں۔ مگر کیا تم رضوان کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہو؟"

عدنان سوچ میں پڑ گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے کہا۔ "واقعی---- رضوان کا رویہ بہت

عجیب سا ہو گیا ہے۔ اتنا قریب رہتے ہوئے بھی وہ ہم سے کبھی ملنے نہیں آیا۔ وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وجہ ہے شیطان۔" سلیمان نے کہا۔ "اسے تفرقہ ڈالنا بہت پسند ہے۔ اس نے رضوان کو باور کرایا ہے کہ مَیں اس کا بدترین دشمن ہوں۔ یوں وہ سچ مچ میرا دشمن ہو گیا۔ ظاہر ہے' شیطان نے اس سے کہا کہ جو کچھ وہ مانگے گا' دگنا ہو کر اس کے بدترین دشمن کو ملے گا اور رضوان نے دیکھ لیا کہ اس سے دوگنا مجھے مل رہا ہے۔ چنانچہ مَیں اس کا دشمن ہی ہوا۔"

"تو شیطان رضوان پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہے اور ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔" عدنان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"فی الحال تو ایسا ہی لگتا ہے' مگر مَیں بھی شیطان کا چیلا ہوں۔ کوئی ترکیب ضرور سوچوں گا۔ مَیں آج بھی رضوان کا دوست ہوں۔"

"خیر چھوڑو اس بات کو۔ بات کاروبار کی ہو رہی تھی۔ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"مَیں شیطان کی دی ہوئی اس دولت سے شیطان ہی کو زک پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"جبکہ تم خود کو شیطان کا چیلا کہتے ہو؟"

"شرمندگی سے کہتا ہوں' مگر مَیں جانتا ہوں کہ وہ میرا ہی نہیں' پوری نسلِ آدمؑ کا ازلی دشمن ہے اور دشمن کو شکست دینا انسان کا مقصد ہونا چاہیے۔"

"مگر کس طرح؟"

"یہی تو سوچنا ہے۔ کچھ نہ کچھ سوجھے گا مجھے۔ فی الحال تو چلنے کی تیاری کرو۔"

"کہاں؟"

"یاد نہیں' جبار صاحب کے ہاں پارٹی ہے۔"

"ہاں' یاد آ گیا۔ ایک تو یار مَیں تمہاری پارٹیوں سے تنگ آ چکا ہوں۔" عدنان نے بے زار ہو کر کہا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ یہ سوشل لائف ہے۔ پھر تم جانتے ہو کہ اس طرح میرا کاروبار بھی چمکتا ہے۔"

عدنان ہنستا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کبھی کبھی اسے حیرت ہوتی کہ سلیمان نے کتنی آسانی سے خود کو اس نئے ماحول میں ڈھال لیا ہے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ ان تقریبات میں اس کا کاروبار خوب چمک رہا تھا---- شرطوں کا کاروبار! وہ کسی سے بھی کسی بڑی رقم کی شرط لگا بیٹھتا اور شرط وہ کبھی ہارتا نہیں تھا اور وہ جس حلقے میں تھے' وہاں دس بیس ہزار کسی کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی' بلکہ شرطوں کے حوالے سے سلیمان کی شہرت ہو گئی تھی۔ وہ اپنی زندہ دلی کی وجہ سے مقبول بھی تھا۔ خاص طور پر خواتین میں اور عدنان کو اس نے اپنے بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔



دو ہفتے اور گزر گئے۔ صرف نو دن باقی رہ گئے' مگر رضوان ابھی تک سلیمان کو سزا دینے کی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا' لیکن بہرحال اب وہ پہلے کے مقابلے میں پُرسکون تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی راتیں آباد ہو گئی تھیں اور یہ میڈم زوبی کا کمال تھا۔

وہ یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ میڈم زوبی کے عجائب خانے میں ہر رنگ اور ہر نسل کے نوادرات موجود تھے۔ درحقیقت وہ اتنے بڑے پیمانے پر کاروبار کر رہی تھی کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

رضوان کو کوئی کام نہیں تھا بلکہ اس سلسلے میں تو اس نے سوچا تک نہیں تھا۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ دس کروڑ پر اسے انٹرسٹ ہی اتنا مل جاتا تھا کہ اسی میں وہ عیش سے رہ سکتا تھا۔ اصل رقم کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

رات اس کی رنگ رلیوں میں گزرتی اور دن سلیمان کی نفرت میں بھٹکتے گزرتا۔ وہ سوچتا رہتا کہ ایسی کون سی خواہش کرے کہ اس کے لیے انعام ہو اور سلیمان کے لیے سزا۔ یہ اس کی ذہانت کے لیے چیلنج بن گیا تھا' مگر جیسے جیسے دن گزر رہے تھے' وہ مایوس

ہوتا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے اپنی تیسری خواہش سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اس لیے کہ اب وہ کم از کم سلیمان کو خود سے بڑھ کر فائدہ نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ ایسی ہی کوئی خواہش سوچنے کی کوشش کے بعد تھک ہار کر بیٹھا تھا۔ ہر بار وہ ناکام رہتا اور اس کے نتیجے میں بری طرح جھنجلاتا تھا۔ میڈم زوبی اور اس کے حسین اور مہربان کارکن نہ ہوتے تو شاید فرسٹریشن اسے مار ہی ڈالتا مگر اس سے پہلے ہی وہ رات کی رنگینیوں کے تصور میں پناہ لے لیتا تھا۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اسے یقین تھا کہ یہ میڈم زوبی ہو گی۔ اس کے سوا کوئی تھا ہی نہیں فون کرنے والا، مگر دوسری طرف سے مردانہ آواز سن کر جھٹکا لگا۔ جھٹکا ایسا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہیں سکا۔ "کون ہو تم؟" اس نے بداخلاقی اور اکھڑپن سے کہا۔

"مجھے بھول گئے؟" سلیمان کے لہجے میں دکھ تھا۔

رضوان کو خود بھی حیرت ہوئی۔ اتنے برسوں کے ساتھ، اتنی قربت---- اور پھر بھی کوئی دوست کی آواز نہ پہچانے۔ ایک لمحے کو اسے شرمندگی سی ہوئی، پھر اندر سے کسی نے اسے یاد دلایا کہ سلیمان اس کا دشمن ثابت ہو چکا ہے۔ "کیسے فون کیا ہے؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"یہ یاد دلانے کے لیے کہ مَیں تمہارا دوست اور اچھے برے وقت کا ساتھی ہوں اور تمہارے گھر کے سامنے ہی رہتا ہوں۔ یہ بھی عبرت کا مقام ہے کہ اتنے نزدیک ہوتے ہوئے بھی مَیں تمہیں فون کر رہا ہوں۔"

"دیکھو سلیمان، اب ہمیں یہ تکلف ترک کر دینا چاہیے۔ تم میرے دوست نہیں، دشمن ہو۔" رضوان نے سرد لہجے میں کہا۔

"مَیں تو اب بھی تمہارا دوست ہوں۔" سلیمان کے لہجے میں افسردگی تھی۔ "لیکن ہمارے ازلی دشمن شیطان نے تمہیں باور کرا دیا ہے کہ مَیں تمہارا بدترین دشمن ہوں اور یوں تم میرے دشمن بن گئے ہو۔ سنبھل جاؤ میرے دوست، یاد رکھو، شیطان کا سب سے

پسندیدہ کام دوستوں کے درمیان تفرقہ ڈالنا ہے۔"

"ایک تو ہم میں یہ بڑی خرابی ہے کہ ہم اپنی خرابیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر بوجھ شیطان پر رکھ دیتے ہیں۔ خیر، یہ بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟"

"یار، مَیں تمہارے بغیر خود کو بڑا نامکمل محسوس کر رہا ہوں۔"

"مگر مَیں تمہارے بغیر خوش و خرم، مطمئن اور بے حد مکمل ہوں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو---- اور اس کی ایک وجہ بھی ہے۔ تم میرے لیے نیکی اور روشنی کی علامت تھے اس لیے مَیں تمہیں مِس کرتا ہوں۔ مَیں تو برا آدمی تھا، برا ہوں، لیکن تمہیں کیا ہو گیا میرے دوست----؟"

"اب یہ ڈراما نہ کرو۔ مَیں دھوکا نہیں کھاؤں گا۔" رضوان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اس بار وہ غصے سے کھولتا رہا۔ سلیمان نے فون کر کے اس کے زخم ہرے کر دیے تھے۔ وہ پھر خواہش کے بارے میں سوچ رہا تھا تاکہ سلیمان کو سزا دے سکے، مگر اسے تو ویسے ہی اس سلسلے میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ غصے میں تو عقل ویسے ہی خبط ہو جاتی ہے۔

بڑی دیر کے بعد پھر فون کی گھنٹی نے ہی اسے اس عذاب سے نجات دلائی۔ اس نے چونک کر انسٹرومنٹ کو بدمزگی سے دیکھا۔ وہ ریسیور اٹھاتے ہوئے ہچکچاتا رہا کہیں پھر سلیمان کی ٹھوس آواز نہ سننی پڑے۔ فون کی گھنٹی چیختی رہی۔ رضوان نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ یہ میڈم زوبی کے فون کا وقت تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "رضوان اسپیکنگ!"

"کیا بات ہے؟ مصروف تھے آپ؟" دوسری طرف سے میڈم زوبی نے پوچھا۔

"ہاں، ایسی ہی بات ہے۔"

"کیا ارادہ ہے؟"

"مَیں تو منتظر ہوں۔"

ہر روز کی طرح میڈم زوبی اچانک ویٹریس بن گئی۔ "تو سر آج مینو سن لیں۔ چنبیلی ہے' گلاب ہے' موتیا ہے اور نرگس ہے۔۔۔۔"

"تم کبھی سورج مکھی کا نام نہیں لیتیں؟" رضوان نے کہا۔

"انسانی سورج مکھی سے تو سب ڈرتے ہیں سر۔"

"اوہ۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اور پھلوں میں کیا ہے؟" رضوان نے پوچھا۔ یہ ان کے کوڈورڈز تھے۔ مقامی لڑکیاں پھول تھیں اور پھل غیر ملکی لڑکیاں تھیں۔

"پھلوں میں اسٹرابری ہے' چیری ہے' رس بھری ہے اور آلوچہ ہے۔"

"آم نہیں ہے؟"

"آم کا موسم نہیں ہے اس لیے اس کی ڈیمانڈ بھی زیادہ ہے۔"

رضوان سوچ میں پڑ گیا۔ اچانک اسے ایک اچھوتا خیال سوجھا۔ "میڈم' تمہاری آواز بہت خوب صورت ہے۔"

"شکریہ۔ آپ کا حُسنِ سماعت ہے۔" میڈم نے کھنکتی ہنسی کے درمیان کہا۔

"تمہاری اسٹاف میں اب تک مَیں نے کسی کی اتنی پیاری آواز نہیں سنی۔ تم یقیناً بہت حسین بھی ہو گی۔"

"ضروری نہیں سر۔ میرا وڈیو اتنا اچھا نہیں' جتنا آڈیو۔"

"مگر مجھے یقین ہے کہ دیکھنے میں تم سننے سے زیادہ حسین ہو گی۔"

"حسین تو میں ہوں مگر آپ کو سوٹ نہیں کروں گی۔" میڈم سنجیدہ ہو گی۔

"پھر بھی آج تم ہی آجاؤ۔"

"معذرت خواہ ہوں سر۔ آج تو ممکن نہیں' ہاں اگر آپ حکم کریں گے تو اگلے ہفتے آج ہی کے دن حاضر ہو جاؤں گی۔ دراصل مصروفیات ہی ایسی ہیں۔"

رضوان کو مایوسی ہوئی۔ درحقیقت آواز کے حوالے سے وہ کئی دن سے میڈم زوبی کا تصور کر رہا تھا۔۔۔۔ اور تصور نے آتشِ شوق اتنی بھڑکا دی تھی۔ خیر' ایک ہفتے بعد سہی۔

"چلو۔۔۔۔ آج اسٹرابری بھیج دو۔" اس نے کہا۔

"بہت بہتر سر!"



سلیمان اداس بھی تھا اور خوف زدہ بھی' اور دونوں کا تعلق رضوان سے تھا۔ اداس وہ اس لیے تھا کہ دوست ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ اب کبھی وہ دوست کی حیثیت سے نہیں مل سکیں گے۔ خوف زدہ وہ رضوان کی دشمنی سے نہیں تھا' اس سے تو وہ نمٹ سکتا تھا' لیکن وہ جانتا تھا کہ ابھی رضوان نے صرف دو خواہشیں کی ہیں' تیسری ابھی باقی ہے اور رضوان یقیناً اس بات پر کڑھ رہا ہو گا کہ ہر بار دگنا فائدہ سلیمان کو پہنچا ہے۔ اب تیسری خواہش کے ذریعے وہ اسے سزا دینے کے چکر میں ہو گا اور یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ وہ ایک آنکھ گنوا کر اسے دونوں آنکھوں سے محروم کر سکتا تھا۔ یہی نہیں' اور بھی بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ اس بہت کچھ کا تصور بھی مضبوط سے مضبوط اعصاب والے کو خوف زدہ کرنے کے لیے بہت کافی تھا۔

یہ تسلی ضرور موجود تھی کہ اسے اذیت دینے کے لیے رضوان کو خود بھی اذیت اٹھانی ہو گی' مگر رضوان جانتا تھا کہ دشمنی کیسا طاقت ور جذبہ ہے۔ اگر یہ احساس ہو کہ ہم جو تکلیف اٹھائیں گے' دشمن کو اس سے دوگنی تکلیف اٹھانی ہو گی تو آدمی مرنے کے سوا کچھ بھی کر سکتا ہے۔

پھر سلیمان نے اس خوف کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جو ہونا تھا' وہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔ اس نے سوچا' جب سر پر پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔ یوں سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کرنے سے کیا فائدہ۔ اتنے فائدے پہنچے ہیں تو نقصان کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

اس نے پھر کاروبار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ ایسا کاروبار جو شیطان کے لیے اذیت کا باعث ہو اور شیطان کو اذیت صرف نیکی ہی پہنچا سکتی ہے۔ کوئی ایسا کاروبار' جو دراصل نیکی ہو۔

وہ سوچتا رہا۔ کئی دن گزر گئے۔ پھر اس کے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ موہوم سا

خیال! وہ اس کے خدوخال واضح کرنے میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"میں نے کاروبار سوچ لیا ہے۔ تمہیں اس سلسلے میں میری مدد کرنا ہو گی۔" اس نے عدنان سے کہا۔

"میں تیار ہوں۔ مفت کی روٹیاں توڑتے توڑتے تنگ آ چکا ہوں۔" عدنان بولا۔

"اس انداز میں بات کر کے تم میرا دل دکھاتے ہو۔"

"تم کاروبار کے بارے میں بتا رہے تھے؟" عدنان نے یاد دلایا۔

"ہاں۔ مَیں شہر میں ایک ایسا فلاحی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہوں جس کے تحت چوبیس گھنٹے کھانے کا سلسلہ چلتا رہے۔ کوئی بھی شخص دن یا رات کے کسی بھی حصے میں وہاں پہنچے تو اسے پیٹ بھر کر کھانا ملے۔"

عدنان کا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "یہ کیا کاروبار ہوا؟"

"بھوکے کا پیٹ بھرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔" سلیمان نے کہا۔ "اس کا اجر بھی سب سے زیادہ ہے۔ اس میں دھوکا بھی نہیں ہوتا۔ جو کھانے کے لیے آئے گا' سو فیصد بھوکا ہو گا خواہ اس کی جیب خالی ہو یا بھری ہوئی' پیٹ بہرحال خالی ہو گا۔"

"مگر حرام کی دولت سے نیکی کرو گے تو اجر نہیں ملے گا۔"

"اجر کا تو مَیں سوچ بھی نہیں سکتا۔ گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا آدمی ہوں۔ مَیں تو بس شیطان کو اذیت دینا چاہتا ہوں---- اسی کی دی ہوئی دولت سے۔"

عدنان نے اس بار سنجیدگی سے اس کی بات پر غور کیا پھر بولا۔ "بات تو ٹھیک ہے لیکن تم نے غور نہیں کیا کہ یہ کام بہت بڑا ہے۔"

"تمہیں اس میں جو دشواریاں نظر آتی ہیں' وہ بتاؤ۔"

"یہ کام ایسا ہے کہ اس کے لیے قارون کا خزانہ بھی ناکافی ہو گا۔" عدنان نے کہا۔ "اب ہم کسی شخص کو کھانا کھانے سے روک نہیں سکتے۔ مفت کا کھانا ملے گا تو کون چھوڑے گا۔ حساب کتاب لگا کر دیکھو۔ ویسے تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"میرے پاس بیس کروڑ کی رقم ہے۔ میں انیس کروڑ دے کر ایک ٹرسٹ بنا دوں گا۔ جب سلسلہ چلے گا تو مجھے یقین ہے کہ مخیر لوگ بھی مدد کریں گے اور کوئی سبیل بھی نکل آئے گی۔ ہم شروع تو کریں۔"

"مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"تم ٹرسٹ کے خزانچی ہو گے اور تمام انتظام میرے ساتھ سنبھالو گے۔"

"بہت بھاری ذمے داری ہے' مگر تمہاری خاطر مجھے قبول ہے۔"

"بس تو حساب لگاؤ۔ ایک دن کے اخراجات کی اوسط نکالو۔ کتنے ملازمین رکھنا ہوں گے۔ پوری تفصیل مجھے بتاؤ' پھر میں بینک جا کر بات کروں گا۔"

"او کے' باس۔"

سلیمان کے سر سے جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ وہ ہلکا پھلکا ہو گیا۔ وہ اپنا خوف اور دکھ بھی بھول گیا۔ مگر اس رات اسے فرزانہ بڑی شدت سے یاد آئی۔ یہ بات نہیں کہ ایسا پہلی بار ہوا ہو۔ سچ یہ ہے کہ وہ فرزانہ کو کبھی بھول ہی نہیں سکا تھا' مگر وہ خود سے لڑتا رہا تھا۔

اس رات اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے فرزانہ کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ تیسری گھنٹی کے بعد فون اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو؟" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"ہیلو فرزانہ۔" سلیمان نے بمشکل کہا۔ فون کر لیا تھا تو اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کرے۔ "پہچانا مجھے؟"

"بھول سکتی ہوں بھلا!" فرزانہ کے لہجے میں مسرت تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ ایک دن آپ میری بات ضرور مانیں گے۔ آپ مجھے فون ضرور کریں گے۔"

سلیمان گڑبڑا گیا۔ "یہ بات نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "بس یہ ہے کہ مَیں بھی کبھی تمہیں بھول نہیں سکا۔ لیکن میرے فون کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ----"

"اوہ!" فرزانہ کی آواز بجھ سی گئی۔ "پھر شاید آپ یہ جاننا چاہتے ہوں گے کہ ممکن ہے میرے نظریات تبدیل ہو گئے ہوں۔"

"یہ بات بھی نہیں۔" سلیمان نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "بس آج تم زیادہ یاد آ رہی تھیں۔" پھر اس نے موضوع بدلا۔ "میرے پاس تمہارے لیے خوش خبری ہے۔ جانتی ہو مَیں کہاں سے بات کر رہا ہوں؟"

"گھر سے کر رہے ہو گے' گھر پر فون لگ گیا کیا؟"

"یہ تو ٹھیک ہے کہ مَیں گھر سے فون کر رہا ہوں مگر وہ گھر نہیں' اب مَیں ساحلِ سمندر پر رہتا ہوں۔" سلیمان نے اسے تفصیل سے بتایا۔

آواز سے لگتا تھا کہ وہ اور بجھ گئی ہے۔ "مبارک ہو۔ اب تو میرا اور آپ کا جوڑ نہیں رہا۔"

"پہلے بھی نہیں تھا۔" سلیمان کا لہجہ افسردگی آمیز ہو گیا۔ "فرق میری دولت سے نہیں پڑا ہے۔ مَیں پہلے ہی سمجھتا ہوں کہ مَیں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ مَیں بہت برا ہوں اور جتنا مَیں نے غور کیا ہے' تم مجھے اتنی ہی اچھی لگی ہو۔"

"اپنے اندر اچھے انسان سے آپ واقف نہیں' حیرت ہے۔ مَیں نے پہچان لیا تھا... پہلی ہی نظر میں۔"

"یہ تمہاری معصومیت اور خوش گمانی ہے۔ تم نہیں جانتیں---- اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ مَیں کتنا برا ہوں۔"

"کسی کو اتنی شدت سے برائی کا احساس ہو تو یہ اس کی اچھائی کی دلیل ہے۔"

"مَیں تمہیں لا کر اپنا گھر دکھانا چاہتا ہوں۔" سلیمان نے پھر موضوع بدلا۔

"مَیں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔" فرزانہ نے افسردگی سے کہا۔ "مَیں آپ کی منتظر رہوں گی' اچھا خدا حافظ۔"

سلیمان کچھ کہنا چاہتا تھا مگر رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ وہ اداس ہو گیا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اسے فرزانہ سے محبت ہو گئی ہے۔



رضوان کو اپنی تیسری خواہش کی فکر تو اب بھی تھی' لیکن ذہنی طور پر اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ اسے ضائع ہی کرنا پڑے گا۔ اسے کوئی ایسی خواہش نہیں سوجھی تھی' جو سلیمان کے لیے دگنی ہو کر سزا ثابت ہو۔

اس ہفتے کا ایک ایک دن اس نے گن گن کر گزارا تھا۔ وہ میڈم زوبی کو دیکھنے اور اس کی قربت سے حظ اٹھانے کو تڑپ رہا تھا۔ آج اس کی یہ خواہش پوری ہونے کا وقت آ گیا تھا اور شیطان کی دی ہوئی مہلت کے بھی صرف دو دن رہ گئے تھے' مگر اب اسے اس مہلت کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اس روز وقت گزارنا اس کے لیے دشوار ہو گیا۔ ہر پل اسے انتظار تھا کہ کسی طرح رات ہو اور میڈم زوبی آ جائے۔ میڈم نے اس روز فون پر جس انداز میں اپنے خوب صورت نہ ہونے کے امکان کی بات کی تھی' وہ اس بات کی دلیل تھا کہ وہ بہت حسین ہو گی۔

جیسے تیسے دن گزرا اور رات ہو گئی۔ رضوان سے ٹھیک طور پر کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ وہ گیارہ بجنے کا انتظار کرتا رہا کیونکہ میڈم کا فون اسی وقت آتا تھا۔ گیارہ بجے فون کی گھنٹی بجی۔ پہلی ہی گھنٹی پر رضوان نے بے تابی سے ریسیور اٹھا لیا۔ "رضوان اسپیکنگ۔"

"کیا آپ اب بھی اپنی ضد پر قائم ہیں؟" میڈم زوبی نے پوچھا۔

"میں تمہارا منتظر ہوں۔"

"سوچ لیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کو مایوسی ہو۔"

"تم آجاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ جانیں' مَیں آ رہی ہوں۔"

اس روز رضوان خلافِ معمول خود گیٹ پر چلا گیا۔ وہ میڈم زوبی کا استقبال کرنا چاہتا تھا' لیکن میڈم اسے کچھ زیادہ ہی انتظار کرانا چاہتی تھی۔ وہ بارہ بج کر پانچ منٹ پر آئی اور جب وہ آئی تو رضوان اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

میڈم زوبی بلاشبہ بہت حسین عورت تھی۔ اس کا چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔ سرخ سپید رنگت' بے داغ نازک جلد اور ترشے ہوئے نقوش۔ اس کو دیکھ کر رضوان کو اس کی بات یاد آ گئی۔ اس نے فون پر کہا تھا' ممکن ہے' مَیں آپ کو سوٹ نہ کروں اور یہ بات سوفیصد درست تھی۔

میڈم زوبی کا قد چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ رضوان کا اپنا قد پونے چھ فٹ تھا' مگر میڈم کے سامنے وہ خود کو بونا محسوس کر رہا تھا۔ اور بات صرف قد کی نہیں تھی۔ اسی حساب سے میڈم کی کاٹھی بھی تھی۔ وہ بھاری بھرکم تھی' مگر اس کے جسم پر کہیں فاضل وزن ذرا بھی نہیں تھا۔ اس جُثّے کے ساتھ اس کا جسمانی تناسب قیامت خیز اور حشر انگیز تھا۔

"میرا خیال ہے' آپ کو مجھ سے مایوسی ہوئی ہے۔" میڈم نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ فکر نہ کریں۔ مَیں متبادل بندوبست کر کے آئی تھی-----"

"تم غلط سمجھی ہو میڈم!" رضوان نے جلدی سے کہا۔ "تم اتنی حسین ہو کہ لفظ تمہاری تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ مَیں تمہیں دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔ حسن اور شخصیت کا ایسا امتزاج مَیں نے کبھی نہیں دیکھا۔ مَیں تمہاری آمد پر تمہارا شکر گزار ہوں' آؤ-----"

وہ میڈم کو اندر لے گیا۔



اگلے روز دوپہر کے بعد رضوان سو کر اٹھا تو اس کا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ اسے میڈم زوبی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات یاد آئے تو اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے جھینپ کر ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ بیڈ روم میں اکیلا تھا۔

اس پورے دن وہ میڈم کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میڈم ناقابلِ تصور حد تک خوب صورت اور خوش بدن تھی اور بہت منکسر المزاج اور تعاون کرنے والی تھی۔ اس کے باوجود رضوان کو اس سے متوقع طمانیت حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اس کی موجودگی' اس کی قربت میں ایک لمحے کو بھی EASY نہیں رہا تھا۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی موجودگی میں اسے اپنے کمتر ہونے کا احساس ستاتا رہا تھا۔

اور اب دن کے اجالے میں وہ غور کر رہا تھا۔ رات کو بھی اسے احساس ہوتا رہا تھا کہ اسے کوئی بہت کام کی بات معلوم ہوئی ہے' لیکن اس کا ذہن اس بات کو گرفت میں نہیں لے پا رہا تھا۔ اب بھی اسے ایسا لگتا تھا کہ کوئی بات ذہن میں آتے آتے اوجھل ہو جاتی ہے۔

وہ سوچتا رہا۔ اس کی کوئی حِس بتاتی تھی کہ وہ بات بہت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ تھک ہار کر اس نے رات کے تجربے سے اخذ کردہ نتائج کو ترتیب سے ذہن میں جمانا شروع کیا۔

۱۔ حسن کیسا ہی دل نشین کیوں نہ ہو' ہر ایک کے لیے طمانیت بخش نہیں ہوتا۔ بلکہ بے سکونی کا باعث ہو سکتا ہے۔ (یہ فیصلہ اس نے میڈم زوبی کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کا تصور کر کے کیا تھا)

۲۔ جوڑ کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ بے جوڑ خوب صورتی اچھی نہیں ہوتی۔

اس نے یہاں تک ہی سوچا تھا کہ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس بار وہ خیال اس کے شعور کی گرفت میں آگیا' جو اب تک چھب دکھا کر اوجھل ہوتا رہا تھا اور وہ بہت چونکا دینے والا خیال تھا۔

اب وہ تیسری خواہش کر کے سلیمان کو سزا دے سکتا تھا!

وہ اس سلسلے میں سوچتا رہا اور جزئیات طے کرتا رہا۔ پھر اس نے کاغذ قلم سنبھال لیا اور تفصیل نوٹ کرنے لگا۔ اس اہم موقع پر وہ کوئی لغزش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جیسے جیسے قلم کاغذ پر چل رہا تھا' اس کے وجود میں طمانیت تیرتی جا رہی تھی-----

فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ اس وقت وہ آواز اسے بہت بری لگی۔ اس نے دیواری گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بجے تھے۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"سر' آج کا مینو بتاؤں؟"

"شکریہ میڈم' لیکن آج مَیں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" رضوان نے کہا۔

"مجھ سے بہت زیادہ مایوس ہوئے ہیں آپ؟"

"نہیں۔ منہ کا ذائقہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔" رضوان نے ہنس کر کہا۔ "تمہارے بعد مشکل ہے کہ کوئی اور بھائے گا۔"

"مجھے بنا رہے ہیں آپ؟" وہ اٹھلائی۔

"نہیں' سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر کل سہی۔"

"شکریہ۔"

ریسیور رکھنے کے بعد رضوان نے اس کاغذ کا جائزہ لیا' جس پر وہ نوٹ کر رہا تھا۔ اس نے طمانیت سے سرہلایا۔ اس کے خیال میں تفصیل مکمل تھی مگر پھر بھی وہ جلد بازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مزید سوچتا رہا۔ ممکن ہے' کوئی اور اہم بات سمجھ میں آجائے۔

مگر مطمئن ذہن سوچنے پر آمادہ نہ تھا۔ فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوا بارہ بجے تھے' وہ مسکرا دیا۔ شیطان کی دی ہوئی مہلت کا آخری دن شروع ہو چکا تھا اور یہ اس کی کامیابی کا' اس کے لیے سب سے بڑی خوشی کا دن تھا۔

اس نے یا شیطان دہرانا شروع کر دیا۔ اچانک ہی شیطان اس کے روبرو تھا۔ "کہو تیسری خواہش کیا ہے؟"

رضوان نے کاغذ دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ "مجھے بیس برس کی ایک ایسی حسین و جمیل دوشیزہ چاہیے' جس کے جسمانی و نفسانی تقاضے میرے جسمانی اور نفسانی تقاضوں کے عین مطابق ہوں۔ وہ میری ایسی تابع دار ہو کہ میری ہر بات بلاچون و چرا مانے۔ خوب صورتی میں وہ بے مثل ہو۔ گورا رنگ' کمر سے نیچے تک دراز بال' بڑی بڑی آنکھیں' بھرے بھرے ہونٹ' قد پانچ فٹ چھ انچ' اب فگرز نوٹ کرو----" یہاں رضوان نے حسینۂ عالم کا معیار ذہن میں رکھا تھا۔

"بہت خوب!" شیطان مسکرایا۔ "اس بار تم نے اپنے دشمن کا بیڑا غرق کر ہی دیا۔ تمہاری خواہش پوری کی جائے گی۔ پندرہ منٹ بعد اس عورت کا استقبال کر لینا۔"

رضوان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ شیطان اسے عجیب سی

نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ "کیا بات ہے؟"

"مَیں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مجھے نہ مانگ لو۔"

اس بار شیطان نسوانی آواز میں بولا تھا اور وہ آواز رضوان کو جانی پہچانی لگی تھی۔ "کیا مطلب؟"

"چلو' مَیں تمہیں اپنا اصلی روپ دکھا دوں۔ اس کے بغیر تم کیسے سمجھو گے۔"

رضوان نے حیرت سے آنکھیں جھپکائیں۔ اسی اثناء میں شیطان کا حلیہ بدل گیا۔ اب اس کی جگہ ثقیلہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔ رضوان نے آنکھیں مل مل کر کئی بار دیکھا لیکن وہ ثقیلہ ہی تھی۔ "تم؟"

"ہاں---- یہ مَیں ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ تم مجھے مانگو گے۔ مَیں سمجھی تھی کہ مجھے کبھی نہیں بھولو گے۔"

"تم نے مجھ پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا تھا۔" رضوان نے پوری سچائی سے بتایا۔

"یہ بھی اچھا ہی ہوا ورنہ میری زندگی تباہ ہو جاتی۔" ثقیلہ مسکرائی۔ "اب کہو تو مَیں تمہیں ایک رات دے سکتی ہوں۔"

"اور وہ جو آ رہی ہے؟"

"وہ تو تمہاری تابع دار ہے۔ تم کہو گے کہ سو جاؤ تو فوراً سو جائے گی۔ ویسے مَیں تمہاری ذہانت کی قائل ہو گئی۔" ثقیلہ اب اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ایک الوداعی رات سہی۔" رضوان نے کہا اور انٹرکام پر چوکیدار کو ہدایت کی کہ اس کی ایک مہمان آنے والی ہے' اسے اندر بھیج دے۔

تقریباً تیرہ منٹ بعد رضوان کی خواہش مجسّم ہو کر کمرے میں داخل ہوئی تو اس کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ وہ تو حُسن کا شاہکار تھی۔ رضوان نے خاصی دیر بعد اس کے سراپا سے نظریں ہٹا کر ثقیلہ کو دیکھا تو وہ اسے بدصورت لگنے لگی۔ "تمہارا بہت شکریہ ثقیلہ۔ اب تم جاؤ۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" ثقیلہ نے حیرت سے کہا۔

"اس کے سامنے تم چڑیل لگ رہی ہو۔ مجھے تمہاری عنایت نہیں چاہیے۔"

ثقیلہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "تم بہت کمینے ہو۔ تم نے میری بڑی توہین کی ہے۔" وہ روہا ہو کر بولی۔ "میں تمہیں اس کی سزا ضرور دوں گی---- اور ابھی دوں گی۔"

"شیطان ہونے کے باوجود تم میں عورت پن ہے۔ اب دفع ہو جاؤ۔" رضوان بے رخی سے کہا۔

ثقیلہ نے اسے شرربار نظروں سے دیکھا اور اگلے ہی لمحے غائب ہو گئی۔

رضوان اس قتالۂ عالم کی طرف متوجہ ہو گیا جو دروازے پر کھڑی تھی۔ "آؤ۔۔ میرے قریب آؤ۔"

"جو حکم میرے آقا۔" رضوان کی تیسری خواہش نے کہا اور دھیرے دھیرے اس طرف بڑھنے لگی۔

رضوان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے برانگیختہ جذبات' اس کی خواہش سرد گئی۔ اس کا جی چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹے۔ اتنی احتیاط کے باوجود اس ۔ غلطی ہو گئی تھی اور اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

لڑکی کی آواز بھاری اور کرخت مردانہ آواز تھی۔

اسی لمحے ثقیلہ دوبارہ نمودار ہوئی' وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ "عیش کرو میرے محبوب میں چلتی ہوں۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے میرے آقا؟" قتالۂ عالم نے اپنی بھیانک مردانہ آواز میں پوچھا۔

"جاؤ' اس کمرے میں پڑ کر سو جاؤ۔"

وہ فوراً چلی گئی۔ رضوان نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب رات اسے تنہا ہی گزارنی ہو گی۔ پھر بھی طمانیت کی ایک بات اور تھی۔ سلیمان پر جو افتاد پڑی ہو گی' اس کے متعلق سوچ کر ہی اس کا دل خوش ہو گیا۔



سلیمان کو سوئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ انٹرکام کے بزر نے اسے اٹھا دیا۔ وہ جھنجلا کر اٹھا۔ "کیا بات ہے؟" وہ انٹرکام پر غرایا۔

"صاحب---- دو چڑیلیں آئی ہیں---- بہت خوفناک سر!" انٹرکام پر چوکی دار کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا بکواس ہے؟"

"سر---- آپ خود آ کر دیکھ لیں۔ میں انہیں روک بھی نہیں سکتا۔ وہ اندر گھس آئی ہیں۔"

"عورتیں ہیں؟"

"چڑیلیں ہیں' سر جی۔"

"میں آ رہا ہوں۔" سلیمان نے جھنجلا کر کہا۔

وہ خواب گاہ سے نکلا۔ صدر دروازہ کھولتے ہی اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے سامنے دو دیو قامت عورتیں کھڑی تھیں۔ انسان کے لیے اس قد کا تصور نہیں کیا جا سکتا' جو ان کے تھے۔ اسے چوکی دار کی بات درست ہی معلوم ہوئی۔ وہ چڑیلیں لگ رہی تھیں۔

خوف اس پر بھی طاری ہو گیا تھا مگر اس نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھالا۔ "کون ہو تم؟" اس نے بارعب آواز میں پوچھا۔

"میں ناڈیا ہوں----" ایک بولی۔

"اور میں واڈیا ہوں۔" دوسری نے کہا۔

دونوں کی آوازیں بھاری اور مردانہ تھیں۔ سلیمان کا گھبراہٹ سے برا حال تھا لیکن وہ خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ "یہاں تمہارا کیا کام؟"

"ہم آپ کے لیے یہاں آئے ہیں' آقا۔" دونوں عورتوں نے بیک آواز کہا۔

اسی لمحے چوکیدار دوڑتا ہوا آیا۔ "آپ---- آپ ٹھیک تو ہیں، سرجی؟"

"ہاں، تم جاؤ۔" سلیمان نے کہا۔ وہ بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا نیند میں ڈوبا ہوا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے دونوں دیو قامت عورتوں کو بغور دیکھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ وہ بہت حسین تھیں۔ یہ کہنا آسان نہیں تھا کہ وہ متناسب الاعضا بھی ہیں، مگر یہ حقیقت تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اتنے طویل قد کے ساتھ اعضا کا وہ تناسب پہلی---- دوسری---- تیسری بلکہ بیسویں نظر میں بھی کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔

سلیمان کو اندازہ تھا کہ ہم قامت عورتوں کا قد گیارہ فٹ سے کسی طور پر کم نہیں ہو گا۔

"ہمارے لیے کیا حکم ہے، آقا!" عورتوں نے اسے چونکا دیا۔

سلیمان پریشان ہو گیا۔ اب ان عورتوں کو کہاں کھپایا جائے۔ آدھی رات کو عجیب افتاد پڑی تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ تو مقامِ شکر ہے۔ دن کا وقت ہوتا تو وہ تماشا بن جاتا۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں، بس اتنا علم ہے کہ ہمیں آپ کی ہر بات ماننی ہے۔" ایک عورت نے کہا۔

سلیمان نے کہا۔ "تم کسی طرح اندر آ سکتی ہو؟"

"کوشش کریں گے۔"

صدر دروازہ ساڑھے سات فٹ اونچا تھا۔ دونوں بڑی مشکل سے اندر آئیں، لیکن دشواری یہ تھی کہ اندر بھی وہ سیدھی کھڑی نہیں ہو سکتی تھیں۔ چھت دس فٹ اونچی تھی۔ انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا، مگر سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کمرے میں فانوس بھی تھے۔

"بس---- یہیں بیٹھ جاؤ۔" سلیمان نے گھبرا کر کہا۔

وہ دونوں قالین پر بیٹھ گئیں۔ سلیمان کو خیال آیا کہ انہیں باغیچے میں سلانا ہی مناسب

رہے گا، مگر فوراً ہی اس نے اس خیال کو رد کر دیا۔ وہ تماشا نہیں بننا چاہتا تھا۔ "تم لوگ یہیں لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

نیند کا تو اب سوال ہی نہیں تھا۔ وہ ان عورتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ ان کے اندر آنے کے بعد اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا قد گیارہ فٹ کے لگ بھگ ہے۔ اور وہ بے حد حسین اور خوش بدن عورتیں تھیں۔ اگرچہ اسے یہ حقیقت قبول کرنے میں دشواری ہو رہی تھی، مگر اسے احساس تھا کہ اگر اس کی جگہ کوئی بارہ فٹ کا مرد ہوتا تو ان کے لیے پاگل ہو جاتا۔

مگر یہ سب کیا ہے---- اور میرے ہی ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟

اچانک ذہن میں روشنی سی چمکی اور بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ہو نہ ہو، یہ رضوان کی تیسری خواہش کا شاخسانہ ہے۔ اس نے سوچا۔ اسے ہر چیز، تعداد میں اور مقدار میں رضوان سے دوگنی مل رہی تھی۔ گویا رضوان نے ایک ایسی حسینہ کی خواہش کی تھی جس کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہو اور بدن بے حد متناسب ہو۔ چنانچہ اسے گیارہ گیارہ فٹ کی دو حسینائیں ملی تھیں۔ اب وہ ان کے فِگرز کا اندازہ بھی کر سکتا تھا---- ۷۲، ۴۴، ۱۷۲"

وہ اس کے کسی کام کی بھی نہیں تھیں۔ بس ان میں ایک خوبی اس کے مطلب کی تھی۔ وہ اس کی تابع دار تھیں۔ اس خوبی سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور غور کرتا رہا۔ بالآخر وہ سمجھ گیا کہ ان بلاؤں سے پیچھا چھڑانا کچھ مشکل نہیں، اسے ایک حل سوجھ گیا تھا۔ مگر اس وقت اسے رضوان پر بہت شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، ڈیڑھ بجا تھا۔

وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ وہاں وہ دونوں آرام کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھنے لگیں۔ "لیٹی رہو۔" اس نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم میری ہر بات مانو گی؟"

"جی ہاں۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے۔"

"کس نے دیا ہے؟"

"یہ تو ہمیں نہیں معلوم' بس ہم یہ بات جانتے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اب میرا حکم ہے کہ تم سامنے والے بنگلے میں رضوان کے پاس چلی جاؤ اور وہیں رہو۔ تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑنا ہے اور ہاں' تم کسی سے یہ نہیں کہو گی کہ تم میرے لیے بھیجی گئی ہو اور تم رضوان کی ہربات مانو گی مگر بنیادی طور پر میری ہی تابع دار رہو گی۔"

"ایسا ہی ہو گا' آقا۔" وہ دونوں اٹھنے لگیں۔

"ذرا احتیاط سے۔ فانوس کا خیال رکھنا۔"

ان کے جانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں فون کے پاس بیٹھا ٹیلی فون ڈائریکٹری میں کام کے کچھ نمبر تلاش کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس رات نیند اس کے نصیب میں نہیں۔ یہی بہت ہے کہ اس نے بہت بڑے مسئلے کو بہت کم وقت میں حل کر لیا تھا۔

اسے بیٹھے مشکل سے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی بجی' وہ مسکرایا۔ سب کچھ توقع کے مطابق ہو رہا تھا۔



اس بار تو رضوان کے دیوتا ہی کوُچ کر گئے۔ کچھ اس لیے بھی کہ یہ افتاد اس کے لیے خلافِ توقع تھی۔ وہ تو خوش ہو رہا تھا کہ اس نے سلیمان کو اس بار سزا دی ہے اور ٹھیک ٹھاک سزا دی ہے۔ اب اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں وبال میں آ گیا ہے۔ ان بلاؤں کو تو سلیمان کے پاس جانا تھا۔ وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ اس کی ہربات مان رہی تھیں' مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے تنہا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھیں۔ یہی سب سے بڑی مصیبت تھی۔ ان کی موجودگی میں وہ ٹھیک طرح سے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے سلیمان کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی کے بعد ریسیور پر سلیمان کی آواز ابھری۔ "یہ تم نے میرے ساتھ کیا کر دیا ہے؟" رضوان نے

چھوٹتے ہی کہا۔

"کون---- رضوان!" سلیمان کی آواز نیند سے ڈوبی ہوئی تھی۔ "کیا کہہ رہے ہو؟ مَیں نے تو کچھ نہیں کیا ہے۔"

"بنو مت۔ تم جانتے ہو کہ مَیں کیا کہہ رہا ہوں۔ مَیں ان دو بلاؤں کا کیا کروں' جو تم نے میرے سر منڈھ دی ہیں؟"

"پتا نہیں' تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"مَیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تم البتہ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔"

"تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ وہ دونوں بلائیں میری خواہش کے نتیجے میں تم پر نازل ہوئی تھیں۔"

"تو تم اعتراف کر رہے ہو کہ تم نے میرے ساتھ برائی کی تھی؟"

"میری وجہ سے تمہیں بیس کروڑ ملے۔ میری وجہ سے تمہیں یہ بنگلہ ملا۔ اس وقت تو تم نے کوئی شکایت نہیں کی----"

"مَیں تو اب بھی شکایت نہیں کر رہا ہوں۔ تم ہی شکایت کر رہے ہو۔ صرف اس لیے کہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں خود گر گئے ہو۔"

رضوان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سلیمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس نے لہجہ بدلتے ہوئے لجاجت سے کہا۔ "پلیز---- میری مدد کرو۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہ بتاؤ کہ تم نے کس ترکیب سے ان سے پیچھا چھڑایا ہے؟"

"یہ تو ٹریڈ سیکرٹ ہے' مَیں نہیں بتاؤں گا۔"

"تو جیسے اپنی جان چھڑائی ہے' میری جان بھی چھڑا دو۔" رضوان گڑگڑایا۔

"تم خود ہی کچھ کرو----"

"پلیز سلیمان' مَیں مصیبت میں ہوں' میری مدد کرو۔ تم میرے دوست ہو۔"

"تمہارے خیال میں تو مَیں تمہارا بدترین دشمن ہوں۔"

"میرے خیال کو چھوڑو۔ تم جانتے ہو کہ تم میرے کیا ہو۔"

"مَیں تو تمہارا دوست ہوں اور رہوں گا۔ بے فکر رہو' مَیں تمہارا مسئلہ حل کر دوں گا۔ مسئلے کا حل تو مَیں نے سوچ لیا تھا۔ مَیں نے یہ سوچ کر انہیں تمہاری طرف بھیج دیا کہ ذرا تمہیں بھی اندازہ ہو جائے ورنہ مَیں تو ہمیشہ تمہارا بھلا ہی چاہوں گا' برا نہیں۔ اب تم ایسا کرو' انہیں سونے کا حکم دو' خود بھی سو اور مجھے بھی سونے دو۔ صبح مَیں تمہارے گھر آؤں گا۔"

"پلیز سلیمان-----!"

"مجھ پر اعتماد کرو اور بے فکر ہو کر سو جاؤ۔"

رضوان نے ریسیور رکھا تو وہ مطمئن تھا۔ اسے بس سلیمان کی ہدایات پر عمل کرنا تھا۔



ٹھیک اسی وقت ثقیلہ' باطل کو سب کچھ تفصیل سے بتا رہی تھی۔ البتہ اس نے اپنی توہین والا حصہ چھپا لیا تھا۔

باطل ہنسنے لگا۔ "یہ تو برا ہوا بے چارے کے ساتھ۔ اتنی حسین عورت کی ایسی آواز سن کر کیا گزری ہو گی اس پر؟"

"ایسا لگا کہ کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی انڈیل دی ہو اس پر۔" ثقیلہ بھی ہنسنے لگی۔ "لیکن بے چارہ نہ کہو اسے' یہ آدمی بڑے طوطا چشم ہوتے ہیں۔"

"ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟" باطل نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

"اس نے اپنے بہترین دوست سے اس طرح نظر پھیری کہ یقین نہیں آتا۔" ثقیلہ نے جلدی سے بات بنائی۔ "لیکن اس کی ذہانت پر مجھے رشک آتا ہے۔ اس نے خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دوست پر کیسا عذاب مسلط کیا ہے۔"

"یعنی میرے شکار پر ہاتھ ڈالا ہے۔" باطل نے کہا۔ "اس بے چارے پر نہ جانے کیا گزری ہو گی۔ بہرحال تمہارا کام تو ہو گیا۔ اب میری باری ہے۔"

"تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"بس کام شروع کروں گا۔ اس دُہری لمبی تڑنگی افتاد نے اسے ویسے ہی نڈھال کر دیا ہے۔ مَیں اسے آسانی سے شکار کر لوں گا۔ مَیں کل ہی جاؤں گا اس کے پاس۔"

"وِش یُو گڈ لک۔ کیونکہ وہ مجھے زیادہ چالاک اور خطرناک لگتا ہے۔"

"دیکھیں گے۔"



سلیمان دس بجے کے قریب رضوان کے گھر پہنچا۔ رضوان بیدار ہو چکا تھا۔ اس کی متورّم آنکھوں سے پتا چلتا تھا کہ وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ دو دیو قامت عورتیں سر پر مسلط ہوں تو کون سو سکتا ہے۔

"خدا کے لیے کچھ کرو یار۔" رضوان اسے دیکھتے ہی گڑگڑایا۔

"سب ہو جائے گا' پریشان نہ ہو۔" سلیمان نے دلاسا دیا۔ "پہلے تم مجھے اپنی تیسری خواہش دکھاؤ۔ قیامت ہو گی قیامت۔"

رضوان کھسیا گیا۔ "قیامت ہے۔ نظر کے لیے بھی اور سماعت کے لیے بھی۔"

سلیمان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ قیامت اس کے سامنے آئی تو وہ دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ "ہوں---- تو اپنے لیے یہ حسینہ اور میرے لیے یہ عفریت۔"

رضوان جھینپ گیا۔ "ابھی صرف دیکھا ہے' ذرا سن بھی لو۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی تیسری خواہش سے کہا۔ "میرے دوست سے کچھ بات کرو۔"

"آپ کیسے ہیں؟" حسینہ نے کہا۔

سلیمان پہلے تو اس کی آوز سن کر گھبرایا' پھر ہنسنے لگا۔ رضوان کا منہ بن گیا۔ اس نے حسینہ سے کہا۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس کے جانے کے بعد رضوان' سلیمان کی طرف مڑا۔ "مَیں اس سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

سلیمان کہنا چاہتا تھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ اسے بس اتنا حکم دے دو کہ وہ کبھی

زبان نہ کھولے۔ اس کے بعد عیش ہی عیش لیکن اس نے رضوان سے یہ بات نہیں کہی۔ جانتا تھا کہ یہ بھی دشمنی ہو گی۔ شیطان کی عنایت سے پیچھا چھوٹنے ہی میں عافیت ہے۔

"یہ کام بھی ہو جائے گا۔"

"مگر کیسے؟"

"دیکھتے رہو۔ مَیں ابھی ایک جگہ جا رہا ہوں' تم میرا انتظار کرو۔"

ٹیلی فون ڈائریکٹری سلیمان کا مسئلہ حل نہیں کر سکی تھی۔ سرکس والوں کے پاس ٹیلی فون کی سہولت نہیں ہوتی۔ وہ تو بنجارے ہوتے ہیں۔

ان دنوں شہر میں روسی سرکس آیا ہوا تھا۔ سلیمان سیدھا سرکس کے مینجر کے پاس چلا گیا۔ اس نے مینجر کو تینوں عورتوں کے متعلق بتایا۔ مینجر پہلے تو بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا مگر جب سلیمان نے کہا کہ خود چل کر دیکھ لے تو وہ اس کے لیے آمادہ ہو گیا۔

تینوں عورتوں کو دیکھ کر مینجر کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ پھر وہ سلیمان کے ساتھ باہر آ گیا۔ "مگر انہیں کنٹرول کون کرے گا؟" اس نے تشویش سے کہا۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ یہ نہایت تابع دار ہیں' ہر حکم مانیں گی۔"

"مگر خوب صورت عورت کی آواز بہت بھیانک ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ اسے بھی کسی ایکٹ میں استعمال کر سکتے ہیں---- اور وہ ایکٹ بہت کامیاب ثابت ہو گا۔" سلیمان نے کہا۔ "اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ہم ان کے عوض آپ سے کچھ بھی نہیں لے رہے ہیں۔"

"انہیں لے جانا بھی ایک مسئلہ ہو گا۔" مینجر نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"یہ آپ کا دردِ سر ہے۔ کہیں تو مَیں کہیں اور بات کروں؟"

"ارے نہیں۔" مینجر نے جلدی سے کہا۔ "مَیں انہیں لینے کے لیے کب آؤں؟"

"رات ایک بجے۔"

مینجر چلا گیا۔ سلیمان نے پوری بات رضوان کو بتائی۔ "رات ایک بجے تمہیں ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔ تم اپنی والی کو حکم دو اور مَیں اپنی والیوں کو سمجھاؤں گا۔ انہیں اب عمر

بھر اس مینجر کی تابع داری کرنی ہے' اب مَیں چلوں گا۔"

"تم مجھے ان کے پاس چھوڑے جا رہے ہو؟" رضوان نے گھبرا کر کہا۔

"ان سے تمہاری جان چھڑانے کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب مجھے پریشان نہ کرنا۔ رات کا معاملہ بھی خود ہی نمٹا لینا۔"

رضوان احتجاج کرنا چاہتا تھا مگر اسے ہمت نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت سلیمان کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔



رات کے بارہ بجے تھے۔ سلیمان سو نہیں سکا تھا۔ جب تک سرکس والے ان عورتوں کو نہ لے جاتے' وہ سکون سے سو بھی نہیں سکتا تھا۔

اچانک خواب گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ "کون ہے؟" سلیمان نے پکارا۔

"میں اندر آ سکتا ہوں؟" ایک مردانہ آواز نے پوچھا۔

"آ جاؤ۔" سلیمان نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اگلے ہی لمحے بند دروازے میں سے گزر کر ایک شخص اندر آ گیا۔

"تم کون ہو بھئی؟" سلیمان نے پوچھا۔

"میں تمہارا دوست ہوں۔"

"تب تو یقیناً" شیطان ہو؟" سلیمان کے لہجے میں سوال تھا۔

"ہاں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" سلیمان نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

باطل اس کی خود اعتمادی اور بے خوفی پر حیران تھا۔ اسے یہ شخص بہت خطرناک لگا۔ تاہم وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" سلیمان نے پوچھا۔

"مَیں نے کہا نا کہ مَیں شیطان ہوں۔"

سلیمان مسکرایا۔ "مَیں جانتا ہوں کہ شیطان ایک طرح کا عہدہ ہے---- صفتِ بد ہے۔ میں تمہارا نام پوچھ رہا ہوں۔"

باطل نروس ہونے لگا۔ "مَیں باطل ہوں۔"

"بہت خوب۔ تو باطل، تم میرے پاس بے سبب تو نہیں آئے ہو گے؟"

"مَیں تمہارے پاس ایک کاروباری سلسلے میں آیا ہوں۔"

"کاروبار؟"

"خرید و فروخت کو شاید کاروبار ہی کہا جاتا ہے؟" باطل کے لہجے میں اعتماد کی کمی تھی۔

"مجھ سے کچھ خریدنا چاہتے ہو یا مجھے کچھ فروخت کرنا چاہتے ہو۔"

باطل نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس طرح کے انٹرویو سے واسطہ پڑے گا۔ اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔ "مجھے کچھ خریدنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"میرے پاس ایسی کون سی چیز ہے؟"

"آپ کی رُوح۔" باطل نے اسے احترام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔

"لیکن رُوح بیچ دی تو مَیں مر جاؤں گا۔ رُوح کے بغیر تو کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ہمیں فوری طور پر ڈیلیوری نہیں چاہیے۔ آپ ہمیں یہ اختیار دیں گے کہ موت کے وقت ہم آپ کی رُوح اپنے قبضے میں لے لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" سلیمان نے طمانیت سے سرہلایا "اور اس کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟"

"مَیں آپ کی تین خواہشیں پوری کروں گا۔"

"صرف تین خواہشیں اور رُوح جیسی بیش بہا چیز۔" سلیمان نے حقارت سے کہا۔

"آپ سوچیں تو سہی، جو بھی آپ چاہیں گے، آپ کو ملے گا۔"

"نہیں بھئی، قیمت بڑھاؤ۔"

باطل بوکھلا گیا۔ "یہی قیمت متعین کی گئی ہے۔ مَیں اس میں اضافہ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے یہ قیمت قبول نہیں۔" سلیمان نے بے پروائی سے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

باطل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ تاہم چند لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد وہ اٹھا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ متاسف تھا۔ اسے عملی زندگی میں جو پہلا کام سونپا گیا تھا، وہ اس میں ناکام ہو رہا تھا۔ شرمندگی سے اس کا برا حال تھا۔

"سنو----!" سلیمان نے اسے پکارا۔

باطل رکا۔ اس نے پلٹ کر امید بھری نظروں سے اپنے شکار کو دیکھا، جو شکاری ثابت ہو رہا تھا، مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ تین خواہشوں کی ترغیب کم نہیں ہوتی، آخر مان گیا نا----

"میرا ایک پیغام پہنچا دینا۔ میرا مرتبہ بلند ہے۔ مَیں اپنے ہی مرتبے کے شیطان---- یعنی ابلیس سے کاروبار کر سکتا ہوں۔ ابلیس کے سوا کوئی میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ نتائج کا ذمے دار وہ خود ہو گا۔"

باطل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ یہ کس قسم کا آدمی ہے، جو ہزا یکسیلنسی کا نام اتنی بے تکلفی سے لے رہا ہے۔ وہ جلدی سے خواب گاہ سے نکلا کہ اور کچھ نہ سننا پڑ جائے۔ بہتری اسی میں تھی کہ نکل لیا جائے۔

اس کے جانے کے بعد سلیمان مسکرایا، مگر فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔ اسے احساس تھا کہ اس نے تکبّر کیا ہے، مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر مسکرا دیا۔ اگر یہ بات اللہ کے دربار تک پہنچ گئی تو اس کا شمار تکبّر میں نہیں، عاجزی میں ہو گا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی جو سلیمان کے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ اس کی توقع کے مطابق دوسری طرف رضوان تھا۔ "انہیں بھجوا دیا؟" سلیمان نے پوچھا۔

"ہاں، مگر مَیں نے ایک اور بات کہنے کے لیے فون کیا ہے۔"

"کہو----" سلیمان نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم نے میرے ساتھ جو کمینگی کی ہے، وہ مَیں کبھی نہیں بھولوں گا اور مَیں اس کا بدلہ بھی ضرور لوں گا۔"

"واقعی---- تم بہت احسان فراموش اور طوطا چشم ثابت ہوئے ہو، مگر مَیں بھی ایک

بات کہوں گا۔ مَیں ہمیشہ تمہارا بھلا ہی سوچوں گا۔ اس لیے کہ مَیں تمہارا دوست ہوں۔
یہ کہہ کر رضوان کا جواب سنے بغیر اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔



چانسلر کئی گھنٹے سے ایک نیک آدمی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اچانک اسے اپنے سینے میں گہرا سیاہ بلب بجھتا جلتا محسوس ہوا۔ وہ ٹھٹک گیا۔ یہ سگنل اسے صرف اس وقت دیا جاتا تھا' جب اس سے ملنا ناگزیر ہو۔

چند لمحوں میں اسے معلوم ہو گیا کہ اسے پکارنے والا باطل ہے۔ وہ بادلِ ناخواستہ واپس چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باطل کے کمرے میں تھا۔ "کہو' کیا بات ہے؟" اس نے خشونت بھرے لہجے میں باطل سے کہا۔

باطل نے ڈرتے ڈرتے اسے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چانسلر مسکرا رہا ہے۔

"تو تمہارا چہرہ فق کیوں ہو رہا ہے؟" چانسلر نے کہا۔

"یہ میرا پہلا اسائنمنٹ تھا یور ایکسیلنسی!"

"اس سے تمہاری اہلیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ آدمی تمہارے بس کا تھا ہی نہیں۔ مَیں نے اسی لیے یہ کام تمہیں سونپا تھا کہ تم دیکھ لو' دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو میرے سوا کسی کے بس کے نہیں----"

"پھر بھی مَیں شرمندہ ہوں' یور ایکسیلنسی!"

"رہنے دو۔ اسے مَیں خود دیکھوں گا اور ہاں' کل تمہیں نئی فائل بھجوا دی جائے گی۔ اس پر کام شروع کر دینا۔"

"تھینک یُو یور ایکسیلنسی!"

"بس اب آرام کرو۔"



سلیمان اپنے بستر پر لیٹا بے خبر سو رہا تھا کہ کسی غیر معمولی احساس کے تحت اس کی آنکھ کھل گئی۔ جاگتے ہی اس کی نظر پائنتی کی جانب کھڑی بدہیئت اور خوفناک مخلوق پر پڑی۔ اس کے سر پر کانٹوں کا تاج تھا جس میں سے دو سینگ باہر نکلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس کے بڑے بڑے بدنما دانت تھے۔ چہرہ بالکل سیاہ تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس کے نقوش دیکھنا ناممکن تھا۔

سلیمان تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم بلا اجازت اندر کیسے آئے؟" اس نے ڈپٹ کر کہا۔

شیطان کو اس سے خوف زدگی کی توقع تھی۔ اس کے ردِّعمل سے اسے مایوسی بھی ہوئی اور تشویش بھی۔ تاہم اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے بلایا تھا۔"

"تو بھائی سرکس کا مسخرا بن کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں کوئی فینسی ڈریس پارٹی تو نہیں ہو رہی ہے۔"

توہین کے احساس سے ابلیس کا چہرہ اودا ہو گیا۔ "مَیں تم سے کاروباری سلسلے میں ملنے آیا ہوں' میری توہین مت کرو۔"

"مَیں تو کروں گا' بلا اجازت آئے' میری نیند خراب کی اور اوپر سے یہ حلیہ' آئینہ بھی دیکھ لیا کرو کبھی۔" سلیمان نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "رہی بات کاروبار کی تو اس کی خواہش بھی تمہیں ہے' مجھے نہیں۔ جی چاہے تو بات کرو' ورنہ چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

ابلیس نے سوچا کہ یہ توہین بھی پی لی جائے۔ بعد میں اس شخص سے نمٹا جائے گا۔ "تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگا؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ڈر----!" سلیمان نے حقارت سے کہا۔ "بچے تمہیں اسے حُلیے میں دیکھ لیں تو تم سے بھوت بھوت کھیلنے کی فرمائش کرنے لگیں۔ مجھے ڈر لگے گا---- ہُنہہ----"

"اچھا اب کاروبار کی بات ہو جائے۔"

"کاروباری بات تو دور کی بات ہے۔ اس حُلیے میں تو مَیں تمہیں بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہوں گا۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟" شیطان نے زچ ہو کر پوچھا۔

"میرے سامنے اپنی اصلی شکل میں آؤ۔ مَیں بہروپیوں کے ساتھ کاروبار نہیں کرتا۔ وہ دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

"ابھی لو۔" ابلیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اگلے ہی لمحے ابلیس اپنی اصلی شکل و صورت میں اس کے سامنے تھا۔

سلیمان نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اس کے نقوش بلاشبہ کبھی بہت خوب صورت رہے ہوں گے، مگر صدیوں کی لعنت نے انہیں مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔ پھٹکار کا یہ عالم تھا کہ نقوش کی دلکشی اس کی تہوں میں دب کر رہ گئی تھی اور اسے دیکھنا آسان کام نہیں تھا۔

"بہت غور سے دیکھ رہے ہو؟" ابلیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میری خوب صورتی پر حیرت ہو رہی ہو گی۔"

"پہلی بار اس قدر ملعون چہرہ دیکھ کر عبرت پکڑ رہا ہوں۔ ویسے تمہارے ذلیل القدر ہونے پر مجھے کوئی شبہ نہیں۔"

"لعنت مجھ پر اتنی بھیجی جا چکی ہے کہ مذمت مجھے بری نہیں لگتی۔" ابلیس نے اذیت بھرے لہجے میں کہا۔ "لیکن کوئی اپنا پھول بھی مارے تو پتھر سے بڑھ کر لگتا ہے۔"

"چلو بیٹھ جاؤ اور کام کی بات کرو۔" سلیمان نے خشک لہجے میں کہا۔

ابلیس بیٹھ گیا۔ "میری پیش کش تو تم تک پہنچ چکی ہے۔ تمہیں اس میں کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں، مگر مَیں براہِ راست تم سے معاملات طے کرنا چاہتا ہوں۔ اس تیسرے درجے کے شیطان سے معاملت میرے لیے توہین کی بات ہے۔"

"تم خود کو بڑی توپ چیز سمجھتے ہو؟"

"یہ تو خیر تم دیکھ لو گے۔" سلیمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے کہ مَیں زبانی بات پر اعتماد نہیں کرتا۔ تحریری معاہدے کا قائل ہوں۔"

"پہلی بار کسی نے یہ بات کی ہے۔" شیطان نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"مَیں نے ایل ایل بی کیا ہے۔" سلیمان نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "یہ الگ بات ہے کہ وکالت نہیں کر سکا، سو مَیں یہ شوق آج پورا کر لوں گا۔ ویسے تجسّس کے تحت تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اگر مناسب سمجھو تو----؟"

"ضرور پوچھو۔"

"تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"یہی کہ تم میرے بے حد اپنے ہو اور شرط لگانا تمہاری ہابی ہے، جو مجھے پسند ہے۔"

"تو پھر تمہیں میری روح خریدنے کی کیا ضرورت ہے؟ کسی نیک آدمی پر کام کرو۔"

"یہ بات تم نہیں سمجھو گے۔"

"خیر تم جانو۔ مَیں معاہدہ ڈرافٹ کرتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

سلیمان نے دو کاغذات تیار کیے اور ایک ابلیس کی طرف بڑھا دیا۔ ابلیس نے اسے غور سے پڑھا۔ "تین خواہشیں پوری نہ کر سکا تو معاہدہ کالعدم ہو جائے گا اور اس سے پہلے مَیں نے جو کچھ دیا ہو گا، وہ واپس نہیں لوں گا۔ معقول بات ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔ "لیکن میرے دوست، یہ ممکن نہیں۔ مَیں تمہاری تینوں خواہشیں پوری کروں گا۔ ہاں، ایک شرط میری بھی شامل کر لو۔ تم مجھے کسی بدی سے روکنے کی خواہش نہیں کرو گے اور مجھے کسی نیکی پر مجبور نہیں کرو گے۔"

سلیمان نے معاہدے میں یہ شق بھی شامل کر دی۔

ابلیس نے طمانیت سے سرہلایا۔ "ٹھیک ہے، اب دستخط کر دو۔"

اس دستاویز پر دستخط نہیں ہوں گے۔" سلیمان نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "اس پر ہم انگوٹھا لگائیں گے اور وہ بھی اپنے اپنے خون میں تر کر کے۔ یہ تاریخی دستاویز ہے۔ انسان اور ابلیس کے درمیان ہونے والا پہلا قانونی معاہدہ۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

ابلیس نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں شگاف دیا اور داہنے ہاتھ کا انگوٹھا خون میں تر
کے معاہدے کی دونوں کاپیوں پر دستخط کی جگہ لگا دیا۔ سلیمان نے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا
تھا۔ معاہدے کی ایک کاپی سلیمان نے ابلیس کو دے دی اور دوسری اپنے پاس رکھ لی۔

"اب اپنی خواہشیں بتاؤ۔" ابلیس نے کہا۔ "ویسے اس سلسلے میں تمہارے پاس تم
دن کی مہلت ہے۔"

"مَیں جانتا ہوں' لیکن ایک خواہش تو مَیں ابھی کر رہا ہوں۔ یہ میرا اکاؤنٹ نمبر ہے۔
سلیمان نے کاغذ کا ایک ٹکڑا ابلیس کی طرف بڑھایا۔ "اس میں کل بیس ارب ڈالر کی را
جمع کرا کے ڈپازٹ سلپ مجھے لا دو۔"

"اتنی رقم کا تم کیا کرو گے؟"

"اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل رات بارہ بجے مَیں سلپ تمہیں لا دوں گا۔" ابلیس نے کہا۔ "اب مَیں چلتا ہوں۔"

ابلیس تو چلا گیا' لیکن سلیمان جاگتا رہا۔ وہ اپنی خواہشات کے سلسلے میں غور کرنا چاہتا تھا۔ معاہدے کو تحریری شکل دیتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ ابلیس کو شکست دینی ہے۔ فی الوقت اس نے پہلا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ پہلی خواہش پوری ہونے کے بعد اس کے پاس اتنی دولت ہو جاتی کہ وہ عمر بھر لوگوں کو کھانا کھلا سکتا تھا۔ خواہ پورا شہر وہاں کھانا کھائے۔

دوسری خواہش کا خاکہ اس کے ذہن میں تھا۔ اگلے روز وہ اسے کاغذ پر منتقل کرا لیتا۔ رہ گئی تیسری خواہش تو اس کے لیے اس کے پاس بہت وقت تھا۔

تیسری خواہش کے لیے ضروری تھا کہ وہ شیطان کے لیے قطعاً" ناقابلِ قبول ہو۔ وہ اسے پورا کرنے سے انکار کر دے۔ یوں معاہدہ کالعدم ہو جائے اور اس میں ابلیس کی شکست تھی' لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ ابلیس نے معاہدے میں بدی اور نیکی کے حوالے سے جو شق شامل کرائی تھی' وہ بہت اہمیت اختیار کر گئی تھی۔۔ یہاں ابلیس نے بھی بہت

چالاکی دکھائی تھی' مگر سلیمان کے اندر بہت گہرائی میں یہ یقین تھا کہ وہ شیطان کو یقیناً شکست دے گا۔ ابلیس کے لیے اس سے بڑا کیا زخم ہو گا کہ ایک بے حد گناہ گار اور حقیر انسان اسے شکست دے۔

یہ سب سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

اگلے روز وہ شہر کے مرکزی مقامات کا جائزہ لیتا پھرا۔ ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد وہ ایک مشہور و معروف ڈرافٹس مین کے پاس چلا گیا۔



رات کے ٹھیک بارہ بجے ابلیس' سلیمان کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ "یہ لو' تمہاری پہلی خواہش پوری ہو گئی۔" اس نے ڈپازٹ سلپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سلیمان نے ڈپازٹ سلپ چیک کی اور فائل میں رکھ لی۔

"اب دوسری خواہش بتاؤ۔"

سلیمان نے اسی فائل میں سے ایک نقشہ نکالا اور ابلیس کی طرف بڑھایا۔ "اس میں چار ہزار مربع گز کے جس پلاٹ کا نمبر ہے' اس پلاٹ پر اس نقشے کے مطابق عمارت ۲۸ دن کے اندر تعمیر کرا دو۔ بلڈنگ اور پلاٹ میرے نام ہونے چاہئیں' یہ میری دوسری خواہش ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بھی پوری ہو جائے گی۔ تیسری خواہش بتاؤ۔"

"وہ مَیں اس وقت بتاؤں گا جب تم مجھے اس عمارت کا قبضہ بمع کاغذات دو گے۔"

ابلیس غائب ہو گیا۔

اگلے چار ہفتے سلیمان کے لیے بہت مصروفیت ہی کے نہیں' بہت سخت بھی تھے۔ سب سے پہلے اس نے بینک سے رابطہ کیا۔ رقم کی اکاؤنٹ میں موجودگی کی تصدیق ہوتے ہی اس نے ایک وکیل سے بات کی اور ٹرسٹ کے متعلق ہدایات دیں۔ ایک ہفتے کے اندر ٹرسٹ رجسٹرڈ ہو گیا۔

اس دوران میں وہ اس مقام کا بھی جائزہ لیتا رہا جو اس نے دارالطعام کے لیے پسند کیا تھا۔ اس کے مجوزہ پلاٹ پر کام شروع ہو چکا تھا اور جس تیزی سے ہو رہا تھا' اس سے لگتا تھا کہ عمارت دیے ہوئے وقت سے پہلے ہی مکمل ہو جائے گی۔
لیکن تیسری خواہش کے سلسلے میں وہ پریشان ہو رہا تھا۔ اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے عدنان سے بھی بات کی تھی اور اسے بھی سوچنے کے لیے کہا تھا' لیکن سچی بات یہ ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔
ہر گزرتے دن کے ساتھ اس پر دباؤ بڑھتا ہی گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر مقررہ وقت تک وہ ابلیس کے لیے کوئی ناقابلِ قبول خواہش نہ سوچ سکا تو اس کی رُوح ابلیس کی ہو جائے گی۔ یہ خیال اس کے لیے تکلیف دہ ضرور تھا'لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کتنا گناہ گار ہے' البتہ یہ خیال اس کے لیے رُوح فرسا تھا کہ وہ ابلیس سے شکست کھا جائے گا۔
دن گزرتے رہے۔ اس کی بے بسی بڑھتی گئی۔ دارالطعام کی عمارت کو تکمیل کی طرف بڑھتے دیکھ کر اسے وقت گزرنے کا احساس ہوتا اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔ عدنان بھی کوئی ایسی خواہش نہیں سوچ پایا تھا' جسے قبول کرنے سے ابلیس انکاری ہوتا۔
اس کی اعصاب زدگی بڑھتی گئی۔ یہاں تک وہ دن شروع ہو گیا' جس کے اختتام پر اسے عمارت کا قبضہ ملنا تھا---- اور اسی وقت اسے تیسری خواہش کرنا تھی۔
اس روز اس نے دیکھا کہ عمارت نہ صرف مکمل ہو چکی ہے' بلکہ اس کا رنگ و روغن کا کام بھی مکمل ہو چکا ہے۔ وہ شدید مایوسی اور اعصاب زدگی کے عالم میں گھر پہنچا۔ اب وہ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا'لیکن اللہ سے تو اس نے کبھی رابطہ بھی نہیں رکھا تھا۔ وہ تو بہت گناہ گار انسان تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت میں اس نے وضو کیا اور مصلّٰی بچھا کر سجدے میں گر گیا۔ "اے اللہ' مَیں اس قابل بھی نہیں کہ تیری بارگاہ میں حاضر ہو سکوں۔" وہ گڑگڑا رہا تھا۔ "تُو دلوں کے حال جانتا ہے۔ مَیں ابلیس سے جنگ کر رہا ہوں۔ اے غفور الرحیم' اے ارحم الراحمین' میری مدد فرما۔ مجھے راستہ دکھا' میری رہنمائی فرما۔"

اچانک وہ جیسے پھٹ پڑا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ یہ طوفان اتنا شدید تھا کہ اسے لگتا تھا کہ سانسیں رک جائیں گی اور اس کا دل بند ہو جائے گا۔ وہ سجدہ اور وہ گریہ اتنا طویل ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔
نہ جانے کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی گھبراہٹ ختم ہو گئی ہے۔ دل کو جیسے قرار آ گیا ہے۔ اس نے اٹھ کر پھر وضو کیا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنے بیٹھ گیا۔ تلاوت کے بعد وہ قرآنِ پاک کو جُزدان میں رکھ رہا تھا کہ اس کے ذہن میں جیسے سورج نکل آیا۔ وہ خیال تھا ہی اتنا روشن۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ اللہ نے ابلیس کی شکست اس کا مقدر کر دی تھی۔
اس نے قرآنِ پاک کو چوم کر رکھا اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ "واہ میرے رب---- اتنی سامنے کی بات بھی تیری رہنمائی کے بغیر آدمی کو سجھائی نہیں دیتی۔" وہ بڑبڑایا۔ "اور پھر بھی وہ اپنی عقل اور فہم پر اتنا ناز کرتا ہے۔"
اب وہ سراپا طمانیت تھا اور شیطان کا منتظر۔



ابلیس اس رات بھی بارہ بجے آیا۔ اس نے آتے ہی ایک چابی سلیمان کی طرف بڑھائی۔ "یہ لو' تمہاری دوسری خواہش پوری ہو چکی ہے۔"
سلیمان نے چابی نہیں لی۔ "مَیں خود دیکھنا پسند کروں گا۔"
"مَیں جانتا تھا---- چلو---- میرا ہاتھ تھام لو۔" ابلیس نے کہا۔
سلیمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک لمحے کو اس کی پلک جھپک سی گئی۔ اسی لمحے وہ اس عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ اس بار سلیمان نے چابی لی اور گیٹ کی طرف چل دیا۔ گیٹ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا۔ اندر بہت بڑا کمپاؤنڈ تھا۔ اس کے علاوہ نچلی منزل پر صرف ایک ڈائننگ ہال تھا---- بہت بڑا۔
سلیمان عمارت کا جائزہ لیتا پھرا۔ عمارت اس کے بنوائے ہوئے نقشے کے عین مطابق

تھی۔ "تم نے میٹریل میں تو گڑبڑ نہیں کی؟" اس نے ابلیس نے پوچھا۔

"میں اپنوں کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرتا۔" ابلیس نے منہ بنا کر کہا۔ "ہاں---- تمہارے ہم جنسوں کو ٹھیکا دیتا تو گڑبڑ ضرور ہوتی۔"

"ٹھیک ہے، واپس چلو۔"

وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔ خواب گاہ میں ابلیس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب اپنی تیسری خواہش بتاؤ۔"

"پہلے مجھے عمارت کی ملکیت کے کاغذات دو۔"

ابلیس نے کاغذات دے دیے۔ سلیمان نے کاغذات کا جائزہ لیا۔ کاغذات فائل میں رکھنے کے بعد اس نے معاہدہ نکال لیا۔ معاہدے میں تین خواہشوں کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ اس نے پہلی خواہش کی جگہ بیس ارب ڈالر لکھا اور اس کے سامنے لکھا۔ "پوری کر دی گئی۔" پھر دوسری خواہش کے خانے میں تفصیل لکھنے کے بعد اس نے اس کے سامنے بھی---- پوری کر دی گئی---- لکھ دیا۔ "اب ذرا اب اپنا معاہدہ مجھے دو۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟" ابلیس نے اسے شک آمیز نظروں سے دیکھا۔

"تینوں خواہشوں کی تفصیل بھرنی ہے۔ تبھی تو معاہدہ مکمل ہو گا۔"

ابلیس نے ہچکچاتے ہوئے معاہدہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

سلیمان نے اس میں دونوں خواہشوں کا اندراج کیا اور شیطان کی طرف بڑھا دیا۔

"لو---- ایک بار اور پڑھ لو۔"

"کیوں؟"

"اس میں ایک شق کی رُو سے اگر تم نے میری تیسری خواہش پوری کرنے سے انکار کیا تو تمہیں ایک اعترافی دستاویز پر اپنے خون سے انگوٹھا لگانا ہو گا، جس میں لکھا ہو گا کہ ابلیس یہ خواہش پوری کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا معاہدہ کالعدم ہو گیا ہے۔" سلیمان نے فائل میں سے پہلے سے تیار شدہ دستاویز نکالی اور وہ بھی اس کی طرف بڑھائی۔

ابلیس نے وہ دستاویز نہیں لی۔ "ایسا نہیں ہو گا میرے دوست۔ خواہش پوری نہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔"

"تمہیں یقین ہے تو ٹھیک ہے۔ پھر بھی یہ دستاویز لو اور اسے پڑھو اور معاہدے کی اپنی کاپی مجھے دو۔ میں اس پر تیسری خواہش تحریر کر دوں۔"

ابلیس نے معاہدہ اسے دے کر وہ دستاویز لے لی اور اسے پڑھنے لگا۔

سلیمان نے اپنے معاہدے میں تیسری خواہش لکھی اور اس کے آگے لکھا---- "پوری کرنے سے انکار کر دیا گیا۔" پھر اس نے یہی کارروائی ابلیس کی کاپی پر بھی کی۔ اس کے بعد اس نے وہ معاہدہ ابلیس کی طرف بڑھا دیا۔ "لو---- میری تیسری خواہش پوری کر دو۔"

ابلیس نے معاہدے کا کاغذ لے کر اس کی تیسری خواہش پڑھی----!

ایک لمحے کو ایسا لگا کہ وقت کی گردش تھم گئی ہے اور پوری کائنات ساکت ہو گئی ہے! سلیمان بہت غور سے ابلیس کو دیکھ رہا تھا۔ ابلیس کے چہرے کی رنگت متغیّر ہونے لگی تھی۔ "یہ کیا بکواس ہے؟" ابلیس دہاڑا۔

"یہ میری تیسری خواہش ہے۔" سلیمان نے سادگی سے کہا۔

"تجھے اتنی جُرأت کیسے ہوئی؟" ابلیس غصے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"اب میں اپنے منہ سے خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔" سلیمان نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم مجھے سجدہ کرو۔"

روشن کمرہ بتدریج تاریک ہوتا گیا۔ روشنیاں یوں ٹمٹمانے لگیں، جیسے میلوں دور سے نظر آنے والے روشن چراغ ہوں۔ وجہ ابلیس کے چہرے پر پھیلنے والی تاریکی تھی۔ ایسی تاریکی کا کبھی کسی انسان نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس تاریکی میں ابلیس کے چہرے کے نقوش غائب ہو گئے تھے۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں، جن میں جہنم کے شعلوں کی سرخی لپک رہی تھی۔

"تجھے یہ جرأت کیسے ہوئی؟" شیطان دہاڑا۔ اس بار اس کی چیخ سے در و دیوار، بلکہ زمین تک لرزتی ہوئی محسوس ہوئی۔

سلیمان خوف زدہ ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں آیۃ الکرسی کا وِرد کرنے لگا۔ اس سے دل کو تقویت ہوئی تو اس نے کہا۔ "مجھے یہ جُرأت میرے رب نے دی' جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ تیرے تکبّر کی سزا ہے۔ تجھے بڑا گھمنڈ تھا کہ تو میری تین خواہشیں پوری کر سکتا ہے۔ اب اس کی سزا بھگت۔"

"آہ---- میرے ساتھ دھوکا ہوا۔" ابلیس نے کہا اور سر کے بال نوچنے لگا، لیکن اس کے سر کے بال چھوٹے چھوٹے سانپوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ سر سے ٹوٹے ہوئے سانپ کمرے کے فرش پر رینگتے' سرسراتے پھر رہے تھے۔

سلیمان کے دل پر پھر دہشت بیٹھنے لگی۔ ایک لمحے کو اسے لگا کہ دل کی حرکت رک جائے گی۔ اس نے پھر آیۃ الکرسی کا وِرد شروع کر دیا۔ دل کو ذرا تقویت ہوئی تو اس نے کہا۔ "مَیں پھر اپنی تیسری خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔ اے ابلیس' تُو مجھے سجدہ کر۔"

ابلیس نے حقارت سے اسے دیکھا۔ "مَیں---- اور تجھے سجدہ کروں؟ بے وقوف آدم زاد' سجدہ کرنا ہوتا تو آدم کو نہ کرلیتا۔ یہ سجدہ نہ کر کے تو مَیں نے اپنا مقام اور مرتبہ گنوایا' راندۂ درگاہ اور ملعون ہوا۔ قیامت تک کی لعنت سمیٹی۔ تُو کیا سمجھتا ہے' مَیں تجھے سجدہ کروں گا۔ تُو کیا تیری اوقات کیا----"

"تو کیا تُو انکار کر رہا ہے؟ کیا تُو میری تیسری خواہش پوری کرنے سے انکاری ہے؟"

"سو بار انکار' ہزار بار انکار۔" ابلیس نے کف اڑاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر معاہدے سے انحراف کے اعتراف کی دستاویز پر اپنے خون سے انگوٹھے کا نشان ثبت کر دے۔"

یہ بات ابلیس کو ہوش میں لے آئی۔ اس نے تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کی۔ اس کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی تھی۔ غصہ لاحاصل تھا۔ اسے کوئی ترکیب سوچنا تھی۔ ایک گناہ گار انسان پر قابو پانا' اسے پٹانا کچھ دشوار تو نہیں ہوتا۔

"تیری یہ خواہش معاہدے کی شرائط سے متصادم ہے۔" وہ بولا۔

"کیسے؟ تو کس شق کا حوالہ دے رہا ہے؟"

"معاہدے میں یہ شق شامل ہے کہ تُو مجھے نیکی پر مجبور نہیں کرے گا۔"

"میری یہ خواہش اس شق سے متصادم نہیں ہے۔"

"سجدہ نیکی ہے۔" ابلیس نے کہا۔

"صرف وہ سجدہ نیکی ہے' جو واحد اور احد اللہ کو کیا جائے۔" سلیمان بولا۔ "کسی اور کو سجدہ کرنا شر ہے اور شرک ہے اور شرک بدترین گناہ ہے۔ یہ تو الگ بات ہے۔ مَیں تجھے نیکی پر مجبور نہیں کر رہا ہوں' بلکہ گناہ کی تلقین کر رہا ہوں۔"

ابلیس لاجواب ہو گیا۔ "دیکھ' تُو جانتا ہے کہ مَیں یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ دوسری دستاویز پر انگوٹھا لگا دے۔" سلیمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابلیس نے پھر ترغیب کا ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کی' جو ازل سے مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔ "تُو سوچ بھی نہیں سکتا کہ مَیں تجھے کیا کچھ دے سکتا ہوں۔" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "مَیں تجھے دنیا کی بادشاہت دلوا دوں گا۔ تُو جو سوچے گا' وہ پورا ہو گا۔ تجھ سے زیادہ طاقت ور رُوئے زمین پر کوئی نہیں ہو گا۔ بس اپنی یہ خواہش واپس لے لے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

ابلیس نے ہر ترکیب آزمائی۔ خوشامد تک کر لی' لیکن سلیمان ٹس سے مَس نہ ہوا۔

"مَیں تیری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ دیکھ' تُو تو میرا اپنا ہے۔ میری بات مان لے۔"

"مَیں تیرا اپنا نہیں۔ خواہ مَیں دشمن کی اتباع کرتا رہوں' مگر دشمن کو دشمن ہی سمجھنے کا قائل ہوں۔ تُو اپنی غلط فہمی دور کر لے۔"

"بس تو پھر مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"تُو میری رُوح خریدنے آیا تھا---- رُوح' جو اللہ کی امانت ہے۔" سلیمان نے حقارت سے کہا۔ "اب اس دوسری دستاویز پر انگوٹھا لگا دے۔"

"مَیں یہ بھی نہیں کروں گا۔"

"یہ تو تجھے کرنا پڑے گا۔"

ابلیس نے اسے گھورا۔ "تُو مجھے مجبور کرے گا؟"

"مَیں تو مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں تُو خود مجبور ہو جائے گا۔"

ابلیس نے جان لیا تھا کہ اس کا پالا ایک بے حد چالاک اور شاطر آدمی سے پڑا ہے۔ اب وہ اسے کمتر سمجھنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ "کیسے؟ ذرا مَیں بھی تو سُنوں۔" وہ بولا۔

"مَیں تیرے اور اپنے اس معاہدے کی تشہیر کروں گا۔ اس کا عکس دنیا بھر کے اخبارات و رسائل میں شائع کراؤں گا۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"تیری بدنامی ہو گی۔"

"مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟" ابلیس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "الٹا مجھے فائدہ ہو گا۔ یہ پبلسٹی کا زمانہ ہے۔ مجھے مفت کی پبلسٹی ملے گی۔ لوگ تین خواہشوں کی آرزو میں خود مجھ سے رجوع کریں گے۔ یہ کام تو تم ضرور کرنا۔"

"تُو بات سمجھ نہیں رہا ہے' اے ابلیس۔ اس کے بعد تُو کبھی کوئی رُوح خرید نہیں سکے گا۔ عام سے عام اور حقیر سے حقیر آدمی تجھے میری طرح شکست دے کر ذلیل کرے گا۔ دوسری طرف اس پبلسٹی سے تیری شکست کا چرچا ہو گا۔ تیری تضحیک ہو گی اور سوچ کہ اس سے تیرے چیلوں پر کیا اثر پڑے گا۔ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ وہ انسانوں کو ورغلاتے ہوئے گھبرانے لگیں گے۔ یوں نسلِ آدم کا خسارہ کم ہو جائے گا۔"

واقعی' ابلیس نے سوچا' یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ یہ شخص تو بہت ہی چالاک ثابت ہو رہا ہے' وہ سوچتا رہا۔ "دیکھ' مَیں تجھ سے دشمنی نہیں چاہتا۔" بالآخر اس نے کہا۔ "اور میری دوستی سے تجھے فائدہ ہی ہو گا۔"

"تُو انسان کا ازلی دشمن ہے۔ دوست ہو ہی نہیں سکتا اور دشمن کو دوست سمجھنے سے بڑی اور مہلک حماقت کوئی اور ہو نہیں سکتی۔" سلیمان نے جواب دیا۔ "اب مجھے صرف اتنا بتا' اس دوسری دستاویز پر انگوٹھا لگا رہا ہے نہیں۔"

ابلیس نے سمجھ لیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ "مَیں انگوٹھا لگا دوں گا' مگر شرط یہ ہے کہ تُو اس معاملے کی پبلسٹی نہیں کرے گا۔"

سلیمان مسکرایا۔ اس نے تو ابلیس کو بلف کیا تھا اور کامیاب رہا تھا ورنہ وہ جانتا تھا کہ اس معاہدے کو نہ وہ کہیں شائع کرا سکے گا اور نہ ہی اس پر کوئی یقین کرے گا۔ اسے محض قصہ کہانی سمجھا جائے گا۔ اس نے کہا۔ "یہ میرا وعدہ ہے۔"

"وعدے کا کیا اعتبار؟ اسے تو کسی بھی وقت توڑا جا سکتا ہے۔" ابلیس نے اعتراض کیا۔

"مَیں انسان ہوں' شیطان نہیں۔ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

ابلیس نے انگلی پر چرکا لگایا' انگوٹھا تر کر کے دوسری دستاویز پر ثبت کیا اور دستاویز سلیمان کی طرف بڑھا دی۔ "ایک بات بتا دوں اے بنی آدم! اب تجھ سے میری ذاتی جنگ ہے۔ یہ یاد رکھنا' میں تجھے تباہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑوں گا۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ تو تُو پہلے ہی کر رہا ہے۔" سلیمان نے بے پروائی سے کہا۔ "اب تُو جا۔ مجھے آرام کرنے دے۔ مَیں نے ایک مصیبت تو مول لے ہی لی ہے۔ تیرے حرام خون کی وجہ سے ان دستاویزات سے ہمیشہ تعفن اٹھتا رہے گا۔ خیر۔۔۔۔"

ابلیس او جھل ہو گیا۔

اس رات سلیمان چین سے سویا۔ اسے مہینے بھر کی نیند پوری کرنا تھی اور دل و دماغ پر اب کوئی بوجھ نہیں تھا۔



زندگی بہت مصروف ہو گئی تھی' لیکن اس مصروفیت میں سکون بہت تھا۔ دارالطعام نے کام شروع کر دیا تھا۔ سلیمان اور عدنان دونوں ہی اس سلسلے میں مصروف ہو گئے تھے۔ دارالطعام کی شہرت پورے شہر میں پھیل گئی تھی۔ کھانے کے لیے آنے والوں کا اتنا ہجوم

تھا کہ جگہ چھوٹی پڑ گئی تھی اور ان میں ایسے ایسے خوش لباس لوگ بھی تھے' جن کے چہروں پر ہی خوش حالی تحریر تھی' انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

"یہ زیادتی ہے۔" ایک دن عدنان نے جھنجلا کر کہا۔ "ہماری قوم میں یہی تو خرابی ہے۔ حق کا فلسفہ اپنے مفاد کے سامنے کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ غریب اور مستحق لوگوں کے لیے کوئی اسکیم شروع کی جائے تو غیر مستحق لوگ قطار میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ اسی لیے تو خلوص بھی ناکام ہو جاتا ہے۔"

"ایسی بات مت کرو۔" سلیمان نے اسے سمجھایا۔ "ہم نے بھوکوں کو کھانا کھلانے کا ارادہ کیا ہے اور بھوک غریب اور امیر دونوں کو لگتی ہے۔"

"پھر بھی-----"

"نئی نئی بات ہے۔ کچھ دنوں میں پرانی ہو جائے گی۔ پھر یہاں تمہیں صرف مستحق لوگ ہی نظر آئیں گے۔"

"مگر اخراجات کے بارے میں سوچو-----"

"کوئی ضرورت نہیں۔ اب ٹرسٹ اتنا مستحکم ہے کہ بغیر امداد کے بھی چلتا رہے گا۔ تم بس تماشا دیکھتے رہو۔"

سلیمان کی بات درست ثابت ہوئی۔ ایک ماہ میں بھیڑ چھٹنے لگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں نے وہاں آکر کھانا کھانا چھوڑ دیا ہو۔ بھیڑ اب بھی رہتی تھی اور ہر وقت رہتی تھی' لیکن یہ ضرور تھا کہ اب جگہ چھوٹی نہیں معلوم ہوتی تھی اور آنے والے سچ مچ ضرورت مند ہوتے تھے۔ سوائے ان بھکاریوں کے جو پیشہ ور تھے اور مفت کا کھانا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ شہر کے تمام مزدور وہاں آتے تھے۔ بے روزگاروں اور دوسرے شہروں سے آنے والوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا تھا۔

دارالطعام کا سسٹم پوری طرح بن چکا تھا۔ کھانے کا دور ہر وقت چلتا رہتا تھا۔ باورچی ابتدا میں بہت پریشان رہے تھے۔ بار بار کھانا پکانا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ پھر کھانے والوں میں کمی ہوئی تو کھانا پکنا بھی کم ہو گیا اور کچھ وہ پکانے کے عادی بھی ہو گئے۔ انہیں

بہرحال بہت اچھی تنخواہ مل رہی تھی۔

خوش قسمتی سے سلیمان کو منیجر بہت اچھا مل گیا۔ وہ نہایت ایمان دار اور اعتماد کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ سیٹ اپ ایسا تھا کہ اس میں بہت زیادہ بے ایمانی کی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ چنانچہ ڈیڑھ ماہ بعد دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ اس عرصے میں انہوں نے بمشکل دو تین راتیں گھر پر گزاری تھیں۔

ذرا فرصت ملی تو ان کی سوشل لائف پھر سے شروع ہو گئی۔ اس بار انہیں----- اور بالخصوص سلیمان کو زیادہ عزت مل رہی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ملک کے ایک کثیرالاشاعت روزنامے نے دارالطعام ٹرسٹ پر ایک فیچر بہت نمایاں کر کے شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اگر ملک کو سلیمان احمد اور عدنان احمد جیسے لوگ میسر آ جائیں تو ملک کی قسمت سنور سکتی ہے۔

سوشل لائف شروع ہوئی تو سلیمان کی شرطوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک نئی الجھن بھی سامنے آئی۔ پہلے وہ کبھی شرط ہارتا ہی نہیں تھا۔ اب ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کبھی شرط جیتے گا ہی نہیں۔ وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔



وہ شیاطین کا ہنگامی اجلاس تھا' جو نہایت عجلت میں طلب کیا گیا تھا۔ ابلیس اس کی صدارت کر رہا تھا۔ اس اجلاس کی طلبی کا سبب بھی سلیمان ہی تھا۔ اس کے دارالطعام نے شیاطین میں بھی کھلبلی مچا دی تھی۔

"پیٹ بہت بڑی چیز ہے۔" ابلیس کہہ رہا تھا۔ "یہ وہ جہنم ہے' جسے بھرنے کے لیے آدمی جہنم کا لقمہ بننے کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یور ایکسیلنسی۔" اس کے نائب نے تائید کی۔ "سب سے آسانی سے اس شخص کو ورغلایا جا سکتا ہے' جو بھوکا ہو۔"

چیلوں کی تائیدی آوازیں ابھریں۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اس لیے آج کل ہمارا کام مندا ہو گیا ہے۔" نچلے درجے کے ایک شیطان نے کہا۔
"ان دنوں اس شہر میں ڈھونڈنے پر بھی کوئی بھوکا نہیں ملتا۔" دوسرا بولا۔
"اور پیٹ بھرے ہماری سنتے ہی نہیں۔" تیسرے نے شکایت کی۔
"اس سے ایک اور بات ثابت ہوتی ہے۔" وائس چانسلر بولی۔ "پیٹ بھرا صرف خدا سے ہی نہیں' شیطان سے بھی پھر جاتا ہے۔"
ابلیس نے محسوس کیا کہ باطل کچھ کہنا چاہتا ہے۔ باطل کھڑا ہو ہی رہا تھا کہ اس نے اسے روک دیا۔ "تم سے اور ثقیلہ سے مَیں بعد میں بات کروں گا۔ مجھ سے میرے کمرے میں ملنا۔"
باطل اور ثقیلہ نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' وہ ابلیس سب کے سامنے نہیں سننا چاہتا۔
"ہاں تو مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہو گا۔ پہلے مرحلے میں دارالطعام کے منتظمین کو بے ایمانی کا راستہ دکھاؤ۔ مَیں اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنا رہا ہوں----" اس نے ناموں کا اعلان کیا۔
"ہمیں بڑے پیمانے پر کارروائی کرنی چاہیے۔" وائس چانسلر بولی۔ "حکومت اگر دارالطعام کے خلاف ایکشن لے تو کیسا رہے گا۔"
"یہ بعد کی بات ہے۔ ہمیں پہلے اس ادارے کو بدنام کرنا ہے۔"
"جی بہت بہتر۔"
"اور اہم ترین بات یہ ہے کہ جس شخص نے یہ ادارہ قائم کیا ہے' وہ اب ہمارا معتوب ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ اس کا نام سلیمان احمد ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ شرطیں لگانے کا عادی ہے۔ تم لوگ شفٹوں میں ہر لمحے' سوتے جاگتے اس پر نظر رکھو۔ تمہارے پاس خصوصی اور جدید ترین کمپیوٹی کیٹرز ہوں گے۔ یہ تم لوگوں کی ذمے داری ہے کہ اب وہ کوئی شرط جیتنے نہ پائے۔ ہر قیمت پر اسے ہر شرط ہروانی ہے۔ جس شرط کے معاملے میں خود کو بے بس محسوس کرو' فوراً ایمرجنسی سے رابطہ کر کے انہیں مطلع کرو۔ اس کے بعد وہ شرط کے سلسلے میں ضروری اقدامات کریں گے۔ اور یاد رکھو' اس سلسلے میں کوئی کوتاہی معاف نہیں کی جائے گی۔"
اجلاس میں شامل بڑوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی عام آدمی کو ایسی اہمیت دی جا رہی تھی۔ البتہ باطل اور ثقیلہ کسی حد تک وجہ سمجھ چکے تھے۔
"مَیں پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ کوئی شرط جیتا تو اس کے ذمے دار---- افراد میرے عتاب سے نہیں بچ سکیں گے۔"
اجلاس برخاست ہو گیا۔ ابلیس یونیورسٹی کے اس کمرے میں آ گیا' جو اس کے لیے مخصوص تھا۔ چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ "کم ان۔" ابلیس نے پکارا۔
ثقیلہ اور باطل کمرے میں داخل ہوئے۔
"آؤ بیٹھو۔" ابلیس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
وہ دونوں بیٹھ گئے۔
"مَیں نے تمہیں بروقت روک دیا۔" ابلیس نے باطل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگوں کو تمیز ہونی چاہیے کہ کون سی بات سب کے سامنے کرنی چاہیے اور کون سی اکیلے میں۔"
"مَیں معافی چاہتا ہوں یور ایکسیلنسی!" باطل کی آواز لرز رہی تھی۔
"آئندہ خیال رکھنا۔" ابلیس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اب کہو' کیا کہنا ہے؟"
"یہ سلیمان تو وہی چالاک آدمی ہے' جو میرے سپرد کیا گیا تھا۔"
"ہاں اور تم اسے ہینڈل نہیں کر سکے تھے۔" ابلیس نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔
باطل کہنا چاہتا تھا کہ ثابت تو یہی ہو رہا ہے کہ آپ بھی اسے ہینڈل نہیں کر سکے۔
"اور یور ایکسیلنسی! آپ نے اس سے تین خواہشوں کے عوض اس کی روح کا سودا کیا تھا۔ انہی خواہشوں کے زور پر اس نے دولت لی' وہ عمارت حاصل کی اور اب دارالطعام چلا رہا ہے۔"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ابلیس نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یور ایکسیلنسی! اگر ہم اس کی روح خرید چکے ہیں تو وہ یہ دارالطعام کیسے چلا رہا ہے۔ جس کی روح ہماری ہو چکی ہو' وہ نیکی کر ہی نہیں سکتا۔"

ابلیس پریشان ہو گیا۔ انہیں کیسے بتاتا کہ ہوا کیا ہے۔ "مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کی روح نہیں خرید سکے۔" اس نے کہا۔ "سودے میں گڑبڑ ہو گئی' قانونی پیچیدگیاں آڑے آ گئیں۔"

باطل کے چہرے پر حیرت نظر آئی۔ "تو اس صورت میں آپ نے دو خواہشوں کی صورت میں اسے جو کچھ دیا ہے' واپس لے لیں۔"

"نہیں لے سکتا نا۔ یہی تو دشواری ہے۔" ابلیس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"یہ---- یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی' یور ایکسیلنسی!"

"تم جانتے ہو' کبھی مَیں بھی بے بس ہو جاتا ہوں۔" ابلیس نے کہا۔ "اب مَیں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ اس سلسلے میں زبان بند رکھو۔ بلکہ سوچنا بھی چھوڑ دو ورنہ سخت سزا ملے گی۔ یہ معاملہ تمہارے لیول کا نہیں ہے۔"

باطل سہم کر بیٹھ گیا۔ "بہت بہتر یور ایکسیلنسی۔"

ابلیس ثقیلہ کی طرف مڑا۔ "تمہیں کیا کہنا ہے؟"

"یہ بتانا ہے یور ایکسیلنسی کہ یہ سلیمان بہت خطرناک آدمی ہے۔ وہ رضوان کا دوست ہے' جسے میرے سپرد کیا گیا تھا۔" اتنا کہہ کر ثقیلہ نے ابلیس کو رضوان کی تیسری خواہش اور دیو قامت عورتوں کے بارے میں بتایا۔ "مَیں تو بے فکر ہو گئی تھی۔ وہ تو تجسّس مجھے یہ دیکھنے کے لیے لے گیا کہ سلیمان کا حشر کیا ہو رہا ہے' مگر وہ تو ایسا چالاک آدمی ہے کہ اس نے اپنی بلا خود رضوان کے سر منڈھ دی اور اس کے بعد اُس کا پیچھا بھی چھڑا دیا اس مصیبت سے۔"

ابلیس نے دل میں کہا کہ سلیمان کی چالاکی سے اس سے زیادہ کون واقف ہو گا۔ "مَیں تمہیں بھی وہی حکم دے رہا ہوں' جو باطل کو دیا' سمجھ گئیں؟"

"جی یور ایکسیلنسی!"

"بس اب جاؤ۔"



سلیمان مسلسل شرطیں ہار رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مالی اعتبار سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ شرطیں ہارنے کے لیے تو بیس کروڑ ہی کم نہیں تھے جبکہ پندرہ ارب ڈالر سے ٹرسٹ قائم کرنے کے بعد اس نے پانچ ارب ڈالر بھی اپنے لیے رکھ لیے تھے۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ شرطیں ہارنا اسے پسند نہیں تھا۔ شرط اس کے لیے مالی منفعت کی چیز نہیں تھی۔

وہ یاد کرتا اور غور کرتا رہا۔ بعض شرطیں تو وہ ایسی ہارا تھا کہ جن کے ہارنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ وہ جیسے جیسے غور کرتا رہا' اسے یقین ہوتا گیا کہ اس کے ہارنے میں کوئی غیر مرئی ہاتھ ہے' مگر کس کا؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

پھر اس روز اسے ایک ہستی کا خیال آ گیا' جسے وہ بھول ہی گیا تھا۔ ابلیس؟ چند منٹ کے اندر اسے یقین ہو گیا کہ یہ ابلیس ہی کی کارستانی ہے۔ ابلیس نے رخصت ہوتے وقت اعلانِ جنگ کیا تھا۔

اس نے اس سلسلے میں عدنان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"کوئی بھی ہمیشہ نہیں جیتتا۔" عدنان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "کبھی تو ہار بھی مقدّر بنتی ہے۔"

"مگر مَیں ایسی شرطیں بھی ہارا ہوں' جن کے ہارنے کا ایک فیصد امکان بھی نہیں تھا۔"

"اور تم ایسی شرطیں بھی جیتتے رہے ہو' جن کے جیتنے کا ایک---- فیصد امکان بھی نہیں تھا۔" عدنان نے کہا۔

"مَیں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ بس مَیں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ یہ ابلیس ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔"

"ابلیس کو تم سے کیا دشمنی؟"

سلیمان نے عدنان کو ابلیس کی شکست کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے شیطان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی پبلسٹی نہیں کرے گا' لیکن حالتِ جنگ میں تو کچھ بھی کیا جا سکتا تھا اور بہرحال یہ پبلسٹی تھی بھی نہیں۔

اس نے عدنان کو پوری داستان سنا دی۔ عدنان بے یقینی سے سنتا رہا' پھر ہنسنے لگا۔

"اچھی کہانی ہے۔" اس نے کہا۔ "اب تم اس پر شرط بھی لگاؤ گے؟"

"لگانی تو چاہیے' لیکن نہیں لگاؤں گا۔ اس سے ڈر ہے کہ ہار جاؤں گا۔"

"کچھ بھی ہو' مَیں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"مَیں تمہیں دستاویزی ثبوت دکھاؤں گا۔" سلیمان نے کہا اور سیف میں سے دونوں دستاویزات نکال لایا۔ "لو---- خود دیکھ لو۔"

عدنان نے دستاویزات پڑھیں اور ہنسنے لگا۔ "پورا ڈراما تیار کیا ہے تم نے۔" پھر اچانک وہ ناک سکیڑتے ہوئے بولا۔ "یہ بدبو کیسی ہے؟"

"ابلیس کے ناپاک خون کی ہے۔ مَیں نے انگوٹھا اس کے خون سے لگوایا تھا۔"

یہ سن کر عدنان کو کچھ یقین آیا' مگر اس کا دماغ پوری طرح اسے حقیقت تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ مَیں نے پندرہ ارب ڈالر سے ٹرسٹ قائم کیا ہے۔ یہ رقم کہاں سے آئی؟ شہر کے مرکزی علاقے میں اتنا بڑا پلاٹ بھی سستا نہیں ہوتا۔ پھر اس پر عمارت کی تعمیر' خود سوچو' یہ دونوں خواہشیں مَیں نے ابلیس سے پوری کرائی تھیں۔"

اب عدنان کے پاس تردید کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ذہن نے بھی حقیقت کو تسلیم کیا تو پہلی بار ابلیس کی شکست کی اہمیت کا احساس بھی ہوا۔ "تم نے کمال کر دیا یار!" اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "کیسی عبرت ناک شکست دی ہے' ابلیس کو۔"

"میرا کوئی کمال نہیں۔ اللہ نے رہنمائی فرمائی تھی۔" سلیمان نے بے حد خلوص سے کہا۔

"تو اب وہ تمہیں سزا دے رہا ہے؟"

"اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔"

"میرے ذہن میں ایک طریقہ ہے۔" سلیمان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ وہ کاغذ کا پیڈ لایا اور اس پر کچھ لکھ کر عدنان کی طرف بڑھایا۔ "خاموشی سے پڑھنا۔"

عدنان نے پڑھا۔ لکھا تھا...... "تم مجھ سے شرط لگاؤ کہ ابھی دو منٹ کے اندر اندر بارش ہوگی۔" عدنان مسکرایا۔ سلیمان ضرورت سے زیادہ ہی محتاط معلوم ہوتا تھا۔ عدنان نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ آسمان پر کوئی چھوٹی سی بدلی بھی نہیں تھی۔ "سلیمان' ابھی دو منٹ کے اندر بارش ہونے والی ہے۔" اس نے کہا۔

"مَیں شرط لگا سکتا ہوں کہ بارش نہیں ہوگی۔"

"مجھے منظور ہے۔"

دونوں بیٹھ کر انتظار کرتے رہے' آدھا گھنٹہ گزر گیا' مگر بوند بھی نہیں پڑی' بالآخر عدنان نے کہا۔ "تمہارا اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"مجھے اب بھی یقین ہے' کوئی کمی رہ گئی ہے۔" سلیمان نے کہا۔ "مجھے سوچنے دو۔"

وہ سوچنے لگا' عدنان اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ شرط جیت کر اسے خوشی حاصل ہوتی تھی' لیکن ابلیس نے اس بات کو اہمیت نہیں دی ہوگی۔ سلیمان نے خود کو ابلیس کی جگہ رکھ کر سوچا' کوئی شخص جو شرط باز ہو اور ہمیشہ جیتنے کا عادی ہو' اچانک دولت مند ہو جائے تو کیا کرے گا؟ بڑی بڑی رقموں کی شرط لگائے گا اور جو شخص اسے سزا دینا چاہے گا' وہ یہی کوشش کرے گا کہ شرطوں کے ذریعے اسے مالی زک پہنچائے۔

اس نکتے نے اس کا دماغ روشن کر دیا۔ اس کے تجربے میں یہی کمی رہ گئی تھی۔ اس نے پھر کاغذ پر لکھا اور کاغذ عدنان کی طرف بڑھا دیا۔

عدنان اس کا لکھا ہوا پڑھ کر مسکرایا۔ "سلیمان' ابھی دو منٹ کے اندر اندر بارش ہوگی۔" وہ بولا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' مَیں سو روپے کی شرط لگاتا ہوں کہ دو منٹ میں بارش نہیں

ہو سکتی۔"

"مجھے منظور ہے، ہوئی سو روپے کی شرط۔" عدنان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے کہا۔

دونوں کبھی گھڑی دیکھتے اور کبھی کھڑکی سے باہر، ٹھیک سو سیکنڈ کے بعد اچانک بارش شروع ہو گئی۔ وہ اگرچہ صرف پندرہ سیکنڈ جاری رہی، مگر بہرحال اس کے بارش ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

عدنان کا چہرہ اندرونی ہیجان کی شدت سے تمتما رہا تھا۔ "تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا، مَیں قائل ہو گیا۔"

سلیمان نے کہا۔ "مجھے تو پہلے ہی یقین تھا۔"

"اب کیا کرو گے؟"

"سوچوں گا کہ کیا کروں۔"

"میری مانو تو شرط لگانا ہی چھوڑ دو۔"

"یہ عادت تو چھوٹتے چھوٹتے ہی چھوٹے گی، مَیں اس وقت ایک اور بات پر غور کر رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"یہ جو بات اس وقت معلوم ہوئی ہے، مجھے لگتا ہے کہ مَیں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔"

"کس قسم کا فائدہ؟" عدنان نے پوچھا۔

"کئی قسم کا فائدہ۔" سلیمان نے کہا۔ "لیکن ابھی مَیں وضاحت نہیں کر سکتا، بات میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے۔"

اور یہ حقیقت تھی، کوئی اہم...... بہت اہم بات تھی، جو اس کا ذہن گرفت میں نہیں لے پا رہا تھا۔



سلیمان سوتے سوتے چونک کر اٹھ بیٹھا، ابلیس اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "بہت میٹھی نیند سو رہا تھا۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" سلیمان بولا۔

"اب نیند کو بھی ترسے گا تُو۔"

"یہ تیرے اختیار میں کب ہے؟"

"تجھے میرے اختیارات کا پتا ہی کب ہے۔" ابلیس نے کہا۔ "بہرحال میں تجھے کچھ بتانے آیا ہوں، میں اپنی شیطنت کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ تجھے کبھی کوئی شرط نہیں جیتنے دوں گا، تو شرط جیتنے کو ترسے گا۔"

"مَیں یہ چیلنج قبول کرتا ہوں۔"

ابلیس غائب ہو گیا۔



سلیمان کے اگلے تین چار دن اسی الجھن میں گزر گئے۔ سلیمان کے سامنے پہلا سوال تو یہ تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ اس لئے کہ اس صورتِ حال میں سب سے آسان بات تو وہی تھی، جو عدنان نے اس سے کہی تھی...... اور وہ یہ کہ وہ شرط لگانا ہی چھوڑ دے۔ یہ کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔

چنانچہ پہلے سوال سے پہلے ہی اس کے سامنے ایک اور سوال آ گیا، جس کا جواب اسے پہلے تلاش کرنا تھا اور وہ سوال یہ تھا کہ آخر شرط لگانا چھوڑنے میں قباحت ہی کیا ہے۔ اس سوال کا جواب اسے فوراً ہی مل گیا، وہ شرط لگانا چھوڑ سکتا تھا، مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ بات اس کے لئے ابلیس سے شکست کھانے کے مترادف تھی اور یہ شکست وہ گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں تک پہنچ کر یہ بات واضح ہو گئی کہ اگرچہ ابلیس نسلِ آدم کا ازلی دشمن ہے اور

اس کے خلاف مسلسل جنگ جاری رکھے ہوئے ہے‘ لیکن وہ کھلی جنگ نہیں‘ اس میں ابلیس مکاری سے کام لے رہا ہے۔ وہ دوست اور خیر خواہ بن کر ورغلاتا ہے اور آدمی کو بہکاتا اور بھٹکاتا ہے‘ مگر وہی ابلیس اس کے...... سلیمان کے خلاف ذاتی نوعیت کی کھلی جنگ لڑ رہا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ سلیمان اس جنگ سے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے‘ نہ دستبردار ہو سکتا ہے‘ یہاں تو آدمی کی عزت کا سوال ہے‘ اگر وہ شرط لگانا چھوڑ دے گا تو شیطان خود کو فتح مند سمجھے گا اور اس کا حوصلہ بلند ہو گا‘ شیطان کے لئے یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے‘ کیونکہ پچھلی بد ترین شکست نے اس کا حوصلہ یقیناً پست کیا ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ابلیس کے اعتماد اور حوصلے پر ایک اور کاری ضرب لگائی جائے۔

سلیمان کاغذ اور قلم سامنے رکھے بیٹھا تھا‘ اتنا سوچنے کے بعد اس نے یہ نتیجہ کاغذ پر نوٹ کیا...... میں شرط لگانا نہیں چھوڑ سکتا‘ اس لئے کہ ابلیس کے مقابلے میں شکست مجھے قبول نہیں۔

گویا ابلیس کو شکست دینی ہے‘ پچھلی بات سے یہ ایک اور نتیجہ نکلا۔ اور یہ شکست اسے شرط کے ہتھیار سے دینی ہے۔ جبکہ ابلیس اپنی شیطنت کی قسم کھا کر عہد کر چکا ہے کہ اب وہ اسے شرط کسی قیمت پر نہیں جیتنے دے گا۔

تو اب وہ اس معاملے میں ابلیس کو کیسے شکست دے سکتا ہے؟ اس کا جواب زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا‘ ابلیس اپنی قسم توڑنے پر مجبور ہو جائے تو یہ اس کے لئے بد ترین شکست ہو گی‘ یعنی ابلیس اس پر مجبور ہو جائے کہ اسے شرط جیتنے دے۔

مگر کیسے؟ یہ اصل سوال تھا اور اس کا جواب آسان نہیں تھا۔

وہ ایسی شرطیں لگائے‘ جو ابلیس اور شیاطین کے حق میں ہوں۔ اس نے سوچا۔ ظاہر ہے‘ ابلیس اپنی قسم کے مطابق اسے ہرائے گا اور یوں اپنا اور اپنی برادری کا نقصان کرے گا‘ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ شیاطین ابلیس سے بدظن ہوں گے۔ ان میں پہلے بد دلی...... اور پھر بغاوت پھیلے گی۔

یہ بات سوچنے کی حد تک تو منطقی اور معقول تھی‘ لیکن عملاً مشکل نظر آتا تھا۔

دوسرے یہ کہ اسے شیاطین کے حق میں سوچنا پڑتا۔ یہ بات اپنی جگہ اس کے لئے شکست کھانے کے مترادف تھی اور پھر ابلیس اپنی قسم توڑ بھی دیتا تو فائدے میں تو وہی رہتا۔ نہیں...... اس طرح کام نہیں چلے گا۔ اسے اپنی ذہانت کو استعمال کر کے کوئی ایسی ترکیب سوچنی ہو گی کہ ابلیس زچ ہو جائے‘ عاجز آ جائے۔

اس نے اپنی سوچوں کا رُخ تبدیل کیا اور دوسرے رُخ سے سوچنے کی کوشش کی۔ اگر وہ شرط جیت جائے تو ابلیس کو شکست ہو جائے گی‘ مگر کیسے؟ ابلیس تو عہد کر چکا ہے کہ اسے کوئی شرط جیتنے ہی نہیں دے گا‘ پھر وہ شرط کیسے جیت سکتا ہے۔

بہت سوچنے پر اس کے ذہن میں ایک جنگی اصطلاح ابھری...... کیموفلاج‘ شاید اس لئے کہ وہ اس وقت حالتِ جنگ میں تھا‘ پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا‘ اس نے کیموفلاج کو اپنے ذہن میں واضح کرنے کی کوشش کی‘ یہ دشمن کو‘ اس کی نظر کو دھوکا دینے کی ترکیب ہوتی ہے۔ اس میں فوج ایسا روپ دھارتی ہے جو دشمن کو دیکھنے میں منظر کا حصہ لگے‘ مثلاً فوجی گوریلے جنگل میں پتوں کا ہم رنگ لباس پہنتے ہیں اور چٹیل پہاڑوں کے لئے خاکی لباس۔ یوں وہ منظر‘ پیش منظر اور پس منظر کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ دشمن انہیں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ پاتا‘ مگر یہاں اس کا کیا کام......؟

جو اب اچانک ہی اس کے ذہن میں آیا۔ اصل میں اسے جو شرط لگانی ہے‘ شرط وہ اس کے برعکس لگائے تو یہ کیموفلاج ہو گا‘ ابلیس کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ درحقیقت وہ کیا چاہتا ہے۔ ابلیس اسے شکست دینے کے چکر میں شکست کھا جائے گا۔

بات سمجھ میں آ رہی تھی‘ مگر ابھی مبہم تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے کہ ہو‘ اس کے خلاف شرط لگائے تو اس کی مرضی تو پوری ہو جائے گی‘ مگر شرط تو وہ پھر بھی ہار جائے گا اور یہ ابلیس کی شکست بھی نہیں ہو گی۔

اچانک اس کے دماغ میں روشنی کا کوندا سا لپکا‘ وہ کسی اور کی طرف سے شرط لگائے اور کوئی اور اس کی طرف سے شرط لگائے تو بات بن سکتی ہے۔

اس سوچ کا سلیس ترجمہ کرنے میں اسے کئی منٹ لگے۔ یہ تو وہ عملاً کر چکا تھا۔ اس

نے عدنان کو اپنی طرف سے شرط لگانے پر مجبور کیا تھا۔ خود شرط لگائی تھی کہ دو منٹ کے اندر بارش نہیں ہو سکتی' چنانچہ مطلع صاف ہونے پر بھی بارش ہو گئی تھی۔

یعنی یہ طے تھا کہ وہ جس سے بھی شرط لگائے گا' وہ جیت جائے گا اور اگر وہ جیتنے والا اپنا ہو...... جیسے عدنان...... تو یہ اس کی ہی جیت ہو گی' مگر شیطان تو یہی سمجھے گا کہ وہ ہارا ہے' اسے اپنی ہار کا تو پتا ہی نہیں چلے گا۔

سلیمان کو احساس ہو گیا کہ فی الوقت وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا' اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس طرح وہ بے شمار فوائد حاصل کر سکتا ہے اور اس پر وہ مزید سوچ بچار کر کے اس میں تبدیلیاں بھی کر سکتا ہے...... اور اسے زیادہ بہتر اور مؤثر بنا سکتا ہے۔

اس کے ذہن میں ایک خاکہ سا بننے لگا۔



انسدادِ دارالطعام کمیٹی کے رکن شیطان نے سب سے پہلے ادارے کے مینیجر میر کرامت اللہ کو گھیرنے کی کوشش کی' وہ کریانے کے دکان دار کے روپ میں ان تک پہنچا۔

"میر صاحب' مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کریانے کا سامان ہماری دکان سے لیں۔" شیطان نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں' لیکن ہمارے ہاں سامان مقررہ دکان سے آتا ہے۔" میر صاحب نے جواب دیا۔

"مَیں ان سے کم ریٹ پر دوں گا۔"

"میاں ریٹ کے معاملات کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ سلیمان صاحب جانیں۔"

"تو تعلق پیدا کریں۔" شیطان بولا۔ "مَیں آپ کا خیال الگ سے رکھوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"آج کل صرف تنخواہ میں کس کا گزارا ہوتا ہے میر صاحب۔"

"میرا تو ہوتا ہے اور مجھے تمہاری عنایت کی ضرورت بھی نہیں۔" میر صاحب نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔ "اگر میرے اختیار میں ہوتا تو بھی میں تم سے سودا نہ لیتا' اس لئے کہ جس دکان دار...... سے ہمارا کنٹریکٹ ہے' وہ اتنا صاف ستھرا سودا دیتا ہے کہ جی خوش ہو جاتا ہے' آج تک چاول چھٹنے کی ضرورت نہیں پڑی۔"

"کچھ اپنی فکر کرو' میر صاحب بڑھاپا ہے......"

"بڑھاپا ہے' اسی لئے تو آخرت کی فکر کر رہا ہوں۔" میر صاحب نے تلخی سے کہا۔ "مَیں نے بھوک دیکھی اور بھگتی ہے' اس لئے میرے دل میں سلیمان صاحب کی بڑی قدر ہے' وہ بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ مَیں اس میں ان کا ہاتھ بھی بٹا رہا ہوں اور مجھے یہاں سے رزق بھی مل رہا ہے۔"

کئی شیاطین نے مختلف زاویوں سے میر صاحب پر کام کیا' لیکن ناکام رہے۔ اس کے بعد وہ نچلی سطح کے ملازمین کی طرف متوجہ ہوئے۔

ایک شیطان نے' جو بھوکا بن کر وہاں پہنچا تھا' پیٹ بھرنے کے بعد دارالطعام کے ایک ملازم سے بات کی۔ "کیا مل جاتا ہے تمہیں یہاں سے؟"

ملازم نے اسے گھورا۔ "پیٹ بھر لیا ہے تو نکل لو یہاں سے' تمہیں اس سے کیا' کہ مجھے کیا ملتا ہے؟"

"مَیں تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔"

ملازم نے اس بار بدلی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "چار ہزار ملتے ہیں۔"

"اس میں کیا ہوتا ہوگا۔" شیطان نے ہمدردی جتائی۔

"ہاں' مہنگائی ہی اتنی ہے' مگر کیا ہو سکتا ہے۔" ملازم نے آہ بھر کے کہا۔

"ہو تو بہت کچھ سکتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ دن بھر میں کتنی دیگوں کی کھپت ہے یہاں؟"

"یہاں دن اور رات کا کوئی تصور نہیں' مسلسل دیگیں چلتی رہتی ہیں۔ بس آدھی رات سے صبح تک یہ سلسلہ رکتا ہے۔"

"چلو' آدھی رات تک کا بتا دو۔"

ملازم سوچنے لگا۔ "حساب نہیں لگایا جا سکتا' پھر بھی اندازاً تین سو دیگیں تو چڑھتی ہی ہوں گی' مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"بات یہ ہے کہ کھانے کا معیار بہت اچھا ہے۔"

"صاحب لوگوں نے اس سلسلے میں خاص طور پر ہدایت کر رکھی ہے' لیکن تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم دو چار دیگیں باہر نکلوا دو تو کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" شیطان نے اسے اکسایا۔

"مَیں ایک دیگ کے پانچ سو دوں گا۔"

ملازم چالاکی سے مسکرایا۔ "یہ ممکن ہوتا تو مَیں خود کر چکا ہوتا' میرا جوان بیٹا بے روزگار ہے' اسے ٹھیلا کرا دیتا' دن بھر میں ہزار تو کھینچ ہی لیتا وہ۔"

"تو کیوں نہیں کیا؟"

"دو آدمیوں کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے۔" ملازم نے آہ بھر کے کہا۔ "ایک تو میر صاحب' وہ پورا حساب رکھتے ہیں اور کھانا اپنے سامنے نکلواتے ہیں......"

"وہ تو ہر وقت یہاں نہیں رہتے ہوں گے۔"

"یہیں رہتے ہیں وہ...... گھربار چھوڑ کر' ہفتے میں ایک بار گھر جاتے ہیں...... اور اس روز عدنان صاحب یہاں کا انتظام سنبھالتے ہیں۔"

"تم کسی دوسری رکاوٹ کی بات کر رہے تھے؟"

"ہاں' وہ چوکیدار ہے...... عجب خان۔ بہت کڑا ایمان دار ہے' میرا بس چلے تو اسے پھانسی پر چڑھا دوں۔"

اس بار شیاطین نے عجب خان کو ٹٹولا' مگر بہت جلد انہیں اندازہ ہوگیا کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے' وہ مایوس ہوگئے۔ دارالطعام کے اندر دال گلتی نظر نہیں آ رہی تھی' گویا کام باہر ہی سے دکھانا تھا۔

ایک شیطان نے اس دکان دار کو پکڑا' جو دارالطعام کو آٹا' چاول' گھی' مسالے اور دیگر چیزیں فراہم کرتا تھا۔ وہ اس سے دکان دار...... بن کر ملا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد

بولا۔ "مَیں تم سے ایک کسٹومر خریدنا چاہتا ہوں۔"

اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی' ایسا ہر ٹریڈ میں ہوتا ہے' دکان دار نے پوچھا۔

"تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے؟"

"دارالطعام کی بات کر رہا ہوں۔" شیطان نے کہا۔

اس پر دکان دار چونکا۔ "کیوں؟"

"کسٹومر کس لئے خریدے جاتے ہیں' منافع کے لئے۔"

"مگر میں اپنا یہ گاہک تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"سوچ لو' مَیں تمہیں ایک لاکھ آفر کر رہا ہوں۔" شیطان نے چارا ڈالا۔

"نہیں بھئی سوری۔"

"ڈیڑھ لاکھ لے لو۔"

دکان دار نے شیطان کو غور سے دیکھا' اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی قیمت اور بھی بڑھائے گا۔ "سوری یار' یہ ممکن نہیں۔"

"دو لاکھ۔"

"تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

"وجہ تم سے زیادہ کون جانتا ہے۔ انہیں مہینے میں کتنے کا سامان سپلائی کرتے ہو تم؟" شیطان نے کہا۔

"دس لاکھ سے اوپر کا۔" دکان دار نے کہا۔ حالانکہ وہ کم کر کے بتا رہا تھا' بات کروڑ سے اوپر کی تھی۔

"تو ایسا گاہک کسے اچھا نہیں لگے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' مگر مَیں یہ گاہک تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"مَیں تمہیں سادہ چیک دینے کو تیار ہوں۔"

دکان دار سوچ میں پڑ گیا۔ "تم سمجھ نہیں رہے ہو' بات یہ ہے کہ مَیں نے ان سے آج تک ایک پیسے کا منافع بھی نہیں لیا ہے' مَیں نے انہیں کبھی گاہک نہیں سمجھا جبکہ تم

انہیں منافع کی غرض سے اپنانا چاہتے ہو۔"

شیطان نے بڑی بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "افسانہ سنا رہے ہو؟"

"نہیں' یہ حقیقت ہے' وہ لوگ اتنا بڑا کام کر رہے ہیں' مَیں نے سوچا مَیں بھی اس میں شامل ہو کر خدا کو خوش کر دوں' بہت گناہ گار...... آدمی ہوں۔ مَیں یہ بات کبھی منہ سے نکالنا نہیں چاہتا تھا' مگر تم نے مجبور کر دیا۔ اب تم ہی بتاؤ' مَیں انہیں کیسے کسی اور کو دے دوں۔"

"اور اگر مَیں وعدہ کروں کہ مَیں بھی ایسا کروں گا تو؟"

"اپنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی برائے فروخت نہیں ہوتی دوست۔ مَیں معذرت چاہتا ہوں۔"

شیاطین کی مایوسی کی کوئی حد نہیں تھی۔



سلیمان پورا خاکہ تیار کر چکا تھا۔

اس نے عدنان کو پوری تفصیل لکھ کر دی۔ "یہ تنہائی میں پڑھنا اور ذہن نشین کر لینا۔"

بات ایسی نہیں تھی کہ عدنان کو اسے سمجھنے میں دشواری ہوتی۔

اگلے روز محکمۂ موسمیات کی پیش گوئی کے عین مطابق بہت شدید گرمی تھی اور بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گیارہ بجے کے قریب عدنان اور سلیمان یکجا ہوئے' ادھر ادھر کی باتوں کے بعد عدنان نے کہا۔ "ابھی ایک گھنٹے بعد موسلا دھار بارش ہو گی' جو...... کم از کم ایک گھنٹہ جاری رہے گی۔"

"مَیں شرط لگا سکتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔" سلیمان نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

"ہو گئی ہزار کی شرط۔"

ایک گھنٹے بعد موسلا دھار بارش ہوئی' جو پورے ایک گھنٹے جاری رہی' عدنان اور سلیمان نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اب تم کاروبار شروع کر سکتے ہو۔" سلیمان نے عدنان سے کہا۔ "پارٹنرشپ ہو گی' ففٹی ففٹی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن دارالطعام کا کیا بنے گا؟"

"سیٹ اَپ بن گیا ہے۔ وہ چلتا رہے گا' یہ کام بھی کم اہم نہیں ہے۔"

"یہ تو مَیں بھی سمجھ رہا ہوں۔"

دونوں اپنے نئے کاروبار کی ابتدائی تیاریوں میں مصروف ہو گئے' دو دن بعد سلیمان کے لئے ایک اور مصروفیت نکل آئی۔ دارالطعام سے فون آیا کہ اگلے روز وزیراعلیٰ صاحب دارالطعام تشریف لا رہے ہیں۔ وہ فوراً آ جائے۔

وہ دونوں ہی دارالطعام چلے گئے۔ انہوں نے میر صاحب سے مل کر وزیراعلیٰ کے استقبال کے انتظامات مکمل کئے' وہ رات انہوں نے وہیں گزاری۔

اگلے روز وزیر اعلیٰ تشریف لائے' انہوں نے دارالطعام کے انتظامات اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا' اس روز دارالطعام میں اخباری نمائندوں کا بھی ہجوم تھا۔ وزیر اعلیٰ نے پریس کے سامنے دارالطعام ٹرسٹ کی کارکردگی اور سلیمان احمد اور عدنان احمد کے جذبے کو سراہا اور خراجِ تحسین پیش کیا۔ انہوں نے سلیمان سے یہ بھی کہا کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہیں۔

"مَیں شہر میں دو اور مقامات پر دارالطعام قائم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے صرف زمین دلا دیں۔" سلیمان نے کہا۔

وزیراعلیٰ نے اخباری نمائندوں کے سامنے وعدہ کر لیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

سلیمان اور عدنان بے لوث سوشل ورکرز کی حیثیت سے مشہور ہو رہے تھے۔

چار دن بعد اخبار میں عدنان ایسو سی ایٹس کا اشتہار چھپا۔ اشتہار میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ موسم سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے' افراد اور ادارے دونوں ادارے کی خدمات سے استفادہ کرنے کے لئے رجوع کر سکتے ہیں' اخباری اشتہار کے مطابق زندگی اور حادثات کے استثنا

کے ساتھ یہ وہ انشورنس کمپنی تھی، جو ہر طرح کا تحفظ فراہم کر سکتی تھی۔

دونوں دوستوں کے درمیان ہر بات طے پا چکی تھی۔ اس بزنس میں عدنان کو فرنٹ مین کا رول کرنا تھا۔

"جب تک باہر سے پبلسٹی نہیں ملے گی، ملک میں ہمیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔" سلیمان نے عدنان سے کہا۔

"مَیں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" عدنان بولا۔ "ہمیں انٹرنیشنل اسپورٹس کے ذریعے آغاز کرنا ہوگا اور یہاں اس کی پبلسٹی کے لئے کوئی اخباری آدمی مقرر کرنا ہوگا۔"

"بالکل درست۔ اور ہمارے سامنے بہترین موقع ہے۔ ومبلڈن ٹینس چیمپئن شپ شروع ہونے والی ہے۔ تم فوراً انگلینڈ چلے جاؤ۔ وہاں دفتر سیٹ کرو، اسٹاف بھرتی کرو اور ہاں، ومبلڈن کی انتظامیہ سے تمہیں خود رابطہ کرنا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بات بنتے ہی مَیں تم سے فون پر رابطہ کروں گا۔"



شیاطین نے اس بار اونچی سطح سے دارالطعام پر وار کیا۔

سلیمان کو چیف منسٹر ہاؤس طلب کر لیا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ابھی چند روز پہلے وزیرِ اعلیٰ نے پریس کے سامنے اس کی سماجی خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اسے دارالطعام کی مزید شاخیں قائم کرنے کے لئے دو پلاٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صورتِ حال بدل جائے گی۔

وہ چیف منسٹر سے ملنے کے لئے پہنچا تو اس کا خیال تھا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، لیکن سیکریٹری لیول اسٹاف کی سرد مہری دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا، پھر بھی اس نے خود کو سمجھایا کہ شاہ کے غلام ہمیشہ خود کو شاہ سے بڑا سمجھتے ہیں۔

مگر دو گھنٹے ہو گئے اور اس کی ملاقات نہیں ہوئی تو اسے گڑبڑ کا احساس ہونے لگا، اب

وہ واپس بھی نہیں جا سکتا تھا اور سیکریٹریل اسٹاف کا رویّہ اس کے ساتھ بے حد اہانت آمیز تھا۔

بالآخر ڈھائی گھنٹے کے اذیت ناک انتظار کے بعد چیف منسٹر نے اسے اذنِ باریابی بخشا، چیف منسٹر کا رویّہ بھی بے حد سرد اور خشک تھا۔ "سلیمان صاحب، ہماری صوبائی کابینہ نے فیصلہ کیا ہے کہ دارالطعام صوبائی حکومت کے زیرِ انتظام چلایا جائے گا۔"

سلیمان تو ہکا بکا رہ گیا۔ "مَیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا جناب عالی!"

"اس میں نہ سمجھنے کی کون سی بات ہے۔" چیف منسٹر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "بس آپ دارالطعام صوبائی حکومت کے حوالے کر دیں۔"

"یہ تو زیادتی ہے اور ٹرسٹ ایکٹ کی خلاف ورزی بھی ہے۔"

"ٹرسٹ کو تو ہم چھو بھی نہیں رہے ہیں۔" چیف منسٹر مسکرایا۔ "مَیں صرف دارالطعام کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ ٹرسٹ کا حصہ ہے، ٹرسٹ کے زیرِ انتظام چلایا جا رہا ہے، سوری جناب، یہ ممکن نہیں۔" سلیمان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "مَیں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"اگر آپ تعاون نہیں کریں گے تو ہمیں زبردستی کرنا پڑے گی۔" چیف منسٹر نے دھمکی دی۔

"آپ اپنی طاقت آزما لیں۔ مَیں اپنے اور غریبوں کے حقوق کا تحفظ کرنا جانتا ہوں۔ مَیں آپ سے آئینی اور قانونی جنگ لڑوں گا۔"

چیف منسٹر کے چہرے کی رنگت متغیر ہوگی۔ "یہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہوگا۔"

"اگر صوبائی حکومت کو غریبوں کی فلاح و بہبود کا اتنا ہی خیال ہے تو وہ خود دارالطعام قائم کر دے۔"

"آپ تو بے لوث کام کر رہے ہیں نا؟ آپ کا اس میں کوئی مفاد تو نہیں ہے؟"

"بالکل۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ دارالطعام کا انتظام آپ نہیں، ہم سنبھالیں۔"

"فرق مجھے نہیں پڑتا۔ فرق مستحق لوگوں کو پڑے گا' اس لئے کہ وہاں لُوٹ مار شروع ہو جائے گی' حکومت تو زکوٰۃ بھی ایمان داری سے تقسیم نہیں کرتی۔"

چیف منسٹر کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ "آپ ہم پر کرپشن کا الزام لگا رہے ہیں۔"

"مَیں یہی سب کچھ پریس کے سامنے بھی کہوں گا اور عدالت میں بھی۔" سلیمان اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا مشورہ ہے کہ جذباتیت سے گریز کرتے ہوئے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔"

"مَیں چلتا ہوں۔" سلیمان نے کہا اور باہر نکل آیا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔



لندن میں عدنان ایسوسی ایٹس انٹرنیشنل کا دفتر قائم ہو چکا تھا۔ اسٹاف رکھ لیا گیا تھا اور اس نے کام بھی شروع کر دیا تھا۔ ومبلڈن کی انتظامیہ تک رسائی کے لئے اس نے اپنے مینجر رابرٹ بِجم کی خدمات حاصل کی تھیں' جس کو بہت دیکھ بھال کے رکھا گیا تھا اور وہ بڑا بارسوخ تھا۔

ومبلڈن شروع ہونے میں تین دن باقی تھے کہ رابرٹ نے ومبلڈن کے ایک منتظم سے عدنان کی ملاقات کا وقت لے لیا۔ عدنان ملنے کے لئے جا پہنچا' اس منتظم کا نام ہیری گولڈ اسمتھ تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ہم سے کس قسم کا سودا کرنا چاہتے ہیں؟" گولڈ اسمتھ نے کہا۔

"ہم آپ کے ٹورنامنٹ کو موسم سے تحفظ فراہم کریں گے۔"

عدنان نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

"کیسے؟"

"یہ تو مَیں نہیں بتا سکتا۔"

"مگر ہمیں تحفظ کی ضرورت نہیں۔" گولڈ سمتھ بولا۔ "پھر بھی آپ اپنی شرائط بتائیں۔"

"ہم ٹورنامنٹ کی گیٹ منی کا پچیس فیصد بطورِ فیس لیں گے۔" عدنان نے کہا۔ "اور جس دن بارش ہوگئی' اس روز کی گیٹ منی کا دگنا ہم آپ کو ادا کریں گے۔"

گولڈ اسمتھ مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔ "بہت دلچسپ آفر ہے' لیکن فی الوقت ہمیں اس تحفظ کی ضرورت نہیں' پہلے دو دن تو بارش کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اس کے بعد محکمۂ موسمیات کی رپورٹ کے مطابق سوچیں...... اور فیصلہ کریں گے۔"

"جبکہ میری اطلاعات کے مطابق ٹورنامنٹ کے پہلے دن اتنی شدید بارش ہوگی کہ افتتاحی میچ شروع بھی نہیں کیا جا سکے گا۔"

"ہمارا محکمۂ موسمیات آپ کے ملک کے محکمۂ موسمیات کی طرح نااہل نہیں۔" گولڈ اسمتھ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اور میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اگر بارش ہونی ہے' تو آپ اسے کیسے روک سکتے ہیں؟"

"ہمارے اپنے ذرائع اور وسائل ہیں اور مَیں کسی بھی ملک کے محکمۂ موسمیات پر اعتبار نہیں کرتا۔"

"سوری مسٹر احمد' مگر ہمیں آپ کے تحفظ کی ضرورت نہیں۔" گولڈ اسمتھ نے خشک لہجے میں کہا۔

"اِٹس آل رائٹ۔" عدنان نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ "کسی وقت ارادہ بدلے تو مجھ سے رابطہ کر لیجئے گا۔"

اپنے آفس پہنچتے ہی عدنان نے سلیمان کو فون کیا۔ ایک دو رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد سلیمان نے پوچھا۔ "موسم کیسا ہے وہاں کا؟"

"فی الحال تو سازگار نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ومبلڈن میں صبح سات بجے سے رات گیارہ بجے تک تیز بارش ہوگی' افتتاحی میچ بھی نہیں کھیلا جا سکے گا۔"

"میں نہیں مانتا۔"

"ہو جائے شرط۔"

"ہو گئی دس ہزار کی۔"

"ڈن' اگر اس روز رات تک میرا فون نہ آئے تو سمجھ لینا کہ موسم سازگار نہیں۔ مجھے فون کر لینا۔"

سلیمان اس کی بات کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ "اوکے۔" اس نے کہا۔ "پھر بات ہو گی۔"



اگلے روز صوبائی حکومت نے کاروائی کر ہی ڈالی۔

دارالطعام کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ صوبائی حکومت نے اس سلسلے میں پریس نوٹ جاری کیا۔ کاروائی کے فوراً بعد سلیمان نے پریس کانفرنس طلب کر لی۔ اس نے کھل کر بات کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اس فیصلے کو عدالت میں بھی چیلنج کرے گا اور اس بے انصافی کے سلسلے میں وفاقی حکومت کو بھی اپروچ کرے گا۔

اگلے روز کے اخبارات اسی خبر سے بھرے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر اخبار نے اداریہ لکھا تھا اور ایک دو سرکاری اخباروں کے سوا سب نے حکومتی اقدام کی مذمت کی تھی۔ اس روز سلیمان کو بے شمار فون کالز موصول ہوئیں۔ ان میں وہ وکیل بھی تھے' جنہوں نے بلا معاوضہ اسے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ چند ایک نے تو یہ تک کہا تھا کہ وہ پٹیشن تیار کر چکے ہیں۔ صرف اس کے دستخط اور اجازت کی ضرورت ہے۔

سلیمان نے بہت سوچ سمجھ کر ان میں سے ایک بڑے اور مشہور وکیل کا انتخاب کر لیا۔

اسی روز پٹیشن داخل کر دی گئی۔ اسٹے آرڈر کی درخواست بھی دے دی گئی۔ سماعت کے لئے تین روز بعد کی تاریخ ملی۔

مگر ایک دن چھوڑ کر عوامی ردِ عمل بڑے بھرپور انداز میں سامنے آیا' وجہ یہ تھی کہ

سلیمان نے اپنے تمام اسٹاف کو وقتی طور پر ہٹ جانے کی ہدایت کی تھی' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دارالطعام کا انتظام مشکل ہو گیا۔ لوگ آس لے کر آتے اور انہیں مایوسی ملتی۔ ایک دن تو یہ صورتِ حال رہی۔ دوسرے دن احتجاجی جلوس کی نوبت آ گئی۔ بہت بڑا جلوس نکالا گیا تھا۔ اس جلوس پر لاٹھی چارج ہوا۔ درجنوں افراد زخمی ہوئے۔ اسکے بعد پورے شہر میں اشتعال پھیل گیا۔ اگلے روز پورے شہر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ لوگوں کے بہت بڑے ہجوم نے دارالطعام کا گھیراؤ کر لیا۔ انہوں نے عمارت پر قبضے کی کوشش بھی کی۔ اس پر پولیس نے گولی چلا دی۔ تین افراد جاں بحق اور درجنوں زخمی ہوئے۔

سلیمان بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ اسے دارالطعام کی فکر بھی تھی اور ومبلڈن کی بھی' خبروں میں بتایا گیا کہ ومبلڈن میں پہلا دن پوری طرح ضائع ہو گیا ہے۔ ایک سرو بھی نہیں کی جا سکی۔ اسے اس طرف سے اطمینان ہوا۔ اب وہ عدنان کی کال کا انتظار کرتا رہا' لیکن عدنان نے فون نہیں کیا' وہ اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ ومبلڈن کے منتظمین نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے...... یعنی عدنان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اب اسے خود فون کر کے شرط لگانی تھی۔ اسے امید تھی کہ دوسرے دن کی بارش منتظمین کی مزاحمت کو توڑ ڈالے گی۔

اس نے عدنان کا نمبر ملایا۔ فون عدنان نے ہی ریسیور کیا۔ "کیا صورتِ حال ہے؟" سلیمان نے پوچھا۔

"میں شرط جیت گیا۔ کوئی میچ شروع نہیں ہو سکا۔ یہاں بارش ہوتی رہی۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن کل ایسا نہیں ہو گا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ کل بھی افتتاحی میچ نہیں ہو سکے گا' اتنی ہی بارش ہو گی۔"

"ناممکن۔ ہو جائے شرط اسی بات پر؟"

"ہو گئی...... بیس ہزار کی۔"

"منظور ہے۔"

"کاروباری موسم ٹھیک رہا تو میں کل فون کروں گا۔" عدنان نے کہا۔ "ورنہ تم ہی

فون کر لینا۔"

لیکن وہ دونوں جانتے تھے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر سلیمان نے اطمینان کی سانس لی۔ یہ پتا چل گیا تھا کہ وہ شیطان کو بے وقوف بنا سکتے ہیں...... اور وہ بن رہا ہے۔ عدنان ایسو سی ایٹس انٹرنیشنل کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

اسی روز عدالت نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد پہلی ہی پیشی میں اسٹے آرڈر دے دیا۔ مقدمے کا فیصلہ ہونے تک صوبائی حکومت دارالطعام کو اپنی تحویل میں نہیں لے سکتی تھی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ مبارک باد کے ٹیلی گرامز اور فون کالز کا تانتا بندھ گیا تھا۔ سلیمان کو صوبائی حکومت کے اس اقدام سے اور عدالتی کیس سے ملک گیر شہرت حاصل ہوگئی تھی۔

وہ بہت خوش تھا۔



پہلے دن کی بارش نے ہیری گولڈ اسمتھ کو حیران تو ضرور کیا تھا' مگر اس نے اب بھی اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ حیرت بھی اس لئے تھی کہ اس صبح سورج پوری آب و تاب سے نکلا تھا۔ آسمان پر بدلی کا کوئی ٹکڑا بھی نہیں تھا' پھر اچانک ہر سمت سے' ہر رنگ اور شکل کے بادل جوق در جوق آنا شروع ہوئے' ایسا لگ رہا تھا کہ بادلوں کا کنونشن ہو رہا ہے اور اس کے بعد جو موسلا دھار بارش شروع ہوئی تو رات گیارہ بجے تک وقفہ بھی نہیں ہوا۔ سوا گیارہ بجے آسمان کو دیکھ کر کوئی کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلسل اتنی بارش ہوتی رہی ہے...... اور صرف پندرہ منٹ پہلے موقوف ہوئی ہے۔

محکمۂ موسمیات کے ایک ڈائریکٹر سے اس کی بڑی دوستی تھی۔ اس کا نام مورگن وائٹ تھا۔ رات بارہ بجے اس نے مورگن کو فون کیا۔ "اب تمہارا محکمہ بھی نااہلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔" اس نے مزاج پرسی کے بعد کہا۔

"یہ بات نہیں ہیری۔" مورگن نے کہا۔ "آج پورے دن ہمارے محکمے میں بھی کھلبلی مچی رہی ہے' مگر ہمارے پاس تصاویر موجود ہیں جو گواہی دیتی ہیں کہ پیش گوئی درست تھی۔ ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی' بادل اچانک ہی آئے اور آسمان پر چھا گئے۔"

"چلو' ہوتا ہے۔ کل کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

"اس وقت بادل غائب ہو چکے ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کل بارش نہیں ہو سکتی' کل روشن اور چمک دار دن ہوگا۔"

"مَیں دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اس بار پیش گوئی درست ثابت ہو۔"



لندن کے شیاطین کا ہنگامی اجلاس ہو رہا تھا۔ "یہ مصیبت ہم پر اچانک ہی نازل ہوئی ہے۔" لندن بیورو کا چیف کہہ رہا تھا۔ "اور اس مصیبت کا اصل مرکز پاکستان ہے' تمام بیرونی یونٹس کو دس دن پہلے خبردار کر دیا گیا تھا' مگر ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایسی ہنگامی صورتِ حال ہوگی' لہٰذا ہم اس کے لئے تیار نہیں تھے۔"

"تین دن پہلے پاکستان کے ایمرجنسی یونٹ نے ہمیں مطلع کیا کہ ہمیں طویل اور موسلادھار بارش کا بندوبست کرنا ہے۔ مَیں نے انہیں بتایا کہ ہمارے پاس اتنی ڈیول پاور نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہزا یکسیلنسی کا بدترین عتاب نازل ہوگا' مگر مَیں نے انہیں سمجھایا کہ ہمارے پاس واقعتاً اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے ہمیں اختیار دیا کہ ہم دنیا کے ہر سینٹر سے شیطانی مدد طلب کر سکتے ہیں' ہم نے ایسا ہی کیا' پھر بھی کام کے لحاظ سے نفری بہت کم...... بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی' چنانچہ پاکستان سے ہی بیس ہزار شیاطین کی کمک بھیجی گئی۔ مَیں کیا بیان کروں کہ انہوں نے کہاں کہاں سے بادل جمع کئے اور انہیں کھینچ کھانچ کر لائے۔ زبردستی مسلسل موسلادھار بارش کرانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس وقت ان لوگوں کا پتا ہے' کتنا برا حال ہے' وہ سب نڈھال پڑے ہیں' تھکن نے انہیں نچوڑ کر رکھ دیا ہے اور ابھی ذرا دیر پہلے پھر حکم ملا ہے کہ صبح سات سے

رات گیارہ بجے تک پھر بارش ہونی چاہئے۔ مَیں نے انہیں بتا دیا کہ کل کی نفری آج کام کرنے کے قابل نہیں ہے' پھر مہلت کم ہے اس لئے اس بار اتنے کم شیاطین سے کام نہیں چلے گا۔"

"تو پھر؟" مجلسِ عاملہ کے ایک رکن نے پوچھا۔

"اس بار وہاں سے ایک لاکھ کی کمک آ رہی ہے۔ سپروائز آپ لوگوں کو کرنا ہوگا۔ یہ مَیں نے معلوم کرلیا ہے کہ بادل ہمیں صرف آسٹریلیا سے مل سکتے ہیں۔"

"مارے گئے۔" ایک اور رکن نے کراہتے ہوئے کہا۔ "بڑا مشکل اور جان لیوا کام ہے۔"

"یہ نہیں پتا چلا کہ اس عجیب و غریب حکم کا پس منظر کیا ہے؟" تیسرے رکن نے پوچھا۔

"بس' ہزا یکسیلنسی کا حکمِ خاص ہے' اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"سب کچھ چوپٹ ہوا جا رہا ہے۔" پہلا رکن بولا۔ "یہاں کے سارے کام دھرے رہ گئے ہیں۔ لوگوں کو ورغلانے کی فرصت بھی نہیں مل رہی' یہ کیسی ایمرجنسی ہے۔"

"خیر' یہاں تو ورغلائے بغیر ہی ہمارا کام چل جاتا ہے۔" بیورو چیف بولا۔ "مگر زیادہ دن یہ صورتِ حال رہی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"



دوسری صبح بھی سات بجے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اس بار گولڈ اسمتھ کی پریشانی کی کوئی حد نہیں تھی' اسے اس پاکستانی کی گفتگو یاد آئی جو اس کے ہاتھ "موسم سے تحفظ" فروخت کرنے آیا تھا۔ اس کا انداز اور لہجے کا اعتماد اب اسے خوف زدہ کر رہا تھا' اس پورے معاملے میں کوئی گڑبڑ تھی ضرور۔

گیارہ بج گئے۔ بارش کا تسلسل نہیں ٹوٹا۔ اس نے گھبرا کر پھر مورگن وائٹ کو فون کیا:

"یہ کیا ہو رہا ہے مورگن!" اس نے پریشانی سے کہا' انداز ایسا تھا جیسے مورگن ہی اس

بارش کا ذمے دار ہو۔

"ہم خود حیران ہیں ہیری!" دوسری طرف سے مورگن نے کہا۔ "مگر اتنا ضرور معلوم ہوگیا ہے کہ یہ آسٹریلیا کے حصے کی بارش ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جو بادل یہاں برس رہے ہیں' آسٹریلیا سے آئے ہیں' بلکہ ایسا لگتا تھا کہ انہیں دھکے دے دے کر لایا جا رہا ہے۔"

یہ سن کر گولڈ اسمتھ کا دل اور بیٹھنے لگا۔ "یہ سلسلہ رکے گا بھی؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ یہ بارش تو تین دن بھی جاری رہ سکتی ہے۔"

"شکریہ مورگن۔ تم بہت مددگار ثابت ہوئے ہو۔" گولڈ اسمتھ نے تلخ لہجے میں کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اب اس نے ومبلڈن کی انتظامیہ کے صدر سر راجرز کو فون کیا۔ اس نے انہیں پوری صورتِ حال بتائی۔

"تمہیں مجھ کو پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا' ہیری!" سر راجرز نے فکرمندی سے کہا۔ "یہ تو مشرق کی جادوگری معلوم ہوتی ہے۔"

"اب تو مجھے بھی یہی لگ رہا ہے' مگر اس وقت مسخرا پن لگ رہا تھا۔"

"خیر...... مَیں دو بجے انتظامیہ کمیٹی کا اجلاس طلب کر رہا ہوں۔ تم آ جاؤ۔ وہاں یہ سب کچھ بتانا' پھر کوئی فیصلہ کریں گے۔"



"لیکن یہ سب کچھ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔" کمیٹی کے ایک ممبر نے تبصرہ کرنے والے انداز میں کہا۔ گولڈ اسمتھ کا بیان ان سبھی کو الف لیلہ معلوم ہوتا تھا' مگر وہ سب پریشان بھی ہوگئے تھے۔

"ہاں' یہ ممکن ہے۔" سر راجرز نے کہا۔ "لیکن جاری رہا تو یہ اتفاق بے حد تباہ کن

ثابت ہو گا۔"

"سب سے بری بات یہ ہے کہ محکمۂ موسمیات نے ان دو دنوں کو بالکل کلیئر قرار دیا تھا۔" گولڈ اسمتھ نے کہا۔ "اور یہ دونوں دن تباہ ہو گئے۔ محکمۂ موسمیات کے مطابق اب آنے والے دنوں میں بارش کا امکان ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ کہ اس صورتِ حال میں تو یہ ٹورنامنٹ ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔" سرراجرز جھنجلا گئے۔

"یعنی ہمیں اس مشرقی شعبدہ باز سے سمجھوتا کر لینا چاہئے؟"

"اس میں حرج بھی کیا ہے۔" گولڈ اسمتھ نے کہا۔ "آنے والے دنوں میں بارشیں ہونی ہیں، اگر وہ ہمیں تحفظ فراہم کر سکتا ہے تو یہ خسارے کا سودا نہیں۔"

"مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ......" ایک ممبر نے اعتراض کیا۔

"مَیں نے ابھی کچھ دیر پہلے محکمۂ موسمیات کے ڈائریکٹر سے بات کی ہے، اس کا کہنا ہے کہ یہ آج کی بارش کئی دن بھی جاری رہ سکتی ہے۔" گولڈ اسمتھ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بارش گیارہ بجے رک جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ مشرقی شعبدہ گر ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"مگر اس میں ایک اور دن ضائع ہو جائے گا۔" ایک اور ممبر نے اعتراض کیا۔

"نہیں ہو گا۔ بلکہ اس کی آزمائش بھی ہو جائے گی۔" گولڈ اسمتھ بولا۔ "ہم شرط عائد کریں گے کہ اگر ٹھیک گیارہ بجے بارش رک گئی تو معاہدے پر عمل ہو گا ورنہ نہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

سب متفق ہو گئے تو معاہدے کی شرائط پر بات چیت شروع ہوئی۔ گولڈ اسمتھ نے انہیں عدنان ایسوسی ایٹس انٹرنیشنل کی شرائط کے متعلق بتایا۔

"یہ تو بہت زیادہ ہے۔" ایک ممبر بولا۔

"ہاں، اس پر ہمیں بارگین کرنا چاہئے۔" دوسرے ممبر نے اس کی تائید کی۔

"جنٹلمین، اُس وقت ہم بارگین کر سکتے تھے۔" گولڈ اسمتھ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مَیں نہیں سمجھتا کہ اب ہم بارگیننگ کی پوزیشن میں ہیں۔"

"مسٹر گولڈ اسمتھ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" سرراجرز نے کہا۔

"پھر بھی مَیں کوشش کروں گا۔" گولڈ اسمتھ بولا۔

"اب ہمیں ٹکٹوں کی قیمت پر بھی نظرِ ثانی کرنا ہو گی۔"

سرراجرز نے کہا۔

مگر نظرِ ثانی سے پہلے ہیری گولڈ اسمتھ کو عدنان ایسوسی ایٹس انٹرنیشنل سے بات چیت اور معاہدے کا مکمل اختیار سونپ دیا گیا۔



"پلیز مسٹر عدنان، آپ فوری طور پر یہاں تشریف لے آئیں۔"

عدنان مسکرایا، پھر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "سوری مسٹر گولڈ اسمتھ، مَیں اس وقت بہت مصروف ہوں۔"

گولڈ اسمتھ سے چند لمحے بولا ہی نہیں گیا، پھر اس نے کہا۔ "ہم آپ سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں، آپ جانتے ہیں، یہ بڑا بزنس ہے۔"

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے لئے یہ بہت زیادہ اہم ہے۔ آپ تشریف لے آئیں۔ یہیں دستاویزات مکمل ہو جائیں گی اور معاہدے پر دستخط ہو جائیں گے۔"

گولڈ اسمتھ نے فون پر بھی محسوس کر لیا کہ اس کے مقابل کا اعتماد اور بڑھ گیا ہے، مگر وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ "ٹھیک ہے۔ مَیں آ رہا ہوں۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دو گھنٹے بعد معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

گولڈ اسمتھ کے رخصت ہوتے ہی عدنان نے سلیمان کو فون کیا۔ "سلیمان، مَیں شرط جیت گیا۔" اس نے کہا۔ "یہاں بارش ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ بارش ٹھیک گیارہ

بجے رک جائے گی۔ گیارہ بجکر ایک منٹ پر بارش نہیں ہو رہی ہوگی۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔" دوسری طرف سے سلیمان نے خشک لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ دس ہزار کی اور شرط ہو گئی۔"

"منظور ہے۔"

"اور ایک بات بتاؤں۔ اب ومبلڈن میں بارش اس سال ایک منٹ کے لئے بھی ڈسٹرب نہیں کرے گی۔ ہر میچ بغیر کسی رکاوٹ کے مکمل ہوگا۔"

"میں انگلینڈ کے موسم کو جانتا ہوں' یہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

"ہو جائے شرط۔"

"ہو گئی' میں کہتا ہوں' اس ٹورنامنٹ میں بارش مداخلت کرتی رہے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" عدنان نے کہا۔ "اور مبارک ہو سلیمان۔"

"تمہیں مبارک ہو عدنان۔ جیتے تو تم ہو۔"

"میں اپنی جیت پر بھی تمہیں مبارک باد دے سکتا ہوں۔"

"یار' ایک بات اور ذہن میں آئی ہے۔" دوسری طرف سے سلیمان نے کہا۔ "وہ اپنا رضوان ہے نا' بہت خراب ہوگیا ہے۔ مجھے تو اب یقین ہوگیا ہے کہ شیطان اس کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ شیطان اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔" عدنان نے کہا۔

"ناممکن' میں اس پر بھی دس ہزار کی شرط لگا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' ہو گئی۔"



شیاطین نے صوبائی سطح پر ناکامی کے بعد وفاقی حلقوں میں تار ہلائے۔ ان کی رسائی دور دور تک تھی۔

سلیمان کا ماتھا اس روز بری طرح ٹھنکا' جب پہلی بار ایف آئی اے والے اس کے پاس آئے۔ ان کا انداز اگرچہ بے حد مہذبانہ تھا' لیکن جو تفتیش وہ کر رہے تھے' وہ اپنی جگہ بے حد سنگین تھی۔ موضوع یہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اتنا دولت مند کیسے ہوگیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہ بات بتا نہیں سکتا تھا۔ بتاتا تو یقین کون کرتا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے یہ سب کچھ پوچھنے کا حق ہے۔" اس نے تفتیش کاروں سے کہا۔

"یہ تو ہمیں نہیں معلوم' لیکن اوپر کے...... بہت اوپر کے احکامات ہیں۔" ایک تفتیش کار بولا۔

"اور جناب' جائز طریقے سے راتوں رات کوئی ارب پتی نہیں بن جاتا۔" دوسرے کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"تو آپ کس لئے ہیں۔" سلیمان نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو یہ بات خود معلوم کرنا چاہئے...... چھان بین کے ذریعے۔ میں اگر مجرم ہوں تو اعترافِ جرم کیوں کروں گا۔"

"اگر آپ کے ذرائع ناجائز نہیں تو بتانے میں کیا حرج ہے؟"

"فرض کرلیں کہ ناجائز ہیں' تب؟"

"ہم آپ کو گرفتار بھی کر سکتے ہیں۔"

"تو کر لیجئے۔" سلیمان نے بے خوفی سے کہا۔

"آپ کو ہم سے تعاون کرنا چاہئے۔" پہلا تفتیش کار بولا۔

"یا پھر اوپر والوں سے بات کر کے انہیں مطمئن کر دیجئے۔" دوسرے نے تجویز پیش کی۔

"اوپر والا تو ایک ہی ہے۔ اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔" سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ویسے آپ میرے بینک سے رابطہ کیوں نہیں کرتے۔ میرے پاس تو جو کچھ بھی ہے' وہ مجھے بینک کے توسط سے ملا ہے۔"

"یہ کام تو ہم کر چکے ہیں۔ آپ کو دو بار مستند چیک کی شکل میں رقومات ملی ہیں۔

چیک جس کمپنی کے تھے' اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔"

"تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" سلیمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ یہ تو بتائیں گے کہ آپ کو وہ کس بات کا صلہ ملا اور کس سے ملا؟"

"یہ تو آپ کو معلوم کرنا ہے۔ مَیں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ کسی نے کسی وجہ سے مجھے وہ رقومات دیں اور مَیں نے رقم کا بیشتر حصہ ایک ٹرسٹ میں لگا دیا۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ یہ بھی دینے والے کی خواہش تھی۔ بعض لوگ سامنے آئے بغیر نیکی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس جواب سے ہماری تسلی نہیں ہوگی۔"

"مجھے افسوس ہے' لیکن مَیں کچھ کر نہیں سکتا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ ذرا دیر بعد ایک وزارت کے سیکریٹری کا فون آگیا۔ اس نے جو گفتگو کی' اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ سلیمان کو اوپر والوں کا خیال رکھنا چاہئے اور نیکی کی طرف توجہ کم کرنی چاہئے۔ اس سے اوپر والے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کے لئے خطرہ بن رہا ہے۔

"مگر میرے سیاسی عزائم نہیں ہیں۔" سلیمان نے کہا۔

"ابتدا میں سب یہی کہتے ہیں۔" سیکریٹری نے کہا۔

"مَیں یقین دلاتا ہوں......"

"سلیمان صاحب' اتنا کافی نہیں۔ آپ نہیں جانتے' بڑے اور بااختیار لوگوں کو نیکی سے الرجی ہوتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ جو کچھ مَیں کر رہا ہوں' وہ قانون اور آئین کے منافی نہیں۔"

"ابھی صرف تفتیش شروع ہوئی ہے۔ آپ گرفتار بھی ہو سکتے ہیں۔ BE WISE PLEASE سلیمان صاحب!" یہ سیکریٹری کا آخری جملہ تھا۔

سلیمان نے اگلے روز دو کام کئے۔ سب سے پہلے ضمانت قبل از گرفتاری کرائی اور پھر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس میں اس نے واضح کر دیا کہ اس کے خلاف وفاقی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے' وہ جس کے ایماء پر ہو رہا ہے' اسے وہ جانتا ہے اور خبردار کر رہا

ہے کہ مزید کوئی کارروائی ہوئی تو وہ اپنا زبان بندی کا عہد توڑ کر نہ صرف اسے بے نقاب کرے گا' بلکہ تمام دستاویزات بھی دنیا کو دکھا دے گا۔

اسے خدشہ تھا کہ ایف آئی اے والے پھر آئیں گے' لیکن وہ نہیں آئے۔ ابلیس تک اس کا پیغام پہنچ گیا تھا!



ابلیس کی جھنجلاہٹ مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی انسان کے مقابلے میں اسے اس طرح ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔ سلیمان اسے شکست پر شکست دے رہا تھا۔ وہ اس قدر چالاک اور عیار ثابت ہوا تھا کہ ابلیس کو اب اس سے خوف آنے لگا تھا۔

سلیمان نے پریس کانفرنس کے ذریعے اسے جو دھمکی دی تھی' پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ اسے نظرانداز کر دے' مگر پھر وہ لرز کر رہ گیا۔ یہ درست تھا کہ انسانوں کو سلیمان کی بات پر یقین نہیں آئے گا۔ وہ اسے فسانہ ہی سمجھیں گے' مگر اس کی امت تو جان لے گی کہ یہ حقیقت ہے اور شیاطین کو جب پتا چلے گا کہ ان کے پیشوا کو یوں شکست پر شکست ہو رہی ہے تو ان کا مورال تباہ ہو جائے گا...... اور وہ اس کی عزت کرنا چھوڑ دیں گے۔ دوسری طرف انسان عملاً اسے بے وقوف بنانے لگیں گے۔

چنانچہ ابلیس نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ دارالطعام والا زہر کا گھونٹ بھی اسے خاموشی سے ہی پینا پڑے گا۔

میٹنگ بلانے میں قباحت یہ تھی کہ اسے طرح طرح کے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا' چنانچہ اس نے اس سلسلے میں سرکلر جاری کر دیا۔ دارالطعام ایکشن کمیٹی توڑ دی گئی' مگر بہت سختی کے ساتھ کہہ دیا گیا کہ سلیمان کو کسی قیمت پر کوئی شرط نہیں جیتنے دی جائے گی۔ اس حکم پر اور زیادہ سختی سے عمل درآمد ہوگا۔

درحقیقت اب ابلیس اپنے چیلوں سے منہ چھپائے پھرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔



ومبلڈن کی کامیابی بہت بڑی کامیابی تھی' اس کے بعد عدنان نے پاؤں پھیلانے شروع کئے۔ اس کا اگلا ہدف امریکا تھا۔ وہاں باسکٹ بال اور بیس بال کا سیزن شروع ہو رہا تھا۔ پاؤں جمانے کے لئے وہی کچھ کرنا تھا' جو ومبلڈن میں کیا گیا تھا۔

بہت تھوڑے عرصے میں عدنان ایسوسی ایٹس انٹرنیشنل موسم کی کوریج کے لئے ایک معتبر نام ہو گیا۔

اب کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ شہرت ایک بار پیچھا پکڑ لے تو چھوڑتی نہیں' پھیلتی ہی جاتی ہے۔ موسم گرما میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم کو انگلینڈ کا دورہ کرنا تھا۔ وہ فل ٹور تھا جس میں پانچ ٹیسٹ اور چھ ون ڈے انٹرنیشنل ہونا تھے۔ عین اس عرصے میں آسٹریلیا کے موسم سرما کے کھیل ہونا تھے' پھر جب دنیا بھر میں سردی ہوتی تو آسٹریلیا میں موسم گرما شروع ہونا تھا۔ مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔

ادھر عدنان نے ڈربی میں ہونے والی گھڑ دوڑ کو بھی لُوٹنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اس کے لئے کچھ بھی تو مشکل نہیں رہا تھا۔



ٹیسٹ اینڈ کاؤنٹی کرکٹ بورڈ کا ممبر پیٹر فورڈ' ہیری گولڈ اسمتھ کے قریبی دوستوں میں سے تھا۔ اس وقت وہ گولڈ اسمتھ کے ساتھ سینٹر کورٹ میں بیٹھا پیٹ سمپراس کا دوسرے راؤنڈ کا میچ دیکھ رہا تھا۔ میچ یک طرفہ تھا اس لئے ادھر ادھر کی باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

"اس بار تو موسم نے تم لوگوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" پیٹر فورڈ نے کہا۔ "پورے دو دن واش ہو گئے۔"

"ہاں۔ اور ایسا پہلی بار ہوا ہے۔" گولڈ اسمتھ نے جواب دیا۔

"اور اب مسلسل بارشوں کی پیش گوئی ہے۔"

"ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" گولڈ اسمتھ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" فورڈ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب ہمارا ہر دن انشورڈ ہے۔ جس روز بارش ہو گی' اس روز معاہدے کے مطابق ہمیں گیٹ منی کا دگنا واپس ملے گا۔"

فورڈ حیران رہ گیا۔ "کون سی کمپنی ہے بھئی؟ یہ تو بہت مشکل کوریج ہے۔ تم تو بارش کی دعا مانگتے ہو گے۔"

"لطف یہ ہے کہ اس شق کے مطابق کوئی میچ ڈسٹرب نہ ہو تو بھی بارش کی صورت میں ہمیں ادائیگی ہو گی۔"

"واہ بھئی' اس سمر میں ہمارا بھی کنٹریکٹ کرا دو ان سے۔"

"کرا دوں گا۔"

میچ ختم ہوا تو گولڈ اسمتھ نے کہا۔ "کوئی مصروفیت نہ ہو تو آج لنچ میرے ساتھ کرو۔"

"میں فارغ ہوں۔ چلو۔"

وہ دونوں باہر آئے تو ایک بہت بڑی حیرت ان کی منتظر تھی۔ ومبلڈن اور اس کے گردونواح کے تھوڑے سے علاقے کو چھوڑ کر پورے لندن میں بارش ہو رہی تھی...... موسلا دھار بارش!

"یہ تو لگتا ہے کہ بارش نے صرف تم لوگوں کو بخشا ہے۔" فورڈ نے کہا۔

"یہی بات ہے۔" گولڈ اسمتھ نے گہری سانس لی۔ "اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ شخص جادوگر ہے۔"

"جادوگر!" فورڈ نے اسے غور سے دیکھا۔ "تمہارا مطلب ہے ووڈو؟"

"کچھ بھی سمجھ لو۔ وہ شخص انڈین ہے۔ جانتے ہو' اس نے ہمیں چیلنج کیا تھا کہ محکمۂ موسمیات کی بارش نہ ہونے کی پیش گوئی کے باوجود ایسی بارش ہو گی کہ افتتاحی میچ بھی نہیں کھیلا جا سکے گا اور پہلے اور دوسرے دن صبح سات بجے سے گیارہ بجے رات تک ایسی بارش ہوئی کہ واقعی افتتاحی میچ بھی نہیں کھیلا جا سکا۔ اس کے بعد ہم نے اس سے معاہدہ کر لیا۔"

"بھئی مجھے اس کا فون نمبر دو۔ ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔"

"ابھی دے دوں گا۔"



شیاطین کے لندن بیورو کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ "مَیں تو پریشان ہو گیا ہوں۔" بیورو چیف نے کہا۔

"مگر ابھی تو صورتِ حال قابو میں ہے۔" ایک ممبر بولا۔

"صرف اس لئے کہ ہمیں یہ نکتہ سوجھ گیا تھا کہ صرف ومبلڈن کو بارش سے محفوظ رکھنا ہے' ورنہ سوچو کہ یہاں سے بادلوں کو بوند پڑنے سے پہلے لندن سے باہر دھکیلنا کتنا مشکل کام تھا اور اب ہمارے پاس نفری بھی نہیں تھی۔"

"جو کمک آئی تھی' اس کا کیا ہوا؟"

"اسے اضافے کے ساتھ امریکا بھیجنا پڑا۔ وہاں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔"

"خیر' ایک بات سمجھ میں آ گئی۔" ایک اور ممبر نے جھرجھری لے کر کہا۔ "بارش کرانے کے مقابلے میں بارش نہ ہونے دینا زیادہ آسان ہے۔"

"ہمارے لئے ہے' امریکا والے رو رہے ہیں۔ وہاں انہیں بیک وقت پچاس ساٹھ محاذوں پر لڑنا پڑ رہا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے' یہ مصیبت ہم پر کیسے آئی؟"

"یہ تو ہزا یکسیلنسی ہی بتا سکتے ہیں۔" بیورو چیف نے آہ بھر کر کہا۔ "ہمارا تو فیلڈ ورک بھی دھرا رہ گیا اور ہر وقت تھکن سوار رہنے لگی ہے۔"

"واقعی' بہت خراب صورتِ حال ہے۔"



حکومتی کارروائیوں نے سلیمان کو بہت بڑی شخصیت بنا دیا تھا۔ اپنے علاقے میں اس کا شمار بڑے اور اہم لوگوں میں ہونے لگا تھا۔ ذرا فرصت ملی' تو اس کی سوشل لائف بھی

دوبارہ شروع ہو گئی۔ دوسری طرف عدنان کے نہ ہونے کی وجہ سے دارالطعام کا بوجھ بھی اس پر پڑ گیا تھا۔

فرصت ملی تو اس نے رضوان کو بھی چیک کیا۔ رضوان کے متعلق وہ عدنان سے شرط لگا چکا تھا۔ یہ امر یقینی تھا کہ شیطان نے رضوان کا پیچھا چھوڑ دیا ہے' مگر رضوان سدھرا نہیں تھا۔ اس کے شب و روز ویسے ہی گزر رہے تھے۔ اب شیطان کو رضوان کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے اداسی سے سوچا رضوان پوری طرح اس کے رنگ میں رنگ چکا ہے۔ اب رضوان آپ ہی اپنے لئے بہت کافی ہے۔

فرصت ملی' تو اسے فرزانہ بھی یاد آئی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسے کبھی بھولا ہی نہیں تھا' مگر جو اعصابی اور ذہنی جنگ لڑی تھی' اس نے اسے اپنے بارے میں سوچنے کی بھی مہلت نہیں دی تھی۔ اب اس کے پاس وقت تھا اور وہ سوچ سکتا تھا۔

فرزانہ سے اسے محبت ہو گئی تھی...... اور وہ محبت بے سبب نہیں تھی۔ وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے زندگی میں فرزانہ جیسی کوئی لڑکی نہیں دیکھی اور کم از کم اس کے منہ سے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس لئے کہ وہ ایسا آدمی نہیں تھا جس کی زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی ہی نہ ہو۔ اس کی زندگی میں سینکڑوں لڑکیاں آ چکی تھیں اور وہ سب کی سب بری تھیں۔ اور وہ خود سینکڑوں لڑکیوں کی زندگی میں گھس چکا تھا۔ ان میں اچھی بھی تھیں' مگر اس نے انہیں بلا تفریق استعمال...... برباد کیا تھا۔ اگر وہ عورت کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا تھا تو یہ غلط نہیں تھا۔

مگر فرزانہ اس کے لئے ایک نیا تجربہ تھی۔ سلیمان کی زندگی میں ایسی کئی لڑکیاں آئی تھیں' جنہیں اس نے رکشا یا ٹیکسی میں گھر چھوڑنے کی آفر کی اور وہ بلا جھجک تیار ہو گئیں۔ یہ الگ بات کہ رکشا یا ٹیکسی کی منزل باہمی رضامندی سے کوئی سینما ہاؤس' کوئی ریسٹورنٹ یا کوئی تفریح گاہ ثابت ہوئی' لیکن فرزانہ سے پہلے سلیمان کا واسطہ کبھی کسی ایسی لڑکی سے نہیں پڑا تھا جس نے دو دوستوں کے ہوتے ہوئے اس کی لفٹ قبول کی ہو' پھر ٹیکسی میں ہی اس نے اسے اپنا فون نمبر دیا تھا اور گھر آنے کی دعوت بھی اور یہ بھی بتا

دیا تھا کہ باپ ہے نہیں' ماں نرس ہے جس کی رات کی ڈیوٹی ہے۔ یعنی میدان صاف ملے گا۔

سلیمان کو بیسیوں لڑکیوں نے اسی طرح موقع دیکھ کر اپنے گھر بلا لیا تھا۔ نتیجہ ہر بار ایک ہی نکلا تھا۔ سوائے فرزانہ کے۔ اب تک ہر لڑکی نے یہی کہا تھا کہ آپ مجھے پہلی ہی نظر میں اچھے لگے تھے اور مجھے آپ سے محبت ہوگئی تھی۔ فرزانہ نے بھی یہی کہا تھا مگر اس کے لہجے میں سچائی تھی۔ سب لڑکیاں اکیلے گھر میں اسے بلانے کا جواز یہی بتاتی تھیں کہ انہوں نے سلیمان کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع نکالا ہے تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ سکیں اور ہوا بھی یہی تھا۔ سلیمان نے ان لڑکیوں کو اور لڑکیوں نے سلیمان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ فرزانہ نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ باتیں کرنا چاہتی ہے۔ اپنے بارے میں سب کچھ بتانا اور اس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہے' مگر اس نے ایک اور بات کہی تھی' جو کسی اور لڑکی نے کبھی نہیں کہی تھی' اس نے کہا تھا...... ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنی ہے اور اس کے لہجے میں جو یقین اور اعتماد تھا' وہ اس دنیا کی چیز نہیں لگتا تھا۔

پھر فرزانہ نے بھی ہر لڑکی کی طرح مزاحمت کی تھی' لیکن وہ سچی مزاحمت تھی' ورنہ لڑکیاں یہ دکھانے اور ثابت کرنے کے لئے مزاحمت کرتی ہیں کہ وہ ایسی ویسی نہیں۔ فرزانہ کے سوا کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جو اس کی پیش قدمیوں پر توہین اور ذلت کے احساس سے شل ہو کر رو پڑی ہو اور فرزانہ ہی وہ لڑکی تھی' جس کے سامنے اس نے اپنے بدترین ہونے کا اعتراف کیا تھا' لیکن وہ اسے اچھا سمجھتی تھی۔

اس سب کچھ کے بعد کون سی بڑی بات تھی کہ اسے فرزانہ سے محبت ہوگئی تھی' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ خود کو فرزانہ کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے وہ چونک پڑا۔ ارے...... اسے احساس بھی نہیں ہوا' مگر سچ یہ ہے کہ فرزانہ سے ملاقات کے بعد وہ غیر محسوس طور پر خود کار انداز میں برائیوں سے دور ہوتا گیا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ اس نے اب تک شراب کو ہاتھ بھی

نہیں لگایا تھا اور وہ کسی عورت کے قریب بھی نہیں گیا تھا' حالانکہ اس کے پاس مواقع اب پہلے سے بھی زیادہ تھے' کیونکہ اب اس کے پاس بے حساب دولت تھی۔ البتہ شرط لگانے سے وہ اب باز نہیں آیا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ یہ سوچ کر بجھ گیا کہ اس کا سبب فرصت نہ ملنا ہے۔ وہ مصروف رہا' پھر شیطان سے جنگ نے اسے مہلت ہی نہیں دی' لیکن فوراً ہی اسے خیال آیا کہ عیاشی تو وہ اس کے باوجود بھی کر سکتا تھا۔

اگلے ایک گھنٹے میں خوب غور و فکر کرنے اور اپنا تجزیہ کرنے کے بعد وہ دیانت داری اور غیر جانب داری سے اس نتیجے پر پہنچا کہ اگرچہ برا وہ اب بھی ہے' لیکن پہلے جیسا نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ وہ نیک نہیں ہے' پھر بھی اب وہ فرزانہ کو پروپوز کر سکتا ہے اور فرزانہ تو اسے تمام برائیوں کے باوجود اپنا سمجھتی تھی۔



دوسرے ٹیسٹ کے تیسرے دن کا کھیل ختم ہوا تو انگلینڈ کو یقینی شکست کا سامنا تھا۔

پاکستان نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے دوسرے دن کھیل ختم ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے اپنی اننگ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت پاکستان کا اسکور پانچ وکٹوں کے نقصان پر ۵۶۴ تھا۔ یہ اچھا اسکور تھا لیکن ایسے اسکورز کے باوجود میچ ڈرا ہوتے رہے ہیں۔ ایسے میں میچ کا انحصار بعد میں کھیلنے والی ٹیم کی بیٹنگ پر ہوتا ہے' مگر پاکستانی بالرز نے شاندار بالنگ کر کے میچ کو دلچسپ مرحلے میں داخل کر دیا' انہوں نے ایک گھنٹے کے کھیل میں انگلینڈ کو صرف ۲۴ رنز بنانے دیئے اور ان کے دو کھلاڑی آؤٹ کر لئے۔

لیکن تیسرے دن کا کھیل انگلینڈ کی قسمت پر مہر لگا گیا۔ انگریز بیٹسمین پورے دن صرف وکٹ بچانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ اسکور کرنا ان کا مسئلہ نہیں تھا۔ انہیں تو وکٹ بچانا تھی۔ اس طرح وہ میچ بچا سکتے تھے' مگر پاکستانی بالرز کھیل پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے۔ صرف تیسری اور چوتھی وکٹ مدافعت کر سکی۔ چوتھی وکٹ گرنے کے بعد

پوری ٹیم ڈھیر ہو گئی۔ ستم یہ ہوا کہ انہیں آخری آدھے گھنٹے میں دوسری اننگ شروع کرنا پڑی۔ پہلے ہی اوور میں اوپنر آؤٹ ہو گیا۔ وَن ڈاؤن کھیلنے کے لئے مستند بیٹسمین کے بجائے نائٹ واچ مین بھیجا گیا۔ چوتھے اوور میں وہ بھی داغِ مفارقت دے گیا۔ یوں ایک اور نائٹ واچ مین بھیجا گیا۔ جیسے تیسے باقی تین اوور جھیل لئے گئے۔

تیسرے دن کا کھیل ختم ہونے پر یہ پوزیشن تھی کہ انگلینڈ کو دوسری اننگ میں میچ بچانے کے لئے ۳۶۳ رنز بنانے تھے اور دو دن بیٹنگ کرنا تھی۔ اس میں سے گیارہ رن وہ بنا چکے تھے' مگر ان کے دو کھلاڑی بھی آؤٹ ہو چکے تھے۔ اب صرف بارش ہی میچ جتا سکتی تھی۔

اس روز میچ ختم ہونے سے ذرا پہلے پیٹر فورڈ عدنان سے ملنے آیا' تو عدنان کو حیرت ہوئی۔ معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے۔ پہلا ٹیسٹ بھی بارش سے محفوظ رہا تھا اور دوسرا ٹیسٹ بھی اب تک محفوظ تھا اور یقین تھا کہ بارش نہیں ہو گی۔

"مسٹر فورڈ' فرمایئے۔ کیسے زحمت کی؟" عدنان نے کہا۔

"ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" پیٹر فورڈ بولا۔

عدنان خوش ہو گیا کہ کوئی اور کاروباری معاہدہ ہونے والا ہے۔

"جی فرمایئے۔" اس نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔

"ہم یہ میچ بچانا چاہتے ہیں...... ہر قیمت پر۔"

پہلے تو عدنان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا' پھر اس نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ دوسرے ٹیسٹ میچ کی بات کر رہے ہیں؟"

"ایگزیکٹلی!" پیٹر فورڈ نے کہا۔

"تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ رولز کے تحت اب آپ مجھے ٹیم میں شامل نہیں کر سکتے اور مَیں آپ کو یقین دلا دوں کہ مَیں بہت اچھا بیٹسمین کبھی نہیں رہا۔" عدنان نے مسخرے پن سے کہا۔ "پھر پاکستانی بالر جس طرح بالنگ کر رہے ہیں' مجھے یقین ہے کہ اگر آپ برائن لارا اور ٹنڈولکر کی خدمات حاصل کریں' تب بھی میچ نہیں بچا سکیں گے۔"

پیٹر فورڈ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "پلیز...... سنجیدگی اختیار کریں۔ مَیں یہ کہہ رہا ہوں کہ بارش ہو جائے تو میچ بچ سکتا ہے۔"

"درست کہا آپ نے' مگر بارش کی دعا تو دور کی بات ہے' مَیں تو اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ معاہدے کے تحت ہماری فرم آپ کو بارش سے تحفظ فراہم کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بارش ہو گی بھی نہیں۔"

"مگر اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ دو دن موسلا دھار بارش ہو۔"

"چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"میرے اور عام لوگوں کے چاہنے سے تو کچھ نہیں ہوتا' لیکن آپ کے چاہنے سے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

عدنان نے دل ہی دل میں نعوذ باللہ کہا' پھر پیٹر فورڈ سے کہا۔ "یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔ اول تو یہ ممکن نہیں' دوسرے ممکن بھی ہو تو بارش ہونے کی صورت میں ہمیں آپ کو لاکھوں پاؤنڈ ادا کرنے ہوں گے' لہٰذا بارش ہماری تو دشمن ہے۔"

"دوست بھی ہو سکتی ہے۔" پیٹر فورڈ پہلی بار مسکرایا۔ "بارش ہوئی تو ہم آپ سے کوئی ہرجانہ وصول نہیں کریں گے۔ الٹا ہم آپ کو معقول معاوضہ ادا کریں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن مَیں بارش کیسے کرا سکتا ہوں؟"

"جیسے ومبلڈن میں کرائی تھی۔" فورڈ شاطرانہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' مَیں کون ہوں؟" عدنان نے ذرا تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"مشرق کا جادوگر۔" فورڈ نے بلا جھجک کہا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" عدنان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "یہ سب کہانیوں میں ہوتا ہے۔ ہم بڑے سائنٹیفک انداز میں کام کر رہے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارے پاس جدید ترین محکمۂ موسمیات ہے جو آپ کے محکمۂ موسمیات سے سو سال آگے ہے۔"

"آپ ہزار سال آگے بھی کہہ لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فورڈ نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے ومبلڈن کے اردگرد کو چھوڑ کر پورے لندن میں

موسلا دھار بارش ہوتے دیکھی ہے۔ بخشش صرف ومبلڈن کی ہوئی تھی۔"

گفتگو بہت خطرناک مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ عدنان نے جلدی سے موضوع بدلا۔

"یہ ٹیسٹ بچانا اتنا ضروری کیوں ہے' آپ کے لئے۔"

"آج میچ دیکھنے آنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ میچ ہار گئے تو اگلے میچ میں اسٹیڈیم خالی پڑا ہو گا۔" فورڈ نے آہ بھر کے کہا۔ "اور آپ کو جو ہم بھاری فیس دے رہے ہیں' وہ گیٹ منی کی بدولت ہے۔"

"گیٹ منی پر کیا اثر پڑے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تیسرا اور چوتھا ٹیسٹ ابھی سے سیل آؤٹ ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن لوگ ٹکٹ خریدنے کے باوجود میچ دیکھنے نہ آئیں تو یہ کھیل کی توہین ہے۔ ہماری ٹیم کا مورال پہلے ہی بہت ڈاؤن ہے۔ وہ تو تباہ ہو جائے گی۔"

"مگر مسٹر فورڈ' یہ پانچ میچوں کی سیریز ہے۔ پاکستان کو ۰-۲ کی برتری حاصل ہو گئی تو سیریز اور سنسنی خیز ہو جائے گی۔" عدنان نے دلیل دی۔

"مَیں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ ہارے ہوئے گھوڑے دوڑ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے ہاں کرکٹ کا بحران اب تقریباً دو دہائی پرانا ہو چکا ہے۔ پچھلے پندرہ بیس سالوں میں انگلش کرکٹ بہت بیمار رہی ہے۔ سچ پوچھو تو لمحہ لمحہ موت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ذرا سوچو تو' کرکٹ کی سب سے بڑی نرسری ہمارے ہاں ہے۔ اوسط درجے کا غیر ملکی کھلاڑی' جو یہاں کاؤنٹی کرکٹ کھیلتا ہے' دو تین سال میں عظیم کھلاڑی بن جاتا ہے' لیکن پچھلے برسوں میں ہم نے کتنے عظیم کھلاڑی پروڈیوس کیے؟ ایک بھی نہیں۔

"اور کرکٹ ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی روایت ہے اور ہم روایت پرست قوم ہیں۔ یہ مبالغہ نہیں کہ ہم نے دنیا کو کرکٹ کھیلنا ہی نہیں سکھایا' اس کے آداب سے بھی روشناس کرایا۔ ہم نے عملاً دکھایا کہ ہار کر بھی سربلند رہا جا سکتا ہے۔ اسپورٹس مین شپ کے معلم ہم ہی ہیں۔ مگر پچھلے دس سالوں کو دیکھو۔ ہمارے نقاد تنگ نظر ہو گئے ہیں۔ ہمارے اسپورٹس رائٹرز غیر جانبداری سے محروم ہو گئے۔ مہمان

ٹیمیں انگلینڈ آتے ہوئے گھبرانے لگیں۔ ان کے یہاں پہنچتے ہی ان کے خلاف مہم شروع کر دی جاتی ہے۔ اسپورٹس رائٹرز اور نقاد ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کھلاڑیوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے جو سب سے خطرناک ہوں۔ انضمام الحق کی مثال سامنے رکھو۔ ہم سب میچ سے پہلے اور میدان کے باہر مخالف ٹیم کو شکست دینے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کبھی سوچا کہ کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں اپنی ٹیم پر یقین اور اعتماد نہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ دنیا کی سب سے بری ٹیم ہے اور ہم ہارتے ہارتے تھک چکے ہیں۔ مسلسل ہارنا کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ WE ARE BAD SPORTS NOW. اور اس سب کے باوجود ہم ہار جائیں تو مخالف کی فتح کو بے اثر کرنے کے لیے الزام تراشیوں کی مہم شروع کر دیتے ہیں۔ بال ٹمپرنگ' سلو بالنگ ریٹ وغیرہ وغیرہ۔ تم سمجھ نہیں سکتے کہ کرکٹ کا زوال ہمارا قومی زوال ہے۔ ہمارا معاشرتی' معاشی' سیاسی اور اخلاقی زوال ہے۔ ہم ذہنی طور پر دوالیا ہوئے جا رہے ہیں۔

"تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کرکٹ کے اس ڈاؤن فال کو جو سلائیڈنگ ہے' روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم وہی کر رہے ہیں---- بڑی سنجیدگی اور خلوص سے۔ ہم نے کاؤنٹی کرٹ میں تمام تجربے اور آپریشن کر کے دیکھ لیے۔ اب ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اپنی ٹیم کو شکست سے بچانے کے لیے تم سے منہ مانگے داموں بارش خرید لیں۔ میری بات پر غور کر رہے ہو نا---- منہ مانگے داموں۔"

عدنان خاموش بیٹھا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ جو کچھ ساری دنیا کہہ رہی تھی' وہ ایک انگریز کی زبانی سن رہا تھا۔ اسے اپنے سامنے بیٹھے اس انگریز کی نیت اور خلوص میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ بس ایک خامی تھی اس کی سوچ میں۔ وہ منفی ذرائع سے مثبت نتائج حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن وہ اسے یہ بات کیسے سمجھاتا۔ جانتا تھا کہ اس کے اپنے وطن میں ہدایت یافتہ لوگ بھی یہی کر رہے ہیں---- رشوت کے پیسے سے' ناجائز دولت سے نیکیاں' حج' قربانی' زکوٰۃ' خیرات' مسجدوں کی تعمیر اور غریبوں کی مدد۔ اور وہ یہ سمجھتے

ہیں کہ آخرت کا سامان کر رہے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ کیکر پر انگور کی بیل چڑھا رہے ہیں۔ آخرت میں تو انگور بھی نہیں ملیں گے۔ انگور تو یہیں چھلنی ہو کر ضائع ہو چکے ہوں گے۔

"پھر کیا کہتے ہیں آپ؟" فورڈ نے اسے چونکا دیا۔

"دیکھئے، مَیں اپنے موسم کے ایکسپرٹ سے بات کر کے ہی کچھ کر سکوں گا۔ مَیں دو گھنٹے بعد آپ کو فون کروں گا۔"

"مَیں منتظر رہوں گا۔" پیٹر فورڈ نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

فورڈ کے جاتے ہی عدنان فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اسے سلیمان سے رابطہ کرنا تھا۔



سلیمان مایوس تھا۔ طرح طرح کے واہمے اسے ستا رہے تھے۔ رات نو بجے اس نے پہلی بار فرزانہ کا نمبر ملایا۔ انگیج کی ٹون سنائی دی۔ دو منٹ بعد اس نے پھر نمبر ملایا۔ دوسری طرف اب بھی انگیج کی ٹون تھی۔ سلیمان بہت ایکسائیٹڈ تھا۔ وہ بار بار نمبر ملاتا رہا، لیکن فون انگیج ہی ملا۔

اچانک ایک خیال آیا اور اس کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ عام طور پر فون پر اتنی طویل گفتگو نہیں ہوتی۔ اتنی گفتگو تو خواتین بھی نہیں کرتیں۔ اسے نمبر ملانے کی کوشش میں ڈیڑھ گھنٹا ہو چکا تھا۔

یہ طے تھا کہ فرزانہ کی ماں گھر پر نہیں ہو گی۔ گھر میں فرزانہ کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔ تو گویا فون پر یہ گفتگو فرزانہ ہی کر رہی ہے، مگر اتنی طویل گفتگو۔ اور کس سے بات کر رہی ہے وہ؟ اتنی طویل گفتگو تو رومانوی ہی ہو سکتی ہے۔

یہ سوچتے ہی اس کے بدن میں چنگاریاں سی اڑنے لگیں۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ تو وہی ہوا کہ مَیں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا۔

لیکن یہ سب بعید از قیاس نہیں تھا، بلکہ فطری تھا۔ خاص طور پر فرزانہ کو درپیش صورتِ حال کے پیشِ نظر تو یہ بہت پہلے ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ فرزانہ کا گھر مرد سے محروم

تھا۔ ماں کے سوا اس کا کوئی نہیں تھا۔ شادی اس گھر کی ضرورت تھی۔ فرزانہ کی ماں کو ایک ایسے داماد کی ضرورت تھی جو داماد نہیں بیٹا بن جائے۔

مگر فرزانہ نے کہا تھا کہ وہ اس کے خواب دیکھتی رہی ہے۔ اس نے کامل یقین ظاہر کیا تھا کہ کچھ بھی ہو، اس کی شادی سلیمان سے ہی ہو گی۔ اسے یقین تھا کہ انہیں ایک ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ تو کیا اتنی جلدی وہ یہ سب کچھ بھول گئی؟ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو بھولتے ہوئے دیر بھی نہیں لگتی۔ دل نے جواب دیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "مَیں فرزانہ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ اسے جواب دہی کرنی ہو گی۔ اپنا فیصلہ تبدیل کرنا ہو گا۔"

اس نے پھر نمبر ملایا۔ انگیج کی ٹون سنتے ہی اس نے میز پر پوری قوت سے گھونسا مارا۔

"فرزانہ، میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔"

اس پر دیوانگی طاری تھی۔ وحشت خون بن کر شریانوں کی دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھی۔ یہ کیفیت اس بات کی غماز تھی کہ وہ فرزانہ سے شدید محبت کرتا ہے۔ شاید اسی دن سے جب وہ پہلی بار اس کے گھر گیا تھا، بلکہ شاید اسی لمحے سے جب اس نے پہلی بار اسے بس اسٹاپ دیکھا تھا، لیکن اس وقت، اس عالمِ وحشت میں وہ اپنی اس کیفیت کو سمجھنے، تجزیہ کرنے اور اس سے نتائج اخذ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

کوشش کرتے کرتے گیارہ بج گئے اور اس کی ساعت کو انگیج کی ٹون کے سوا کچھ نہیں ملا تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ آخری بار نمبر ملائے گا---- کم از کم دس منٹ کا وقفہ دے کر اور اس بار بھی فون انگیج ملا تو وہ فون نہیں کرے گا، بلکہ براہِ راست فرزانہ کے گھر پہنچ کر اس کی خبر لے گا۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد وہ گھڑی پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔ اندر کی وحشت کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی تھی۔ جیسے ہی دس منٹ پورے ہوئے، اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ وہ سحر زدہ سا انسٹرومنٹ کو دیکھتا رہا۔ گھنٹی اسے اس کیفیت سے، اس ٹرانس سے باہر لے آئی تھی، جس میں دو گھنٹے سے تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "سلیمان اسپیکنگ!"

دوسری طرف سے عدنان کی آواز سنائی دی۔ "کیا حال ہے سلیمان؟"

"بہت برا حال ہے-----"

"خیریت تو ہے؟" عدنان کے لہجے میں تشویش در آئی۔

"بتا نہیں سکتا۔ لہٰذا چھوڑو' اپنی سناؤ؟" سلیمان نے خشک لہجے میں کہا۔

"ادھر خیریت ہے۔ بس ایک تبدیلی کا امکان ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کل اور پرسوں اولڈ ٹریفورڈ میں اتنی بارش ہو گی کہ کھیل نہیں ہو سکے گا۔"

"اور ٹیسٹ ڈرا ہو جائے گا؟"

"ہاں---- بالکل۔" عدنان کے لہجے میں سنسنی اور بے تابی تھی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" سلیمان نے اطمینان سے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" لہجے سے پتا چلتا تھا کہ دوسری طرف عدنان اچھل پڑا ہے۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"تم میری بات سمجھ نہیں رہے ہو----"

"خوب اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔" سلیمان نے خشک لہجے میں کہا۔ "میدان میں شکست کھانے والے' میدان کے باہر شکست سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"وہ منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔"

"یہ اندازہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر----؟"

"بات یہ ہے کہ مَیں یہ میچ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں۔ مَیں اس میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ بہت اچھا اور سچا پاکستانی ہوں مَیں۔"

"بات کروڑوں کی ہے۔" دوسری طرف سے عدنان نے کہا۔

"بات پوری دنیا کی دولت کی بھی ہو تو کیا ہے۔ مَیں بنیادی طور پر ایک کلرک ہوں' جس کا بغیر لو میرج کے دولت سے ناتا جڑا ہوا ہے۔ مَیں ہنی مون منا رہا ہوں' لیکن جانتا

ہوں کہ انجامِ کار ناچاقی ہو گی اور علیحدگی ہو جائے گی۔ ممکن ہے' مجھے نان نفقہ بھی ادا کرنا پڑے۔"

"لیکن یار----!"

"میری بات سنو عدنان! تم میرے بہترین دوست ہو۔" سلیمان نے عدنان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے ایک ضمنی اور غیر اہم بات کو اہم ترین بنا لیا ہے اور اصل بات کو بھول بیٹھے ہو۔ مجھے یاد دلانا پڑے گا۔ تم جسے ایک منفعت بخش کاروبار سمجھ کر اس کے بارے میں سیریس ہو گئے ہو' وہ منفعت بخش ہے ضرور' لیکن ان معنوں میں نہیں' جن میں تم سمجھ رہے ہو۔ یہ کاروبار درحقیقت ایک بدترین دشمن سے جنگ ہے۔ ہمیں اس پر فتح حاصل کرنی ہے۔ دولت کمانا ہمارا مقصد نہیں۔ البتہ یہ امکان موجود ہے کہ ہمیں آخرت میں اس کا نفع پہنچے۔"

ریسیور پر چند لمحے خاموشی رہی پھر عدنان کی آواز ابھری۔ لہجے میں شرمندگی تھی۔ "یاد دلانے کا شکریہ سلیمان۔ مَیں واقعی بھول گیا تھا دوست۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"



عدنان نے کریڈل کو انگلی سے دباتے ہوئے گہری سانس لی اور فوراً ہی پیٹر فورڈ کا نمبر ملایا۔ "مسٹر فورڈ' عدنان بول رہا ہوں۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"یس مسٹر عدنان' کوئی اچھی خبر؟"

"سوری مسٹر فورڈ' ہمارے ایکسپرٹ نے بھی وہی کہا جو مَیں نے آپ کو بتایا تھا۔ اس معاملے میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔"

"یہ وہ بات ہے' جسے مَیں---- ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔"

"مَیں اس صورت میں آپ کو کسی بھی طرح یقین نہیں دلا سکتا۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں اور بتا دوں کہ اس ٹیسٹ کے بعد ہم اس پر غور کریں گے کہ معاہدہ کینسل کر دیں۔"

"آپ کی مرضی' لیکن معاہدے کی رُو سے آپ کو معاوضہ پانچوں ٹیسٹ میچوں کا ادا کرنا ہو گا۔"

"کوشش کر دیکھنا۔ تمہیں عدالتوں کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔"

دوسری طرف ریسیور پٹخ دیا گیا۔ عدنان کو کوئی پروا نہیں تھی۔ سلیمان نے بروقت اسے اس کاروبار کی حیثیت یاد دلا دی تھی۔ واقعی اس کا مقصد دولت کمانا نہیں' شیطان کو شکست دینا تھا۔ یہ الگ بات کہ بونس میں انہیں لاکھوں کروڑوں مل رہے تھے۔ اس وقت تک عدنان ایسوسی ایٹس کی آمدنی کروڑوں میں تھی۔

رابرٹ ممِ نے اسے چونکا دیا۔ "سر---- تین افراد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تم انہیں مطمئن کر سکتے ہو؟" عدنان نے بے دھیانی سے کہا۔

"وہ مُصر ہیں کہ آپ سے ہی بات کریں گے۔ البتہ مَیں نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ یہ بڑا بزنس ہے---- اور موسم سے متعلق ہے۔"

"ٹھیک ہے' انہیں بھیج دو۔"

رابرٹ کے باہر جانے کے بعد وہ تین افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی عدنان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ صورت شکل سے اچھے نہیں لگتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تینوں ایشیائی---- بلکہ ہم وطن لگ رہے تھے۔

"تشریف رکھیے۔" اس نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

تینوں بیٹھ گئے۔ "شکریہ۔ آپ ہم سے اپنی مادری زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب۔" عدنان بھی مسکرا دیا۔

"پردیس میں کسی ہم وطن کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہے۔"

"درست کہا آپ نے۔ یہ بتایئے کہ کیا پئیں گے؟"

"چائے منگوا لیجیے۔" وہی ایک شخص بات کر رہا تھا۔ دوسرے دونوں خاموش بیٹھے

تھے۔

عدنان نے انٹرکام پر مس شیلا سے چائے بھجوانے کو کہا اور پھر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اب فرمایئے' مَیں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟"

"پہلے تعارف ہو جائے۔ مَیں طارق زبیر ہوں۔ یہ سیتا رام ہے اور یہ بھیم سنگھ۔" اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر' مَیں عدنان احمد ہوں۔"

"آپ کو کون نہیں جانتا۔" طارق عیاری سے مسکرایا۔ "ہم تینوں بزنس مین ہیں۔ الگ الگ بزنس ہے ہمارا۔ لیکن فیلڈ ایک ہے۔"

"بہت خوب۔" عدنان نے کہا۔ وہ کاروبار کے سلسلے میں اس کی وضاحت کا منتظر تھا۔

"آپ کے اور ہمارے درمیان ایک مشترک قدر ہے۔

"LIKE YOU, OUR BUSINESS IS ALSO NOT LEGITIMATE"

عدنان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

MY BUSINESS IS PERFECTLY LEGITIMATE"

"بظاہر تو ہمارا بزنس بھی LEGITIMATE ہے۔"

ہر لمحہ ان کے لیے عدنان کی ناپسندیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔ "آپ کے خیال میں میرا بزنس کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بارشوں اور روشن اور چمک دار دنوں کی فروخت۔"

عدنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "وہ چیز' جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں۔"

"مگر آپ اپنا اختیار ثابت کر چکے ہیں اس لیے بزنس میں ہیں۔"

"میرا خیال ہے' اب کام کی بات ہو جائے۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ نے ابھی تک اپنے کاروبار کی نوعیت نہیں بتائی؟"

"ہمارا کاروبار ہے شرطیں لگانا---- شرطیں قبول کرنا۔" طارق نے کہا۔ "مختصر لفظوں

میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے' کیونکہ ہمارا میدان بہت پھیلا ہوا ہے۔ ہم ہر بات پر شرط قبول کرتے ہیں اور شرط لگانے کو تیار رہتے ہیں۔ کھیل سے موسم تک' تجارت سے سیاست تک اور مذہب سے قدرتی آفات تک۔"

عدنان پھر بے ساختہ مسکرایا۔ اسے سلیمان کا خیال آ گیا تھا۔ "مَیں آپ کے کیا کام آ سکتا ہوں؟"

"دوسرے ٹیسٹ کی صورتِ حال تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ محکمۂ موسمیات کے مطابق اگلے دو روز میں بارش کا کوئی امکان نہیں۔ انگلینڈ یقینی طور پر میچ ہارنے والا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"چنانچہ ہم نے دو شرطیں میدان میں اچھال دیں۔" طارق نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ "ایک یہ کہ انگلینڈ میچ نہیں ہارے گا' دوسری یہ کہ دونوں دن شدید بارش ہو گی۔"

"لیکن یہ ناممکن ہے۔" عدنان نے بولا۔

"ناممکنات ہی سے یہ بزنس چلتا ہے۔" طارق نے دانش مندانہ انداز میں کہا۔ "اس پر بھاؤ بہت اچھا ملتا ہے۔"

"لیکن ناممکن ہونے کی وجہ سے آپ کو نقصان بھی تو ہو گا۔"

"ہم ناممکن کو ممکن بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بزنس میں ہیں۔ اب ہماری ان دونوں شرطوں کو دیکھیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی شرط ہے۔ بارش ہو گئی تو انگلینڈ کے ہارنے کا سوال ہی نہیں۔ اس سے یہ ہوا کہ شائقین کے لیے ورائٹی بن گئی۔"

"لیکن آپ نے بارش کے متعلق شرط کیسے لگائی؟ جبکہ اس کا امکان ہے ہی نہیں؟"

"یہ شرط ہم نے آپ کے زور پر لگائی ہے۔" طارق نے عدنان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ بارش کرا سکتے ہیں۔"

"نعوذباللہ۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ چیزیں کسی کے اختیار میں نہیں---- خدا کے سوا۔"

"کاروباری دنیا میں خدا نہیں چلتا۔" طارق نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم آپ کے متعلق سب جانتے ہیں۔ ومبلڈن سے آسٹریلیا اور امریکہ تک۔ آپ نے ہر جگہ یہی ثابت کیا ہے کہ موسم کی باگیں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔"

"مَیں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔" عدنان نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں' اللہ نے مجھے اس سلسلے میں چھٹی حِس دی ہے۔ بارش ہونے والی ہو تو مجھے پتا چل جاتا ہے۔"

"لیکن ومبلڈن کے موقع پر تو آپ نے ومبلڈن کے منتظمین کو غیر متوقع اور مسلسل بارش کے ذریعے رام کیا تھا۔" سیتا رام نے پہلی بار زبان کھولی۔

عدنان اس سوال کے لیے تیار تھا۔ "میں نے صرف اپنی چھٹی حِس سے فائدہ اٹھایا تھا۔ محکمۂ موسمیات نے بارش نہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی جبکہ میری حِس بتا رہی تھی کہ موسلا دھار بارش ہو گی' چنانچہ مَیں نے انہیں موسم سے تحفظ کی آفر کر ڈالی۔ میری توقع کے مطابق انہوں نے مجھے رد کر دیا۔ اپنی حِس کے مطابق مَیں نے انہیں چیلنج کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ دو دن بارش ہوتی رہی تو وہ میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔"

"اور اب آپ کی حِس خاموش ہے۔ یعنی اگلے دو روز بارش کا کوئی امکان نہیں ہے؟" طارق نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہی بات ہے۔"

"اور آپ بارش نہیں کرا سکتے۔" یہ بھیم سنگھ تھا۔

"مَیں عرض کر چکا ہوں----"

ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "سوری مسٹر عدنان۔ ہم نے آپ کا وقت ضائع کیا' چائے کا شکریہ۔"

وہ ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف بڑھے۔ "سنیئے----" عدنان نے انہیں پکارا۔

وہ تینوں پلٹے۔ طارق نے کہا۔ "ارے---- ہم نے آپ کو کوئی آفر بھی تو نہیں کی' کہئے' ہم آپ کو منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔"

عدنان ان کی غلط فہمی سمجھ گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے ان کی آفر قبول کرنے کی غرض سے انہیں پکارا ہے۔ "سوری' آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مَیں بزنس مین ہوں۔ کام میرے بس کا ہوتا تو مَیں کبھی بھی انکار نہ کرتا بلکہ مالی پہلو سے بات چیت کرتا۔"

"تو پھر؟" طارق نے پوچھا۔ یہ سوال اس کے دونوں ساتھیوں کی نگاہوں میں بھی تھا۔

"مجھے اس کا حق تو نہیں' لیکن مَیں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب آپ کیا کریں گے؟ بارش نہیں ہونے کی صورت میں آپ کو بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

"ہمیں' نقصان کم ہی ہوتا ہے۔ ہم دور کی سوچتے ہیں' پھر قدم اٹھاتے ہیں۔ہم گیمبلر نہیں' بزنس مین ہیں۔"

عدنان اب بھی ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ بارش کی شرطوں میں جو نقصان ہو رہا ہے' اسے بھاری منافع میں تبدیل کرنے کے لیے ہم ایک اور بڑی اور اس سے زیادہ ناممکن شرط لگائیں گے۔"

"مثلاً----؟"

طارق نے قہقہہ لگایا۔ "ہم اب یہ شرط لگائیں گے کہ انگلینڈ یہ میچ جیتے گا۔ اس پر بھاؤ بہت ہی زیادہ ملے گا۔ ۹۹ فیصد لوگ اس کے خلاف شرط لگائیں گے اور جب انگلینڈ یہ میچ جیتے گا تو ہم پر دولت برسے گی۔"

عدنان کا منہ فرطِ حیرت سے کھل گیا۔ "لیکن یہ تو ناممکن ہے۔"

"سب کچھ ممکن ہے' آپ دیکھئے گا مسٹر عدنان!"

"لیکن کیسے؟"

"سوری' یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ ٹریڈ سیکرٹ ہے۔ بائی----"

وہ تینوں چلے گئے تو عدنان سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ عجیب دن ثابت ہوا تھا۔



عدنان سے بات کرنے کے بعد سلیمان نے خاصی دیر تک فرزانہ کا نمبر ٹرائی نہیں کیا۔ ے اور جھنجلاہٹ نے اسے شل کر کے رکھ دیا تھا۔ کچھ ناامیدی بھی تھی---- اور وہ اس لیے زیادہ اہم ہو گئی تھی کہ اس نے پہلی بار کسی کی اہمیت کا اعتراف کیا تھا۔ کسی کی آرزو لی تھی' مگر لگتا تھا کہ اس نے نتیجے پر پہنچنے میں دیر کر دی تھی۔

نیند نہیں آ رہی تھی۔ بارہ بجے کے قریب اس نے بلا ارادہ ریسیور اٹھا لیا اور فرزانہ کا بر ڈائل کیا۔ اس بار دوسری طرف گھنٹی بجی تھی۔ اس کی دھڑکنوں کی لَے بدلنے لگی۔ سری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "السلام علیکم۔ کیسے ہیں سلیمان!" دوسری طرف سے رزانہ کی آواز ابھری۔

اس کی آواز سنتے ہی سلیمان کو غصہ آنے لگا۔ "کس سے کر رہی تھیں اتنی طویل گفتگو؟" اس نے برہمی سے کہا۔

"طویل گفتگو!" فرزانہ کے لہجے میں الجھن تھی۔ جیسے بات اس کی سمجھ میں نہ آئی و۔

"مَیں چار گھنٹے سے تمہارا نمبر ٹرائی کر رہا ہوں' ہر بار انگیج ملا۔"

"اوہ!" فرزانہ نے اطمینان کی سانس لی۔ "شکر کریں کہ دو دن سے ٹرائی نہیں کر ہے ہیں' ورنہ تو بہت ہی خفا ہوتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فون خراب تھا۔ شکایت نوٹ کرائی ہوئی تھی۔ ابھی گھنٹی بجی تو پتا چلا کہ فون ٹھیک ہو گیا ہے۔"

سلیمان کے اندر کی تمام کشیدگی ڈھل گئی۔ آدمی کتنا بدگمان ہوتا ہے۔ اس نے شرمندگی سے سوچا۔ خاص طور پر وہ مرد' جن کا ماضی عورتوں کے معاملے میں داغ دار رہا و' وہ اپنے محبوب کے معاملے میں کتنے بدگمان اور عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں۔

"آپ کیا سمجھ رہے تھے؟ مَیں باتیں کر رہی ہوں کسی سے؟" فرزانہ کے لہجے میں خفگی تھی۔

سلیمان کھسیا گیا۔ "ارے نہیں-----" اچانک اسے وہ بات یاد آئی' جو غصے کی وجہ سے وہ بھول گیا تھا۔ فرزانہ نے ریسیور اٹھاتے ہی اس کی آواز سنے بغیر اس کا نام لے کر اس کی مزاج پُرسی کی تھی' کیسے؟ "تم میرے فون کی توقع کر رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ اب تو میرے اندر کا یقین بھی جواب دے رہا ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں عجیب سی یاس تھی۔

"تو پھر تم نے کیسے سمجھ لیا کہ فون مَیں نے ہی کیا ہے؟"

"مجھے کون فون کر سکتا ہے آپ کے سوا۔ کسی اور کے پاس میرا نمبر ہے ہی نہیں اور اتنی رات کو تو صرف آپ ہی فون کر سکتے تھے۔"

اس لمحے سلیمان کو اس معصوم اور پُریقین لڑکی پر شدت سے پیار آیا۔ "اچھا' یہ بتاؤ کیا حال ہے؟"

"وہی پہلے والا۔ آپ سنائیں' آپ تو بہت بڑے' بہت مشہور آدمی بن گئے ہیں۔"

"بڑا تو نہیں' مشہور ضرور ہو گیا ہوں---- شیطان کی نوازش ہے۔"

"ایسے نہیں کہتے' یہ سب اللہ کی دین ہوتی ہے۔"

"وہ تو ہوتی ہے اور ہے' مگر اس میں شیطان کا بہت اہم کردار ہے۔ کبھی فرصت میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"کیسے یاد کیا؟ گھر بلانے کے لیے؟ یا گھر آنے کے لیے؟" فرزانہ کے لہجے میں واضح دکھ تھا اور ہلکا سا طنز بھی تھا۔

"دوسری بات درست ہے۔" سلیمان نے برا مانے بغیر کہا۔

"اسی سوچ کے ساتھ آئیں گے' اسی ارادے سے؟"

"میں تم سے نہیں' تمہاری امی سے ملنا چاہتا ہوں۔" سلیمان کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"کس سلسلے میں؟" فرزانہ کے لہجے میں شوخی آ گئی۔

"ایسی باتیں لڑکیوں سے نہیں کی جاتیں۔"

"مَیں وہ لڑکی ہوں' جس نے خود آپ سے یہ بات کی تھی۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔ خیر' چھوڑو ان باتوں کو۔" سلیمان نے کہا۔ "یہ بتاؤ' ساتھ کسے لاؤں۔ تم تو جانتی ہو کہ میرا کوئی ہے ہی نہیں۔"

"مگر اب تو پورا شہر آپ کا ہے۔"

"ہاں' آنٹیوں کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان میں سے کسی کو لے آؤں۔"

"میرا اندازہ ہے کہ سبھی آنٹیاں اپنی ہی کسی بیٹی کے سلسلے میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں گی۔ میری مانیں تو بس اپنے دوست کو لے آئیں۔ امی کو میں آپ کے متعلق پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ آپ کا اپنا آجانا ہی کافی ہے۔"

"ایک بات بتاؤ۔ تمہیں حیرت نہیں ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔ مجھے تو شروع سے یقین تھا اس بات کا۔ ہاں توقع سے کچھ پہلے ہو رہا ہے' مگر یہ تبدیلی آئی کیسے؟"

"اللہ کی ہدایت ہے۔ اب مَیں اتنا برا نہیں رہا ہوں' جتنا تھا۔ ورنہ مَیں تو خود کو تمہارا اہل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ تمہیں اہلیہ بنانے کا کیسے سوچتا۔"

"اچھا جی بس---- اب مَیں فون رکھ رہی ہوں۔" فرزانہ اپنے لہجے سے محجوب معلوم ہو رہی تھی۔ "آپ کل آئیں گے نا؟"

"نہیں۔ عدنان لندن میں ہے۔ اسے ابھی فون کروں گا' مَیں پرسوں آؤں گا اسے لے کر۔"

"یہ بھی اچھا ہے۔ پرسوں امی کا آف بھی ہو گا۔ رات کے کھانے پر آیئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"یہ عدنان آپ کا وہ مولوی دوست تو نہیں؟"

"نہیں۔ وہ تو رضوان تھا۔"

"انہیں نہیں لائیں گے؟"

"اس سے اَن بَن ہو گئی ہے ان دنوں۔"

"ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانیں گے؟" فرزانہ نے کہا۔ پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔ "وہ رضوان مجھے اچھے بھی نہیں لگتے تھے۔"

سلیمان بری طرح چونکا۔ "کیوں بھئی، وہ تو بہت نیک تھا۔"

"ہوں گے، مگر مجھے ان کی نظر اچھی نہیں لگی تھی۔ خیر چھوڑیں، اچھا---- پرسوں رات کے کھانے پر آپ کا انتظار ہو گا۔"

"ٹھیک ہے، خدا حافظ۔"

ریسیور رکھنے کے بعد بھی سلیمان سوچ میں ڈوبا رہا۔ یہ فرزانہ کیسی لڑکی ہے۔ اس نے مجھے اچھا سمجھا اور رضوان کو خراب---- کیسے؟ پھر وہ نسوانی وجدان کا قائل ہونے لگا۔

اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عدنان سے بھی بات کرنا تھی۔

❖ ❖ ❖

عدنان دفتر سے نکلنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ پہلے اس نے سوچا کہ نظر انداز کر کے نکل جائے۔ وہ دن ہی ایسا تھا کہ اسے دفتر میں عافیت نظر نہیں آ رہی تھی، مگر کچھ سوچ کر وہ پلٹا اور اس نے ریسیور اٹھالیا۔

سلیمان کی آواز سن کر وہ حیران رہ گیا۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو اس سے بات ہوئی تھی۔

مگر خبر سن کر وہ ایکسائٹڈ ہو گیا۔ "مَیں ابھی چیک کرتا ہوں۔" اس نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ "بہرحال یقین رکھو، مَیں پہلی AVAILABLE فلائٹ سے پہنچ رہا ہوں۔ کل کسی نہ کسی وقت پہنچ جاؤں گا میں۔ تم بے فکر رہو۔"

اس نے ریسیور رکھا اور فوراً ہی ٹریول ایجنسی کا نمبر ملایا، وہاں بھی خوش خبری تھی۔ نو بیس کی فلائٹ میں ایک سیٹ موجود تھی۔ وہ پاکستان کے وقت کے مطابق اگلے روز سہ پہر تین بجے وطن پہنچ سکتا تھا۔

اس نے ایجنٹ کو سیٹ ریزرو کرنے کی ہدایت دی اور گھڑی دیکھتے ہوئے دروازے کی طرف لپکا۔ وقت بہت کم تھا۔

❖ ❖ ❖

ابلیس نے اپنی یونیورسٹی میں پناہ لی تھی۔ وہ اس قدر ڈپریس اور مایوس تھا کہ اس میں اپنے چیلوں کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ وہ خوف زدہ تھا۔ ہر لحہ اسے یہ ڈر تھا کہ سلیمان کے حوالے سے اسے کوئی بدترین خبر مل سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے چیلے اس سے پوچھتے کہ اس نے ایک انسان کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دی ہوئی ہے تو کیا وضاحت کرتا۔ وہ انہیں کیسے سمجھاتا کہ اس انسان نے اسے زچ کر دیا ہے۔

سالانہ میٹنگ کے دن قریب آ رہے تھے۔ اس میٹنگ میں ہر یونٹ کے انچارج اپنے یونٹ کی کارکردگی کا ریکارڈ پیش کرتے تھے۔ پھر بہترین کارکردگی پر ایوارڈ دیے جاتے تھے اور آئندہ لائحہ عمل طے ہوتا تھا۔ ابلیس اس اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ وہ اس کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا تھا۔

مایوسی، پژمردگی اور جھنجلاہٹ ابلیس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ کبھی کبھی اسے خود پر ترس آنے لگتا۔ وہ سوچتا، کتنا بڑا ظلم ہے کہ اسے موت نہیں آ سکتی۔ اس کے لیے آرام کا ایک لحہ بھی نہیں ہے۔ اسے اپنے ازلی دشمن انسان پر رشک آنے لگتا۔ پیدا ہوئے، بچپن گزارا، لڑکپن کے مزے لوٹے، جوانی میں عیش کیا، بڑھاپا آیا اور مر گئے۔ ایک وہ تھا کہ ان تھک محنت کئے جاتا، کام ایسا تھا کہ اس کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔ اسے اپنی مظلومیت پر رونا آنے لگتا۔ اچھے انسان اس کے لئے عذاب تھے۔ وہ انہیں بہکانے، بھٹکانے کی سرتوڑ کوشش کرتا۔ ناکامی اس سے برداشت نہ ہوتی اور وہ اعصاب زدہ ہو جاتا۔ درست کہ ایسے انسانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی، مگر پھر بھی وہ نمک اس کے لیے زہر ہلاہل ہی ثابت ہو رہا تھا۔

ابلیس پر جب بھی یہ کیفیت طاری ہوتی، وہ اپنی یونیورسٹی کا رخ کرتا۔ وہ وہاں نفسیاتی

طاقت حاصل کرتا تھا۔ کلاسوں کی انسپکشن کرتا' اساتذہ سے انٹرویو کرتا۔ موڈ میں ہوتا تو خود بھی کلاس لیتا۔ چند ہی دنوں میں اس کا اعتماد بحال ہو جاتا۔ وہ توانائیاں سمیٹ کر دوبارہ میدانِ جنگ میں کود پڑتا۔

مگر اس بار اسے لگتا تھا کہ سنبھلنا مشکل ہے۔ انسان کے مقابلے میں وہ ہمیشہ احساسِ کمتری میں مبتلا رہا تھا،مگر اس بار وہ ڈر گیا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ انسان کی ذہانت ناقابلِ شکست ہے۔ ایک حقیر انسان نے اسے تگنی کا ناچ نچا دیا تھا۔ ہم چشموں میں نظر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

وہ یونیورسٹی میں گھومتا پھرا۔ یہ بات باعثِ اطمینان تھی کہ شیطنت کی تعلیم اب جدید ترین انداز میں دی جا رہی تھی۔ مستقبل میں میدانِ عمل میں اترنے والے شیاطین اپنے پیش روؤں سے بہت آگے ہوں گے۔ اس بار ابلیس نے خود تدریس کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دی۔ اس بار اس کا خاص موضوع انسان کی ذہانت کی خطرناکی تھی۔ وہ شیطان بچوں کو بتا رہا تھا کہ ان کا واسطہ کس خوفناک مخلوق سے پڑے گا۔

مگر وہ اس دن سے خوف زدہ تھا کہ جب اسے اجلاس میں شریک ہونا تھا۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا' مگر اسے اندازہ تھا کہ یہ اجلاس کس قدر خوفناک ثابت ہو گا۔

اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے جو اندازہ لگایا ہے' وہ اصل خوف ناکی کا عشرِ عشیر بھی نہیں' تو اس کا نجانے کیا حال ہوتا۔



سلیمان ٹی وی پر براہِ راست دکھائے جانے والے دوسرے ٹیسٹ میچ کے چوتھے روز کا کھیل دیکھ رہا تھا۔

پہلی ہی گیند پر اس کا ماتھا ٹھنکا اور اوور ختم ہوتے ہوتے وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اوور بارہ منٹ میں پورا ہوا تھا۔ دوسری گیند نو بال تھی' جس پر بیٹسمین نے چوکا لگایا۔ تیسری گیند بھی نو بال تھی۔ بیٹسمین نے اسے باؤنڈری لائن سے باہر پہنچانے کی

کوشش کی' لیکن گیند بلے پر نہیں آئی۔ چوتھی' پانچویں' اور چھٹی گیند وائڈ بال تھیں یعنی نمیر عالم پورا اوور کرا چکا تھا اور اب تک اس نے ایک گیند بھی نہیں کرائی تھی۔

چودہ گیندوں کا وہ اوور ختم ہوا تو انگلینڈ کا اسکور ۱۱ رن اور دو کھلاڑی آؤٹ سے ۳۹ رنز پر پہنچ چکا تھا۔ دونوں بیٹسمین اعتماد سے بھر گئے تھے۔

دوسری طرف وحید قزلباش نے بالنگ شروع کی۔ اس کی بھی خوب پٹائی ہوئی۔ پہلے دو اوورز میں ۴۵ رنز بنانے کے بعد انگریز بیٹسمینوں نے کھیل کا پیٹرن سیٹ کر دیا تھا۔ یہ دو اوورز ان فاسٹ بالرز کے تھے' جن سے اس وقت دنیا کا ہر بیٹسمین ڈرتا تھا۔ ان کی پٹائی کرنے کے بعد دونوں بیٹسمین شیر ہو گئے۔

تیسرے اوور میں نائٹ واچ مین آؤٹ ہوا،مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نیا بیٹسمین آتے ہی سیٹ ہو گیا۔ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں تھا۔ پاکستانی بالرز کا نہ ردھم بنا تھا اور نہ ہی وہ درست لائن اور لینتھ پکڑ سکے تھے۔ رن بننے کی رفتار بہت تیز تھی۔

پھر اصل بات سامنے آئی۔ دونوں فاسٹ بالرز اَن فٹ ہو گئے تھے اور جیسے تیسے گیندیں کرا رہے تھے۔ مگر بالآخر انہیں میدان سے باہر جانا پڑا۔

اسپنرز کے آنے کے بعد رنز بننے کی رفتار میں قدرے کمی آئی۔ پھر بھی رن ریٹ رن فی منٹ سے کچھ اوپر ہی تھا۔ لنچ کے وقفے پر انگلینڈ کا اسکور تین کھلاڑیوں کے نقصان پر ۱۵۳ تھا۔ صورتِ حال اب بھی پاکستان کے حق میں تھی۔ انگلینڈ کو اننگ کی شکست سے بچنے کے لیے مزید ۲۱۰ رن بنانا تھے۔ اس کے سات کھلاڑی باقی تھے اور چوتھے روز کے چار گھنٹوں کے کھیل کے علاوہ پانچواں دن بھی بچا ہوا تھا۔

لنچ کے وقفے میں ہی عدنان آ گیا۔ وہ سلیمان سے لپٹ گیا۔ "بڑے مستقل مزاج ہو یار۔ فرزانہ سے آگے نہیں بڑھے نا۔"

"وہ ہے ہی ایسی۔"

عدنان اس سے یہاں کا حال پوچھتا رہا اور سلیمان اس سے لندن کا۔ پھر سلیمان کو ہی خیال آیا۔ "یار' تو نہا دھو کر تازہ دم ہو جا۔"

عدنان نہا دھو کر نکلا تو سلیمان بڑے انہماک سے ٹی وی پر میچ دیکھ رہا تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس کو میچ کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ "کیا پوزیشن ہے؟" اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے پوچھا۔

"انگلینڈ کی ٹیم سنبھل گئی ہے۔ اسکور ہے ۱۸۹ رن' تین کھلاڑی آؤٹ۔" سلیمان نے بتایا۔

"اتنا اسکور ہو گیا؟" عدنان نے حیرت سے کہا۔ "یہ اسکور تو پورے دن میں ہوتا تھا۔"

"انگلینڈ والے کچھ کرو یا مرجاؤ کی نیت سے کھیل رہے ہیں۔ قسمت ان کے ساتھ ہے۔ ہمارے دونوں بالرز اَن فٹ ہو گئے ہیں۔"

عدنان بھی وہیں آ بیٹھا۔ اسے بکی طارق کی بات یاد آ گئی۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ یہ طے شدہ کام ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

عدنان نے اسے اپنے دفتر میں بکیوں کی آمد اور ان کی آفر کے متعلق بتایا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ اب ہم انگلینڈ کے جیتنے کی شرط لگائیں گے۔" اس نے آخر میں کہا۔

"لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔"

"دونوں بالرز اَن فٹ نہیں ہوئے ہیں۔ بِک گئے ہیں۔"

"مَیں نہیں مانتا۔" سلیمان نے تند لہجے میں کہا۔

"نہ ماننے سے حقائق نہیں بدلتے۔ یہ اچانک اَن فٹ ہونے کا کیا سوال ہے؟"

سلیمان سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ "لیکن انگلینڈ کا جیتنا عملاً ناممکن ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"دیکھو' انگلینڈ کی پہلی اننگ کا ۳۶۳ رنز کا خسارہ پورا کرنا ہے۔ جس رفتار سے وہ کھیل رہے ہیں' فرض کر لو کہ وہ آج کا کھیل ختم ہونے تک پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود میچ جیتنے کے لیے انہیں ۲۰۰ رنز کی لیڈ تو چاہیے اور وہ دو سو رن بنانے میں پانچویں دن کا بیشتر حصہ گزر جائے گا۔ اتنا وقت ہی نہیں بچے گا کہ وہ پاکستان کی مضبوط بیٹنگ کو توڑ

سکیں۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔" عدنان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "سب اسی انداز میں سوچیں گے۔ چنانچہ شرط بازوں کو بہت اچھا بھاؤ ملے گا۔ ارے وہ بھٹہ بٹھا دیں گے سب کا۔"

"مَیں نہیں----"

"اینڈ ہی از آؤٹ۔" کمنٹیٹر کی ہیجان زدہ آواز نے انہیں چونکا دیا۔

وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اوپنر آؤٹ ہو گیا تھا۔ اسکور تھا ۱۹۸ رنز چار کھلاڑی آؤٹ۔

"ابھی ۱۶۵ رنز کا خسارہ باقی ہے اور چار کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہیں۔" سلیمان نے کہا۔ "میچ پاکستان کے ہاتھ سے نکل نہیں سکتا۔"

"تم دو باتیں نظرانداز کر رہے ہو۔" عدنان نے بولا۔ "پہلی یہ کہ آؤٹ ہونے والے چاروں کھلاڑی مستند بیٹسمین نہیں ہیں۔ ان میں دو نائٹ واچ مین ہیں' لہٰذا مَیں تو یہی کہوں گا کہ انگلینڈ کی دو ہی وکٹیں گری ہیں۔ دوسری بات یہ کہ چار کھلاڑی بھی بِک جائیں تو پوری ٹیم کا بیڑہ غرق کر دیتے ہیں۔"

سلیمان نے کچھ کہا نہیں' بس منہ بنا کر رہ گیا۔ دونوں بیٹھے میچ دیکھتے رہے۔

انگلینڈ کے بیٹسمین بدستور جارحانہ کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ ایک یقینی طور پر ہارا ہوا میچ کھیل رہے تھے۔ ان کا داؤ پر کچھ نہیں لگا تھا۔ فائدے کا امکان تھا لیکن نقصان انہیں نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف دو ریگولر فاسٹ بالرز کی کمی اب مسئلہ بن رہی تھی۔ اسپنرز تھک گئے تھے۔ دو اسپنرز پورے میچ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پاکستانی کپتان کو مجبوراً اسٹاک بالرز آزمانا پڑے۔ اسکورنگ ریٹ اور تیز ہو گیا۔

اس روز کھیل ختم ہوا تو انگلینڈ کی چھ وکٹیں گری تھیں اور وہ پندرہ رنز کی لیڈ لے چکے تھے۔ دن بھر کے کھیل میں انہوں نے صرف چار وکٹوں کے نقصان پر ۳۶۷ رنز بنائے تھے۔

"میچ یہ اب بھی نہیں جیت سکتے۔" کھانے کی میز پر سلیمان نے تبصرہ کیا۔

"بظاہر تو تمہاری بات درست ہے' لیکن تم شرط بازوں کو-----"

"جہنم میں ڈالو ان شرط بازوں کو۔" سلیمان نے بھنا کر کہا۔



انگلینڈ کے بیٹسمین اگلے روز بھی اسی طرح کھیلے۔ لنچ سے پہلے پوری ٹیم ۴۹۸ رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی۔ پاکستان کو چار گھنٹے کے کھیل میں میچ جیتنے کے لیے صرف ۱۳۶ رنز بنانا تھے۔

"پاکستان جیتے گا-----میں-----" سلیمان کہتے کہتے رک گیا۔ اسے بروقت خیال آ گیا کہ اس معاملے میں اسے شرط کا نام بھی نہیں لینا ہے۔

"دیکھتے ہیں۔" عدنان بولا۔ "میچ بہت دلچسپ ہو گیا ہے۔"

پاکستانی اوپنرز نے جس طرح کھیلنا شروع کیا' اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ میچ چائے کے وقفے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔

"دیکھ رہے ہو۔ پہلے چار اوورز میں ۲۸ رنز۔" سلیمان نے عدنان کو چھیڑا۔

"میرے خیال میں انہیں سنبھل کر کھیلنا چاہیے۔"

اسی وقت پہلی وکٹ گری۔ ون ڈاؤن آنے والا بیٹسمین پہلی گیند پر آؤٹ ہو گیا۔ اگلے اوور میں دو رن کا اضافہ کرنے کے بعد دوسرا اوپنر بھی آؤٹ ہو گیا۔ اس سے اگلے اوور میں دو وکٹیں گریں۔

اب سات اوور کے کھیل میں پاکستان کا اسکور ۵ وکٹوں کے نقصان پر ۳۲ رنز تھا۔ سلیمان کا چہرہ سُت گیا۔

پاکستانی وکٹ کیپر حوصلے سے بہت جم کر کھیل رہا تھا مگر دوسرے اینڈ سے مسلسل وکٹیں گرتی رہیں۔ دونوں آن فٹ بالرز بھی آؤٹ ہو کر پویلین میں واپس چلے گئے۔ صرف ستّر منٹ کے کھیل میں پاکستان کی نو وکٹیں گر گئیں۔ اسکور ۵۲ تھا۔ اب آخری وکٹ کھیل رہی تھی۔ پاکستان کا میچ ہارنا یقینی ہو گیا تھا۔

گیارہویں نمبر پر آنے والا پاکستانی اسپنر وکٹ کیپر بیٹسمین کو اسٹینڈ دے رہا تھا اور وکٹ

کیپر بے جگری سے کھیل رہا تھا۔ دونوں نے مل کر اسکور سو کے پار پہنچا دیا جبکہ ایک وقت میں ایسا لگ رہا تھا کہ پاکستان اپنے کم سے کم اسکور کا ریکارڈ توڑ دے گا۔ اب الٹا امید بندھ چلی کہ پاکستان میچ جیت جائے گا۔ وکٹ کیپر جس انداز میں کھیل رہا تھا' وہ ناقابلِ شکست معلوم ہو رہا تھا۔

سلیمان اور عدنان بُت بنے بیٹھے تھے۔ ان کی نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں۔ پاکستان کا اسکور بڑھتا رہا۔ ۱۱۰ کا عدد کراس ہوا۔ اسکور ۱۲۰ اور پھر ۱۳۰ ہو گیا۔ پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے صرف چھ رن کی ضرورت تھی۔ پھر دو رن اور بن گئے۔ اب فتح کے لیے صرف چار رن درکار تھے۔

وکٹ کیپر بہت اعتماد سے کھیل رہا تھا۔ اس کا ذاتی اسکور ۷۶ رنز تھا' مگر اس کا ساتھی اسپنر فتح کو اتنے قریب دیکھ کر اعصاب زدہ ہو گیا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اب اگر اس نے ایک بال بھی فیس کی تو آؤٹ ہو جائے گا۔ شاید اس کا اپنا بھی یہی خیال تھا۔ اس لیے چائے کے وقفے سے پہلے کے سیکنڈ لاسٹ اوور کی آخری گیند پر وکٹ کیپر نے ہلکا سا پُش کیا تو وہ اندھا دھند رن لینے کے لیے دوڑا۔ یہ رن نہ بنتا تو اگلے اوور کی پہلی بال اسے فیس کرنا پڑتی۔

وہ رن تھا ہی نہیں۔ وکٹ کیپر سحرزدہ سا اپنے ساتھی کو اپنی طرف آتے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ اس نے گیند کی طرف دیکھا' جو فیلڈر کے ہاتھ میں تھی۔

"گو بیک۔" وہ چلّایا۔ "گو بیک۔"

اسپنر نے صورتِ حال کو سمجھا تو پلٹنے کی کوشش کی' مگر اس وقت تک گیند بالر کے ہاتھ میں پہنچ چکی تھی۔ اس نے پھرتی سے بیلز اڑا دیے۔

وکٹ کیپر کی مایوسی دیدنی تھی۔ اس کی پوری محنت رائگاں ہو گئی تھی۔ انگلینڈ نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا۔

"دیکھا-----" عدنان نے کہا۔ "یہ ہے شرط بازوں کی طاقت۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

"مگر میری سمجھ میں آتا ہے۔ شرطوں میں اربوں کا معاملہ ہوتا ہے۔ دو بالر اور دو بیٹسمین دو کروڑ میں خرید لو' منافع ہی منافع۔"

"آج سے مَیں نے شرط پر لعنت بھیجی۔"

"اور ہمارے کاروبار کا کیا ہوگا؟"

"وہ شرط نہیں' وہ تو شیطان سے جنگ ہے۔" سلیمان نے کہا۔ "مگر اب مَیں سچ مچ شرط کبھی نہیں لگاؤں گا۔"



شادی ہوئی تو سلیمان کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ مکمل ہو گیا ہے۔

ان کی سہاگ رات بھی عجیب رات تھی۔ دونوں دنیا زمانے کی باتیں کرتے رہے۔ سلیمان نے رضوان کے اور پھر اپنے شیطان سے تعلق کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ فرزانہ حیرت اور بے یقینی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

"اب آپ کہیں گے کہ ہو جائے شرط اسی بات پر۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"میں نے شرط لگانے سے توبہ کرلی ہے۔" سلیمان بولا۔ "البتہ میں اپنی بات ثابت کر سکتا ہوں۔"

اس نے فرزانہ کو وہ دستاویز دکھائی جو ابلیس کے اعترافِ شکست کی تھی۔ اس سے اس قدر تعفن اُٹھ رہا تھا کہ فرزانہ کے لیے اسے پڑھنا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔

"مجھے یقین آ گیا۔ اب اسے رکھ آئیں' بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" وہ بولی۔

ان باتوں میں صبح ہو گئی اور وہ بے سُدھ ہو کر سو گئے۔

عدنان ایک ہفتہ رکا اور پھر لندن چلا گیا۔ سلیمان اور فرزانہ ہنی مون کے لیے مری چلے گئے۔ جانے سے پہلے فرزانہ سلیمان کے ساتھ امی سے ملنے گئی۔ "امی' سلیمان آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"کہو بیٹے' ایسی کون سی بات ہے' جس کے لیے فرزانہ کو تمہید باندھنا پڑ رہی ہے۔"

شاہانہ بیگم نے کہا۔

"امی' آپ جانتی ہیں کہ مَیں بچپن ہی میں ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گیا تھا۔ مجھے کبھی فیملی نہیں ملی' گھر نہیں ملا۔"

"اب تو مل گیا ہے' اللہ بنائے رکھے اور مبارک کرے۔"

"جی ہاں' اللہ کا شکر ہے' مگر مجھے اب بھی وہ نامکمل ہی لگتا ہے۔"

"مکمل ہو جائے گا۔" شاہانہ بیگم معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

سلیمان کھسیا گیا۔ "مَیں آپ کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا۔ "مجھے تو اس شادی کی سب سے بڑی خوشی اسی لیے تھی کہ آپ بھی میری طرح تنہا ہیں۔ آپ کو بیٹا مل جائے گا اور مجھے ماں۔"

"تو اس میں شک بھی کیا ہے۔ اللہ جانتا ہے' تم میرے لیے بیٹے ہی ہو۔"

"تو پھر ماں کو بیٹے کے گھر رہنا چاہیے۔"

"پہلا حق ماں کا ہے بیٹے۔ بیٹے کو ماں کے گھر رہنا چاہیے۔"

سلیمان لاجواب ہو گیا۔ اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔

"بس فرق یہ ہے کہ اپنے بنگلے کے سامنے تمہیں ماں کی کٹیا کیا اچھی لگے گی۔" شاہانہ بیگم نے اداسی سے کہا۔

"اللہ گواہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے امی!" سلیمان نے تڑپ کر کہا۔ "مگر جوان بیٹوں کے حقوق اور فرائض زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ آپ نے پوری زندگی جدوجہد میں گزاری ہے۔ اب آپ کو آرام ملنا چاہیے۔"

"مَیں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں بیٹے' لیکن جنہیں محنت کی عادت ہو جائے' آرام ان کے لیے موت کے برابر ہوتا ہے۔ رہی دوسری بات تو مَیں نے تمہیں یہاں رہنے کو اسی لیے نہیں کہا کہ یہاں تمہارے لیے آرام و آسائش نہیں ہے۔ دوسرے یہ ڈر تھا کہ تم داماد بن کر برا مان جاؤ گے۔"

"مَیں یہاں آنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن بہتر ہوتا-----"

"بس تو سفر سے واپسی پر یہیں آجاؤ۔ یہ مکان فرزانہ ہی کے نام ہے۔ میری زندگی تک یہیں رہو' پھر چاہے---- اپنے بنگلے میں چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے امی۔" سلیمان نے کہا۔ وہ ماں جیتنے کے لیے آیا تھا' مگر بیٹا بن کر ہار گیا تھا۔

پھر ہوا بھی یہی۔ وہ ہنی مون سے واپس آئے تو شاہانہ بیگم کے پاس ہی رہنے لگے۔ انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔



زندگی میٹھے پانی کے نرم رو چشمے کی طرح بہہ رہی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔ قدرت نے انہیں ایک دوسرے کے لیے بنایا تھا۔ فرزانہ دارالطعام کے معاملات میں بھی سلیمان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ ابلیس کے متعلق ان دونوں میں اکثر گفتگو ہوتی تھی۔ ادھر عدنان کا فون بھی اکثر آتا رہتا تھا۔ زیادہ تر سلیمان سے کوئی شرط لگانے کے لیے ہی فون کرتا تھا۔ فرزانہ ان شرطوں کے نتائج دیکھتی تو اکثر ہنستی کہ دونوں مل کر ابلیس کو کیسے بے وقوف بنا رہے ہیں۔

اس صبح فرزانہ نے معمول کے مطابق بیڈ سائڈ ٹیبل پر چائے کی پیالی اور اخبار رکھنے کے بعد سلیمان کو جگایا۔ "اٹھ بھی جائیں' کیا پڑے سوتے رہیں گے۔"

حسبِ معمول سلیمان نے آنکھیں کھولتے ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا' مگر وہ ہمیشہ کی طرح پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی۔ "صبح کے وقت صرف بیڈ ٹی مل سکتی ہے آپ کو۔"

"دیکھ لوں گا کسی دن۔" سلیمان نے بناوٹی غصے سے کہا۔ پھر اس نے چائے کی پیالی اٹھا کر پہلا گھونٹ لیا۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ اس کے بعد اس نے اخبار اٹھایا۔ اخبار دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" فرزانہ نے اس کے کندھے پر سے جھکتے ہوئے اخبار کو دیکھا۔

"اسرائیل جو فلسطین کے نو آباد علاقے میں یہودی بستیاں قائم کر رہا ہے' اس سلسلے میں اس کے خلاف اقوامِ متحدہ میں قراردادِ مذمت پیش کی جا رہی ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"اس کا حشر بھی پچھلی قراردادوں جیسا ہو گا۔ پوری دنیا اسرائیل کی مذمت کرے گی اور امریکہ کا ویٹو اسے بے اثر کر دے گا۔"

"ضروری نہیں کہ ہر بار ایسا ہو؟" فرزانہ بولی۔

"ضروری ہے۔" سلیمان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ مَیں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس بار امریکہ قرارداد کو ویٹو نہیں کرے گا۔"

سلیمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سلیمان نے ایک لمحے تعجب سے اسے دیکھا پھر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ فرزانہ پہلی بار اس کھیل میں شریک ہو رہی تھی---- اور وہ بھی بے حد دھماکا خیز اور تاریخ ساز انداز میں۔

"ہرگز نہیں۔ تم دیکھ لینا امریکہ اس قرارداد کو ویٹو کر دے گا۔" سلیمان نے ہتھیلی پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"ہو جائے شرط؟"

"ہو گئی---- دس دس ہزار کی۔" سلیمان نے کہا۔

"منظور ہے۔"

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ سلیمان سوچ رہا تھا۔ حیرت ہے' پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ شیطان کی اس کمزوری سے ہم اس انداز میں بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یوں تو تاریخ کے دھارے کا رخ ہی بدل جائے گا۔ بڑا وقت---- اور سنہرا موقع ضائع کیا ہم نے----"

فرزانہ نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ "تو اب سہی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیر آید درست آید۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" سلیمان نے چائے کی پیالی خالی کرکے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔



ٹھیک اسی وقت ابلیس ہیڈ کوارٹر کے اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ اگلے روز بین الاقوامی اجلاس کا افتتاح تھا۔ ہیڈ کوارٹر کا یونٹ ہر سال بین الاقوامی اجلاس سے پہلے اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابلیس اس علاقے میں خود آپریٹ کرتا تھا۔

رپورٹ پر ایک نظر ڈالتے ہی ابلیس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "یہ کیا؟ مجموعی طور پر تمہاری کارکردگی پچھلے برس کے مقابلے میں چالیس فیصد رہ گئی ہے۔" وہ دہاڑا۔ "اور یہ بھی سن لو کہ میں شماریات کے گورکھ دھندوں میں پھنسنے والا نہیں۔ میں سیدھا سادہ حساب جانتا ہوں۔ پچھلے سال کے مقابلے میں ڈیوڑھے کا فرق ہے' کیوں؟"

وہاں ہر شعبے کا انچارج موجود تھا۔ اور ہر انچارج اپنے نائبین اور نائبین اپنے ماتحتوں پر برس چکے تھے۔ جو جواب ملا تھا' وہ ان کی بتی گم کرنے کے لیے کافی تھا۔

"یور ایکسیلنسی' یہ فرق آخری چار ماہ میں پڑا ہے۔" شعبۂ ازدواجیات کے سربراہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ابتدائی آٹھ ماہ میں ہماری کارکردگی گزشتہ سال کے مقابلے میں ۲۲ فیصد بہتر تھی۔"

"ہمارا ریکارڈ بھی تقریباً یہی بتاتا ہے۔" شعبۂ زنا کے سربراہ نے کہا۔

"مگر کیوں؟" شیطان نے کہا اور ماہانہ رپورٹیں ٹٹولنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ "پچھلے ساڑھے چار ماہ میں ایک بھی عورت کو نہیں ورغلایا گیا۔ کہیں زوجین میں کوئی ناچاقی نہیں ہوئی۔ یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔"

اجلاس کے شرکا پر لرزہ چڑھ گیا۔ "ہمیں کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" شعبۂ منشیات کے سربراہ نے حوصلہ کرکے کہا۔

"لیکن کیوں؟ تُف ہے تم لوگوں پر۔ کیسے ڈھٹائی سے کہہ رہے ہو۔" ابلیس کا غصہ

بڑھتا جا رہا تھا۔ اب سر کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہم سب شرط والے معاملے میں الجھے رہے۔" شعبۂ ازدواجیات کے سربراہ نے بتایا۔

اس پر ابلیس کے کان کھڑے ہوئے۔ "کون سا شرط والا معاملہ؟"

"وہی۔۔۔۔ سلیمان والا۔ یور ایکسیلنسی نے سختی سے حکم دیا تھا کہ اسے کوئی شرط نہ جیتنے دی جائے۔"

"تو یہ اتنی بڑی بات تو نہیں۔"

"شروع میں ہمیں بھی نہیں لگی تھی۔" شعبۂ زنا کے ماہر نے کہا۔ "مگر اس نے تو ہمیں ناکوں چنے چبوا دیے۔"

"وضاحت کرو۔" ابلیس نے شعلے اگلتے ہوئے کہا۔

اب باقی شیاطین تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ایسے میں وہ شیطان کھڑا ہوا جو شرط ایکشن کمیٹی کا چیئرمین تھا۔ "یور ایکسیلنسی' اس شخص نے عجیب و غریب شرطیں لگائیں۔ اس کی شرطوں کا دائرہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ انگلینڈ میں ایسی بارش ہونے والی تھی کہ تین دن تک نہ رکتی۔ اس نے شرط لگائی کہ موسلا دھار بارش ہو گی اور جس سے اس نے شرط لگائی' اس کا کہنا تھا کہ ایک بوند بھی نہیں گرے گی۔ آپ کے حکم کے مطابق ہمیں اس کے حریف کو جتوانا تھا۔ اب آپ سوچیں کہ جہاں گھٹا تلی ہو' وہاں ایک بوند بھی نہ پڑنے دینا کتنا مشکل کام ہے۔"

"اس کا میں اندازہ کر سکتا ہوں' لیکن اس سے ہمارے یونٹ کی کارکردگی پر کیا اثر پڑے گا؟"

"آپ اندازہ نہیں کر سکتے یور ایکسیلنسی۔" ایکشن کمیٹی کے چیئرمین کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "ورنہ یہ دوسرا اعتراض نہ کرتے۔ بادلوں کو وہاں سے ہٹانے کے لیے جتنی ڈیول پاور درکار تھی' وہ انگلینڈ میں موجود ہی نہیں' وہ تو چھوٹا سا یونٹ ہے مگر سخت ہدایت تھی' چنانچہ انگلینڈ کے چیف نے مجھ سے رابطہ کیا۔ مجھے اس کو بھاری DEVIL POWER

فراہم کرنی پڑی۔ آپ سوچیں' یہاں سے بیس ہزار شیطان بھیجے گئے اور وہ صرف ایک کام کرنے کے بعد تھک کر چُور ہو گئے۔ اس دوران میں اس سلیمان نے شرط لگائی کہ کسی اور جگہ بارش نہیں ہو گی۔ اس کے حریف نے کہا کہ تین دن تک موسلا دھار بارش ہو گی۔ یور ایکسیلنسی' وہاں بارش کا کوئی امکان نہیں تھا مگر تین دن موسلا دھار بارش کرانی تھی۔ اب اتنی بارش کے لیے کتنے بادلوں کی ضرورت ہو گی' آپ سوچیں۔ ہمارے چیلوں کو ایک اور برِاعظم سے بادل کھینچ کر لانے پڑے۔ کام صرف آٹھ گھنٹے کے اندر ہونا تھا۔ چنانچہ نفری ناقابلِ تصور حد تک بڑھانی پڑی۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ تمام شیاطین ورکر انگلینڈ' امریکا اور آسٹریلیا میں الجھے ہوئے ہیں۔ جہاں بارش نہیں ہونی ہے' وہاں انہیں بارش نہیں ہونے دینی ہے اور جہاں بارش ہونی ہے' وہاں مسلسل موسلا دھار بارش کرانی ہے۔ پچھلی تھکن اترنے نہیں پاتی کہ ایک اور سخت مرحلہ آجاتا ہے۔ اب تو وہ سب نڈھال ہو چکے ہیں۔ ان کی طاقت اور حوصلہ جواب دے رہا ہے۔ انہوں نے ایسے مشقت کے کام پہلے کب کیے تھے' ان کا تو کام بس ورغلانا تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اب وہ کسی کام کے بھی نہیں رہے۔"

ابلیس کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ چکے تھے۔ سلیمان کا تصور کر کے وہ مشتعل ہو گیا۔ "اچھا میٹنگ ختم۔ یہ رپورٹیں یہیں چھوڑ دو۔ کل کی کانفرنس کی رپورٹ تیار کرو۔" اس نے کف اڑاتے ہوئے کہا۔ "بس ڈسمس۔"

شیاطین نے سکون کی سانس لی۔



ابلیس رپورٹوں کا جائزہ لیتا رہا۔ انچارجز نے ٹھیک کہا تھا۔ زوال پچھلے ساڑھے چار ماہ میں آیا تھا۔ ٹھیک اسی دن' جب اس نے سلیمان کے سلسلے میں احکامات جاری کیے تھے کہ اسے کوئی شرط نہ جیتنے دی جائے۔ بہرحال نتائج بڑے تباہ کن تھے۔

ابلیس نے رپورٹیں ایک طرف رکھیں اور سوچنے بیٹھ گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگلے

روز والی کانفرنس بے حد ہنگامہ خیز ہو گی۔ اس کی اپنی پوزیشن بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس صورتِ حال سے نمٹنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے بدترین حماقت سرزد ہوئی ہے۔ ایک حقیر انسان کو اتنی اہمیت دے کر اس نے بھاری غلطی کی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ خود جو منہ چھپاتا پھرا تھا' وہ بھی غلط تھا' اسے باخبر رہنا چاہیے تھا۔ باخبر رہتا تو معاملات اس حد تک نہ بگڑتے۔

سوچتے سوچتے اس کا دماغ جواب دینے لگا۔ اس نے ثقیلہ کو طلب کیا۔ وہی اس کی دل بستگی کر سکتی تھی۔



ابلیس کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ کانفرنس کس قدر خطرناک اور ہنگامہ خیز ہو سکتی ہے۔ اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کی بے خبری اور اس کا فرار شیاطین کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

کانفرنس میں تمام یونٹس کی رپورٹیں سامنے آئیں تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ جہاں بدکاری قانوناً جائز قرار دی جا چکی تھی' وہاں اصلاحِ معاشرہ کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔ شیطنت کے مضبوط ترین قلعوں کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ شگاف پڑ گئے تھے ان میں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عالمی اخوت اور عالمی امن کے نظریات کو فروغ ہو رہا تھا اور ان کے سلسلے میں عملی اقدامات کیے جا رہے تھے۔

یہ دیکھ کر ابلیس کا ضبط جواب دے گیا کہ پچھلے چار ماہ میں چھ عالمی نوعیت کے امن معاہدوں پر نہ صرف دستخط ہوئے تھے' بلکہ ان پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا تھا۔

گزشتہ روز ابلیس نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر رپورٹ پر زہر کے سے گھونٹ پی کر خاموش رہے گا' کیونکہ جواب طلبی کی صورت میں اسے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ ایک بار تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اس کی پوزیشن بری طرح متاثر ہو گی۔ وہ جانتا تھا کہ سب اس کا کیا

دھرا ہے۔ اسی کی حماقتوں کا نتیجہ ہے۔

لیکن دنیا بھر سے اتنی حوصلہ شکن رپورٹیں دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ وہ اپنا فیصلہ بھول گیا۔ "یہ سب کیا ہے؟" اس نے غصے میں آگ بگولا ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ امن معاہدے، یہ سماج سدھار تنظیمیں اور ان کی پذیرائی، ہمارے قوانین کالعدم ہو رہے ہیں۔ اللہ کے قوانین نافذ ہو رہے ہیں، کیا کر رہے ہو تم لوگ؟"

"یہ سب آپ کی غلط پالیسی کی وجہ سے ہے۔" سویڈن کے چیف نے بے خوفی سے کہا۔

ابلیس کے سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ "کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اپنی غلطی ہم پر نہ تھوپیں۔"

ابلیس کو یہ احساس اور مشتعل کر گیا کہ سویڈن کا چیف اسے یور ایکسیلنسی یا یور ہائی نس کہہ کر مخاطب نہیں کر رہا ہے۔ فرطِ غیظ سے اس کے بال سانپوں میں تبدیل ہو گئے اور پھنکارنے لگے۔ "تمہیں تمیز نہیں رہی۔ آداب بھول گئے۔ تم بات کس سے کر رہے ہو۔"

"ہم ان سے متفق ہیں۔" یورپ کے کئی ملکوں کے چیف بیک آواز بولے۔

"تم لوگ مجھ پر تنقید کر رہے ہو---- مجھ پر؟" ابلیس کی بے یقینی دیدنی تھی۔

"مہذب جمہوری معاشروں کی بالیدگی تنقید سے ہی ہوتی ہے۔" امریکی چیف نے کہا۔

ابلیس سر کے بال نوچ نوچ کر فرش پر پھینکنے لگا۔ وہاں سانپ ہی سانپ رینگنے لگے۔

"بد بختو---- کیسا برا وقت ہے کہ تم سب کچھ بھول گئے ہو۔" اس نے گرج کر کہا۔ "یہ جمہوریت اور اس کے اصول ہم نے انسانوں کی تباہی و بربادی کے لیے وضع کیے تھے ورنہ مرتبہ تو عقل سے ہے۔ گدھے اور لومڑی کو ووٹ کا مساوی حق بے وقوف ہی دے سکتے ہیں۔ تم---- تم لوگ مجھ پر تنقید کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔"

"آپ کی عقل نے تو ہم سب کو اس حال تک پہنچایا ہے۔" امریکی چیف نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تم سب برباد ہو جاؤ گے۔"

"برباد ہو چکے ہیں، اور کیا ہوں گے۔ بہتر ہے، آج الیکشن کرالیا جائے۔"

"الیکشن ایسے نہیں ہوتا۔" ابلیس نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے آئین کے تحت بالغ رائے دہی کا اصول مروج ہے۔ تم الیکشن کی تاریخ مقرر کر لو۔ دیکھ لینا، میرے تمام مخالفین کی ضمانتیں ضبط ہو جائیں گی۔ مَیں تمام شیاطین میں مقبول ہوں، مَیں ہیرو ہوں ان کا۔"

"ہم بھی آئین میں ترمیم کرتے ہیں۔ آپ کہہ چکے ہیں کہ جمہوریت انسان کی تباہی کے لیے سوچی گئی تھی اور گدھے اور لومڑی کو ووٹ کا مساوی حق دینا بے وقوفی ہے۔ اب چیف ایگزیکٹو کا انتخاب یہ کونسل کرے گی۔" برطانوی چیف نے کہا۔

ابلیس کا چہرہ فق ہو گیا۔ "تم آئین میں ایسی کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔ ہم مقننہ ہیں۔ قانون ساز ادارہ ہیں۔ مَیں ابھی قرارداد پیش کر رہا ہوں۔ ابھی رائے شماری سے فیصلہ----" یہ امریکی چیف تھا۔

بات نہ جانے کہاں تک پہنچتی، مگر اسی وقت ابلیس کا سیکریٹری روتا پیٹتا، بین کرتا کانفرنس روم میں چلا آیا۔ "کیا ہوا؟" ابلیس نے گھبرا کر پوچھا۔

سیکرٹری نے بغیر کچھ کہے ضمیمہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ابلیس نے شہ سرخی پڑھی اور لرزنے لگا۔ اس نے اخبار ایک چیف کی طرف بڑھایا۔ پانچ منٹ میں وہ سب اخبار کی شہ سرخی پڑھ چکے تھے۔ کانفرنس روم کی فضا ماتمی ہو گئی تھی۔

میز پر رکھے اخبار کی شہ سرخی چیختی محسوس ہو رہی تھی۔ اسرائیل کے خلاف قراردادِ مذمت متفقہ طور پر منظور۔ کسی نے قرارداد کی مخالفت نہیں کی۔ امریکہ نے بھی قرارداد کے حق میں ووٹ دیا۔

"یہ کیسے ہوا؟" اچانک ابلیس نے گرج کر پوچھا۔ مخاطب امریکی چیف تھا۔

"وہی شرط والا معاملہ۔" امریکی چیف نے آہ بھر کے کہا۔ "اسی سلیمان نے شرط لگائی تھی کہ امریکہ اس قرارداد کو ویٹو کرے گا۔"

ابلیس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اچانک اسے نکتہ سوجھ گیا۔ "اب تم اپنے بارے میں غور کرو۔" اس نے امریکی چیف سے ملامتی لہجے میں کہا۔ "اپنی قوتِ فیصلہ کے بارے میں کیا کہو گے تم؟"

"مَیں کیا کر سکتا تھا؟" امریکی چیف نے بے بسی سے کہا۔ "شرط کے بارے میں آپ کا حکم ہی ایسا سخت اور غیر لچک دار تھا۔"

"لیکن یہاں معاملہ بنیادی پالیسی اور قومی سلامتی کا تھا۔ کیا میرے حکم سے سب کی تباہی کا سامان کیا جا سکتا ہے؟"

امریکی چیف نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

لوہا گرم تھا۔ ابلیس نے معاملات سنبھالنے کی آخری کوشش کے طور پر فیصلہ کن ضرب لگائی---- "ٹھیک ہے۔ مَیں اس المیے کی ذمے داری قبول کرتے ہوئے مستعفی ہو رہا ہوں۔ تم لوگ کسی اور سربراہ کا انتخاب کر لو۔"

ایک لمحے کو کانفرنس روم پر موت کی سی خاموشی مسلط ہوئی۔ پھر ایسا کہرام مچا' جیسے وہ موت کا گھر ہو۔ تمام شیاطین بین کر رہے تھے۔ پھر وہ سب ابلیس کے قدموں پر گرنے لگے۔

"یور ایکسیلنسی---- یہ غضب نہ کریں۔"

"مائی باپ' رحم کریں ہم پر۔"

"یور ہائی نس' اس بار معاف کر دیں۔"

سربلند ابلیس مسکراتا رہا۔

"ہم کہیں کے نہیں رہیں گے جناب۔"

"چپ ہو جاؤ۔" ابلیس نے گرج کر کہا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے تم لوگ مجھے جمہوریت پڑھا رہے تھے۔"

"ہماری غلطی تھی یور ایکسیلنسی۔ معاف کر دیں۔"

"جمہوریت تو تباہ کن چیز ہے۔ معاشرتی خودکشی ہے یور ہائی نس۔"

"اچھا بس۔" ابلیس ہاتھ اٹھاتے ہوئے دہاڑا۔ "اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری اجتماعی معذرت اور گریہ وزاری کی وجہ سے اور تمہارے پُرزور اصرار پر مَیں اپنے مستعفی ہونے کا فیصلہ واپس لیتا ہوں۔ اب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ اور سکون سے' توجہ سے میری بات سنو۔"

چند لمحوں میں احترام آمیز خاموشی چھا گئی۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

ابلیس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور بولا۔ "اس سال کو ضائع سمجھو۔ اس سے جو سبق سیکھے ہیں' ہمیشہ یاد رکھنا۔ انسان بہت خطرناک ہے۔ یار زندہ صحبت باقی۔ بس آئندہ جمہوریت کا نام نہ لینا۔ میری غلطی اپنی جگہ مگر میرا حکم ماننے میں کبھی نہ ہچکچانا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔"

"ایسا ہی ہو گا یور ایکسیلنسی!" سب نے بیک آواز کہا۔

"اور اب میرا تازہ ترین حکم سنو۔" ابلیس نے کہا۔ "سلیمان کو شرط کے سلسلے میں دیا جانے والا حکم کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔"

تمام شیاطین نے سکون کی سانس لی۔

"اور اب میرا دارالحکومت تبدیل ہو رہا ہے۔ مَیں فلسطین میں رہوں گا۔"

"جو مرضی عالی جاہ کی۔" سب نے بیک آواز کہا۔

"اب ایجنڈے پر بات ہو گی اور مستقبل کی منصوبہ بندی کی جائے گی۔"



پانچویں ٹیسٹ میچ کے آخری دن کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔ سیریز کا فیصلہ ہونے والا تھا کیونکہ اب تک سیریز ۲-۲ سے برابر تھی' مگر یہ طے تھا کہ انگلینڈ اس میچ کے ساتھ ہی سیریز بھی جیت جائے گا۔ پاکستان کو یقینی شکست کا سامنا تھا۔ انہیں جیتنے کے لیے آخری اننگ میں ۴۳۵ کا ٹارگٹ ملا تھا مگر چوتھے دن کھیل ختم ہونے تک صرف ۱۲۱ رنز پر پاکستان کے آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ پورا پانچواں دن باقی تھا' لیکن عام اندازہ یہ تھا کہ

پاکستانی ٹیم ایک گھنٹا بھی نہیں گزارے گی، کیونکہ بشمول وکٹ کیپر تمام بیٹسمین آؤٹ ہو چکے تھے۔

انگلینڈ کے ڈریسنگ روم میں اور ٹی سی بی کے پویلین میں جشن کا سماں تھا۔ پیٹر فورڈ بہت خوش تھا۔ محکمۂ موسمیات کی دن بھر شدید بارش کی پیش گوئی کے باوجود وہ مطمئن تھا۔ عقل مندی یہ ہوئی تھی کہ دوسرے ٹیسٹ کے بعد انہوں نے عدنان ایسوسی ایٹس انٹرنیشنل سے معاہدے کو کالعدم نہیں کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ موسم سے محفوظ تھے، بلکہ سیریز جیتنے والے تھے۔

میچ شروع ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ اچانک آسمان پر تیزی سے گھٹا چھانے لگی۔ بادل آسمان کا گھیراؤ کرنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ تیز ہوا بھی چلنے لگی، لیکن پیٹر فورڈ کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسے یقین تھا کہ بارش نہیں ہو سکتی۔

اسٹیڈیم تماشائیوں سے بھر چکا تھا۔ سب انگلینڈ کی کامیابی دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔ انگلینڈ کے کھلاڑی فیلڈنگ کے لیے میدان میں اترے تو پُرجوش تالیوں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

پھر پاکستانی بیٹسمین تھکے تھکے قدموں سے کریز کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ مایوسی ان کی چال ڈھال تک عیاں تھی۔

عین اسی لمحے جیسے آسمان پھٹ گیا۔ بارش اتنی اچانک اور اتنی تیز تھی کہ گراؤنڈ اسٹاف کو الرٹ ہونے کے باوجود پچ پر کورز ڈالنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا؟" ٹی سی بی کے چیئرمین نے پیٹر فورڈ سے کہا۔ "بارش تو نہیں ہونی چاہیے تھی اس موقع پر۔"

"میں ابھی عدنان سے بات کرتا ہوں۔" فورڈ کے لہجے میں اب بھی بے پروائی تھی۔ "ویسے تشویش کی کوئی بات نہیں۔ ہمیں تو صرف ایک گھنٹے کی مہلت چاہیے۔"

فورڈ نے عدنان کا نمبر ملایا۔ عدنان لہجے سے خود پریشان لگ رہا تھا۔ "میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمارے ماہرین سے غلطی تو نہیں ہو سکتی۔"

"کچھ کرو۔" فورڈ نے کہا۔ "ہمیں صرف ایک گھنٹا دلوا دو۔"

"میں ابھی آدھے گھنٹے میں آپ کو فون کرتا ہوں۔" عدنان نے کہا۔

رابطہ ٹوٹتے ہی عدنان نے سلیمان کو فون کیا۔ "یہ کیا گڑبڑ ہے یار؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں تو بہت خوش ہوں۔ ٹی وی پر لیڈز کرکٹ گراؤنڈ میں بارش ہوتے دیکھنا بڑا خوش گوار تجربہ ہے---- خاص طور پر اس لیے کہ پاکستان کو یقینی شکست کا سامنا ہے اور ہم سیریز بھی ہار سکتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو مجھ سے شرط لگائی تھی۔"

"ہاں لگائی تو تھی مگر اس وقت شیطان بہرا ہو گیا ہو گا۔"

"یار، پتا ہے، لاکھوں پاؤنڈ دینے پڑیں گے---- ہرجانے کے طور پر۔"

"کروڑوں کمائے بھی تو ہیں---- لاکھوں دینے سے کیوں گھبراتے ہو۔"

"یہ بات نہیں۔ مستقبل کے نقطۂ نظر سے سوچ رہا ہوں۔ یہ سلسلہ چل نکلا تو کمپنی دیوالیا ہو جائے گی۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔"

"پتا تو چلے کہ ایسا کیوں ہوا؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔" دوسری طرف سے سلیمان نے کہا۔

کچھ دیر بعد عدنان---- کی آواز ابھری۔ "سلیمان، میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ابھی ایک سیکنڈ میں لائن کی خرابی کی وجہ سے ہمارا رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ تمہیں دوبارہ فون کرنا پڑے گا، سمجھ رہے ہو نا۔"

"بہت اچھی طرح۔ میں دس ہزار پاؤنڈ کی شرط لگاتا ہوں کہ رابطہ نہیں ٹوٹے گا۔"

دونوں چند لمحے رابطہ ٹوٹنے کے منتظر رہے، مگر انہیں ایک دوسرے کی سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر عدنان نے کہا۔ "شیطان نے ہاتھ اٹھا لیا شاید۔"

"شاید نہیں یقیناً۔ چلو، خس کم جہاں پاک۔"

"مگر اب کیا ہو گا؟" عدنان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ابلیس کے ساتھ ہی مون ختم۔" سلیمان کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو؟" عدنان نے چڑ کر کہا۔

"بات ہی خوشی کی ہے۔ اس کا مطلب ہے' شیطان کی مکمل شکست۔"

"اب میں کیا کروں گا؟"

"اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ ہرجانہ ادا کرو۔ کاروبار سمیٹو اور وطن واپس آجاؤ۔ اب اسی نام پر ڈھنگ کا کوئی بزنس کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" عدنان ایک دم خوش ہو گیا۔

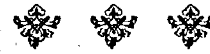
مگر پیٹر فورڈ بہت خفا ہوا۔ اس نے کہا۔ "یہ تمہاری تنگ نظری' قوم پرستی اور تعصب کا ثبوت ہے۔"

"جی نہیں۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں جادوگر نہیں ہوں' قدرت کے سامنے بے بس ہوں۔"

"میں نہیں مانتا۔"

"نہ مانیں۔ معاہدے کی رُو سے میں آپ کو ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

میچ ڈرا ہو گیا۔ سیریز برابر ہو گئی۔ انگلینڈ کے لیے وہ ماتمی دن تھا۔



تین برس گزر گئے۔

ایک سال پہلے شاہانہ بیگم کا انتقال ہو گیا تھا' چنانچہ وہ دونوں اپنے ساحلی علاقے والے بنگلے میں آ گئے تھے۔ اس دوران میں ان کو اللہ نے ایک بیٹا دیا تھا۔ عدنان کی شادی ہو گئی تھی۔ اس نے ان کے برابر کا بنگلا خرید لیا تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار بھی خوب چل رہا تھا۔ دونوں دوست شیر و شکر ہو کر رہ رہے تھے۔ سلیمان نے خود کو دارالطعام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مشترکہ کاروبار سنبھالنا عدنان کی ذمے داری تھی۔

اس رات دونوں دوست عشا کی نماز کے لیے نکلے تھے۔ اسی وقت رضوان دوسری طرف سے آ رہا تھا۔ اتنے قریب رہنے کے باوجود مہینوں سے ان کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ رضوان کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ پیے ہوئے ہے۔

ان کے پاس سے گزرتے ہوئے رضوان ٹھٹکا اور انہیں غور سے دیکھا۔ چند لمحے بعد وہ بولا۔ "اوہ---- داڑھی رکھ لی ہے' بہروپیوں نے۔"

وہ دونوں بھی رک گئے مگر خاموش تھے۔

"نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔" رضوان نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اس کی دی ہوئی توفیق اور سعادت ہے۔" سلیمان نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے عاجزی سے کہا۔ "حج تو اس کے بلاوے سے ہے اور وہ مطلق العنان ہے' جسے چاہے یہ سعادت دے دے۔ وہ تو نو ہزار چوہے کھانے والی بلی کو بھی نواز سکتا ہے۔"

"شاید یاد نہیں رہا کہ تم کیا تھے۔" رضوان نے ایک اور تیر چلایا۔

"یاد ہے۔ کبھی بھولوں گا بھی نہیں۔ ہاں تم بھول گئے کہ تم کیا تھے۔" سلیمان نے بھی رسان سے کہا۔

"شیطان کے دیے ہوئے مال پر اچھل رہے ہو۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ اس نے اچھلنے کی فطرت ہی چھین لی۔ برائیاں میری اپنی تھیں۔ اچھائیوں کی توفیق اس کی دی ہوئی ہے۔ اچھلنے کی بات نہ وہ تھی' نہ یہ ہے۔"

"سب جانتا ہوں بگلا بھگت۔" رضوان قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کچھ بھی تو نہیں جانتے دوست۔ بس گمان ہی گمان ہے۔"

"دوست مت کہنا مجھے۔"

"نہیں کہوں گا۔ بس ہدایت کی دعا کرتا رہوں گا تمہارے لیے۔"

"وہ بھی نہ کرنا جعلی بزرگ۔ دفع ہو جاؤ۔" رضوان آپے سے باہر ہونے لگا۔

"آؤ چلیں۔" سلیمان نے عدنان سے کہا جو اتنی دیر خاموش رہا تھا۔

وہ دونوں بڑھ گئے۔ کچھ آگے گئے تھے کہ پیچھے سے آنے والی عجیب آوازوں نے پلٹ

کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ رضوان زمین پر گرا اُلٹیاں کر رہا تھا۔
"دسترخوان پر بسم اللہ پڑھے بغیر بیٹھو تو شیطان بھی کھانے لگتا ہے اور درمیان میں بھی بسم اللہ پڑھ لو تو بدبخت اُلٹیاں کرتا ہوا بھاگتا ہے۔" عدنان نے تبصرہ کیا۔

"ایسے نہ کہو۔" سلیمان بولا۔ "اپنی نیکی کی وجہ سے خود کو عظیم اور دوسروں کو حقیر سمجھنے والا شیطان کا ہدف بن جاتا ہے۔ صرف عاجزی میں فلاح ہے۔ بس یاد رکھو' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ نیکی کی قوت اسی کے ہاتھ ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔"

"چلو..... جلدی کرو۔ کہیں جماعت نہ نکل جائے۔"

دونوں دوست تیز قدموں سے مسجد کی طرف چل دیے۔ پیچھے رضوان اب بھی اُلٹیاں کیے جا رہا تھا۔

